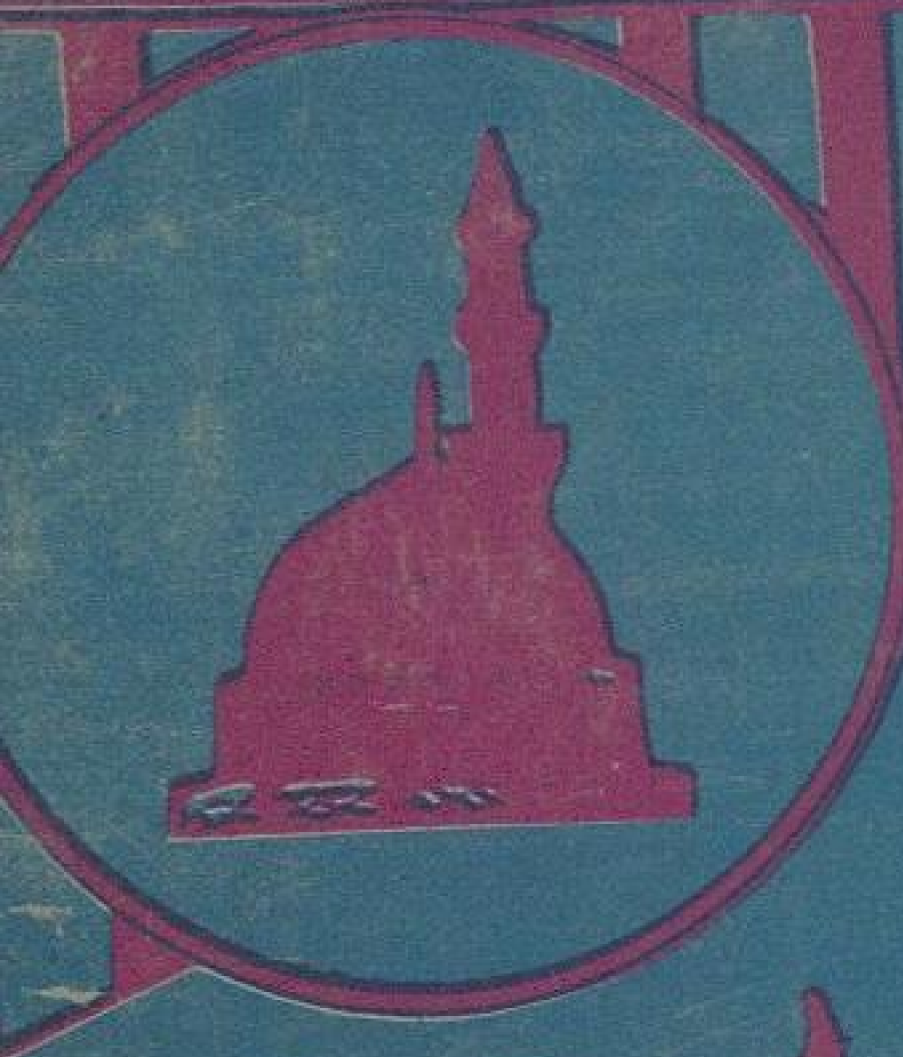


روحانی حکایات

(حصہ دوم)

تصنیف
شیخ الحدیث حضرت علامہ عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی مدظلہ

ناشر
مکتبہ فریدیہ
جناح روڈ ساہیوال

۷۸۶

لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِہِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ:

یقیناً ان کے قصوں میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے

روحانی حکایات

جلد دوم

مرتبہ

حضرت علامہ الحاج عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہ

ناشر

مکتبہ فریدیہ

جناح روڈ ہائی سٹریٹ ساہیوال

نام کتاب ______ روحانی حکایات

مصنف ______ علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی

سائز ______ ۱۸ × ۲۳
۸

ضخامت ______

کتابت ______ ابو سرمد، ساہیوال۔

منظور پریس لاہور

______ ناشر ______

مکتبہ فریدیہ ساہیوال

ہدیہ ______

حمدِ باری تعالیٰ

پوچھا گُل سے یہ مَیں نے کہ اے خوبرو
تجھ میں آئی کہاں سے نزاکت کی خو
یاد میں کس کی ہنستا مہکتا ہے تو؟
ہنس کے بولا کہ اے طالبِ رنگ و بو

اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ

عرض کی میں نے سُنبل سے اے مُشک بو
صبح کو کرکے شبنم سے تازہ وضو
جُھوم کر کون سا ذکر کرتا ہے، تو؟
سن کر کرنے لگا دم بدم ذکرِ ھُو

اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ

جب کہا میں نے بُلبُل سے اے خوش گلو
کیوں چمن میں چہکتا ہے تو چار سُو؟
دیکھ کر گُل کسے یاد کرتا ہے تُو؟
وجد میں بول اٹھا وحدہٗ وحدہٗ

اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ

جب پپیہے سے پوچھا کہ اے نیم جاں
یاد میں کس کی کہتا ہے تو "پی کہاں"؟
کون ہے "پی ترا" کیا ہے نام و نشاں؟
بول اٹھا بس وہی جس پہ شیدا ہے تو

اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ

اعظمی گرچہ بے حد گنہ گار ہے
مجرم و بدعمل ہے خطاکار ہے
حق تعالیٰ مگر ایسا غفار ہے
اس کی رحمت کا نعرہ ہے لَاتَقْنَطُوْا

اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ — اللّٰہ

نعت شریف

جو منتہی ہیں امرِ رسالت کے وہ رسول   اُمّی لقب مخاطب "یا ایّھا الرّسول"
جب تک نہ اُن کے ذکر سے رحمت کا ہو نزول   ممکن نہیں نماز و دُعا حق کرے قبول

ان کے عُلوِّ شان کی کچھ انتہا نہیں
افضل شرف میں ان سے کوئی جز خدا نہیں

ذاتِ نبی جہاں میں ہے رحمتِ خُدا   ختمِ رسل پہ تمام ہوئی نعمتِ خُدا
قدر و شرف سے ہیں ہمہ تن قدرتِ خُدا   سرِّ خُدا، امینِ خُدا، حُجّتِ خُدا

خلقت کا آسمان و زمین کی سبب ہوئے
اللہ رے اختصاص کہ محبوبِ رب ہوئے

معجز نما و صاحبِ تنزیل ہیں یہی   مخدومِ جبرئیل و سرافیل ہیں یہی
نُورِ خدائے پاک کی قندیل ہیں یہی   جو فرقِ عرش پر تھا وہ اکلیل ہیں یہی

کیا کیا مراتبِ شہِ عالی مقام ہیں
جن و بشر، رسول و ملک سب غلام ہیں

جس وقت تھا نہ آدم و عالم کا بھی پتہ   زیبِ سریرِ عرش تھے سُلطانِ انبیاءؐ
تھا دہر کو نہ خلعتِ ہستی ابھی ملا   فرمانروائے ملکِ قضا تھے شہِ ہدیٰ

کیا ہو شکست اُس کو وہ جس کی کمک کریں
کافر ہیں وہ جو اُن کی نبوت میں شک کریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتراف و اعتذار

بڑے شوق سے سُن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ناظرینِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

لیجیے! آپ کی زحمتِ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں کہ آپ کی محبوب کتاب "رُوحانی حکایات" کا دوسرا حصّہ بھی طبع ہو کر باصرہ افروز و نظر نواز ہو رہا ہے، میرا عزم تو یہی تھا کہ اس کتاب کے دونوں حصّوں کو ایک ہی ساتھ طبع کرا کر نذرِ ناظرین کرنے کی مسرت حاصل کرتا لیکن افسوس کہ میرا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔ جلد اوّل تو بحمدہٖ تعالےٰ چھپ کر قدر دانوں کے زیرِ مطالعہ آگئی۔ مگر جلد دوم کا مسوّدہ بھی مکمل نہیں ہو سکا۔ جس کا سبب میری قابلِ رحم مصروفیات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ روزانہ چھ گھنٹہ تدریس کا اہم اور دماغ سوز مشغلہ، پھر پورے ملک کے محبیّن کے خطوط و مسائل کے تحریر جواب کی ذمّہ داریاں، نیز تقریری پروگراموں اور مذہبی جلسوں میں حاضری کی پابندیاں، مزید برآں روزانہ احباب و معتقدین سے ملاقاتوں کی پریشانیاں، یہ وہ آہنی موانع ہیں جو مجھے اتنا موقع ہی نہیں دیتے کہ سکونِ قلب کے ساتھ تصنیف و تالیف کے لیے قلم اُٹھا سکوں۔ مگر کثرتِ کار اور ہجومِ افکار کے اسی "محشرستان" میں، قدر دانوں کی زحمتِ انتظار اور احباب کے پُرخلوص تقاضوں کا احساس و احترام کرتے ہوئے انتہائی عجلت میں قلم برداشتہ یہ "مجموعہ" اس طرح مرتب کر رہا ہوں کہ کبھی بھی ایک نشست میں اس کتاب کا ایک پورا صفحہ لکھنا نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ ایک ایک صفحہ بعض مرتبہ کئی کئی دنوں کی کئی کئی نشستوں میں پُورا ہو سکا۔ حد ہو گئی کہ مسوّدہ میں اصلاح و ترمیم کی بھی فرصت نہیں مل سکی۔ اور اصل مسوّدہ ہی جو قلم برداشتہ لکھا ہوا تھا کاتب کے پاس بھیج دینا پڑا۔ اس لئے میں عنوانوں کے انتخاب اور مضامین کی ترتیب میں جیسا کہ میری تمنا تھی فنکارانہ قلم کاری کی جدّت و ندرت کا کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کر سکا۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ مختلف قسم کے گلہائے رنگارنگ کی ایک ڈالی ہے۔ جو بغیر کسی صنّاعی کے نہایت ہی سادگی اور

بے تکلفی کے ساتھ پیش خدمت کر رہا ہوں۔ جو مندرجہ ذیل پانچ اہم عنوانوں پر مشتمل ہے!

(۱) عجائبات (۲) مجاھدات (۳) عبادات (۴) کرامات (۵) مُفرحات

بحمدہٖ تعالیٰ اکثر حکایات پر اپنا تبصرہ بھی تحریر کر دیا ہے جو اُمید کہ انشاءالمولیٰ تعالیٰ ناظرین کے لئے باعثِ مسرت وسامانِ بصیرت ثابت ہوگا! میں اپنے کرم فرما ناظرین سے اُمیدوار ہوں کہ وہ میری دوسری تالیفات کی طرح اس مجموعہ کو بھی اپنے دامنِ قبول میں جگہ عطا فرما کر اپنی ذرہ نوازیوں سے مجھے سرفراز فرمائیں گے اور اپنی مخلصانہ ومستجاب دُعاؤں سے مشکلات دارین میں میری امداد واعانت فرمائیں گے۔

آخر میں دعاگو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اس مجموعہ کو قبول فرما کر مقبول خلق ونافع الخلائق بنائے اور میرے لئے ذریعۂ ذریعۂ مغفرت وزادِ آخرت بنائے۔ (آمین)

نوشتہ بماند سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا اُمید

خاکپائے اولیاء
عبدالمصطفےٰ الاعظمی، عفی عنہ
ٹانڈہ - ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

فہرست مضامین

۷۸۶

عجائبات

دیدۂ حق شناس اگر طالب اعتبار ہو
خضرِ رہ یقین ہے بارگہِ "عجائبات"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

قبر انور میں نقب

سلطان عادل نورالدین زنگی نے ۵۵۷ھ میں نماز تہجد کے بعد ایک رات میں تین مرتبہ یہ خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو شخصوں کو دکھلا کر یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ

"اے نورالدین! تم ان دونوں کو مجھ سے جدا کرو، تم

ان دونوں سے مجھ کو بہت جلد بچاؤ"

سلطان یہ خواب دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور اپنے دین دار و صالح وزیر جمال الدین موصلی سے اپنے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ تو وزیر موصوف نے بے چین ہو کر انتہائی اضطراب میں یہ عرض کیا کہ اے سلطان عادل! اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ضرور مدینہ منورہ میں کوئی بہت بڑا حادثہ نمودار ہو گیا۔ لہٰذا اب ایک لمحہ کے لئے بھی ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے اور انتہائی ضروری ہے کہ ہم دونوں نہایت خاموشی کے ساتھ بالکل ہی پُراسرار طریقہ پر فوراً مدینہ منورہ حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ صرف بیس۲۰ آدمیوں کے ہمراہ کثیر دولت لے کر تیز رفتار سواریوں پر سفر کر کے صرف سولہ۱۶ روز میں سلطان مع وزیر کے ملک شام سے ناگہاں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ سلطان نے مسجد نبوی میں دوگانہ ادا کر کے صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔ اور صحن مسجد میں بیٹھ گئے۔ اور وزیر نے یہ اعلان کیا کہ سلطان اس وقت قبر انور کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اور اہل مدینہ کو نذرانۂ عقیدت کے طور پر ایک کثیر رقم ہر ہر فرد کو مرحمت فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا مدینہ منورہ کا ہر باشندہ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا اپنا نذرانہ لے جائے۔ چنانچہ تمام اہل مدینہ حضور سلطانی میں آ کر نذرانہ وصول کرتے رہے مگر جن دو شخصوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دکھلایا تھا وہ دونوں نظر نہیں آئے۔ یہاں تک کہ جب لوگوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ تو سلطان نے دریافت فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص باقی رہ گیا ہے جو ابھی تک نذرانہ لینے نہیں آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ باشندگان مدینہ میں سے تو کوئی شخص بھی باقی نہیں رہ گیا ہے مگر روم کے رہنے والے دو انتہائی عابد و زاہد آدمی ایسے ہیں جو کبھی کسی کا عطیہ قبول نہیں کرتے۔ بلکہ خود بے

شمار مال و دولت مدینہ منورہ کے فقراء و مساکین پر تصدق کرتے رہتے ہیں صرف یہی دو نوں ابھی تک بارگاہِ سلطانی میں حاضر نہیں ہوئے ہیں۔ سلطان نے فوراً ہی ان دونوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب یہ دونوں سلطان کے سامنے آئے تو حیرت و استعجاب سے سلطان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کہ یہی وہ دونوں شخص تھے جن کو خواب میں دکھلا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

"اے نورالدین! تم ان دونوں کو مجھ سے جدا کرو"

سلطان نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟ دونوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ بلادِ مغرب کے رہنے والے ہیں۔ امسال ہم حج کے لئے آئے تھے اور اب ایک سال تک کے لئے ہم نے یہاں روضۂ منورہ کے مجاور بن کر رہنے کا عزم کر لیا ہے۔ سلطان نے غضب سے تیوری چڑھا کر کئی بار فرمایا کہ تم لوگ سچ سچ بولو مگر وہ دونوں ہر بار نہایت جرأت کے ساتھ یہی کہتے رہے۔ بالآخر سلطان نے ان دونوں کی قیام گاہ کا پتہ دریافت کیا۔ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ دونوں روضۂ منورہ کے بالکل قریب ایک رباط کے اندر مقیم ہیں۔ سلطان نے ان دونوں کی گرفتاری کا حکم دیا اور خود اکیلا ان دونوں کے کمرہ میں داخل ہو گیا۔ تو یہ دیکھا کہ کمرہ میں بے شمار درہم و دینار کا انبار لگا ہوا ہے۔ طاقوں پر چند کتابیں رکھی ہوئی ہیں اور دو مہریں پڑی ہوئی ہیں۔ کمرے میں اس کے سوا دوسرا کوئی سامان نظر نہیں آیا۔ سلطان نے جب اہلِ مدینہ کے عمائد و اشراف سے دونوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو سب بالاتفاق کہنے لگے کہ یہ دونوں نہایت ہی مردِ صالح ہمیشہ کے روزہ دار، زاہد شب زندہ دار اور تہجد گذار ہیں۔ دن رات روضۂ منورہ پر حاضر رہتے ہیں۔ روزانہ صبح کو جنت البقیع اور ہر سنیچر کو مسجد قبا کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اور کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے اور امسال کی قحط سالی مدینہ منورہ کے باشندوں کی بے انتہا مالی مدد کرتے رہے ہیں۔ سلطان ان دونوں کی زاہدانہ صورتوں کو دیکھ کر اور اہلِ مدینہ کی مدح سرائی سُن سُن کر محوِ حیرت تھا اور پیکرِ تعجب بن کر کمرے میں بار بار چکر لگاتا اور نیچے اوپر دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ سلطان نے کمرے کے فرش اور چٹائی کو اٹھانے کا حکم دیا۔ جب چٹائی اٹھائی گئی تو ناگہاں یہ نظر آیا کہ زمین میں اتنی گہری سُرنگ کھودی ہوئی ہے جو قبرِ انور تک پہنچ چکی ہے۔ سلطان اور اہلِ مدینہ یہ ہوشربا منظر دیکھ کر ایک دم سناٹے میں آگئے۔ اور ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سلطان نے غصہ میں سُرخ انگارہ بن کر تڑپتے ہوئے پوچھا کہ تم دونوں سچ سچ بول دو کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کچھ دیر تو وہ دونوں خاموش رہے۔ مگر جب ان دونوں پر کوڑوں کی مار پڑنے لگی۔ تو دونوں

کہنے لگے کہ اے سلطان ہم دونوں نصرانی ہیں۔ ہم کو روم کے نصرانیوں نے مغربی حجاج کے ساتھ بے شمار مال و دولت دے کر اس مقصد کے لئے یہاں بھیجا ہے کہ ہم قبرِ انور کھود کر پیغمبرِ اسلام کے جسمِ انور کو نکال کر لے جائیں۔ چنانچہ ہم لوگ ساری رات نقب کھودتے ہیں اور مٹی کو ایک تھیلے میں جمع کر کے روزانہ صبح کو "جنت البقیع" کے قبرستان میں پھینک دیتے ہیں۔ یہ نقب بالکل قبر شریف تک پہنچ چکا ہے اور کل ہی رات ہم جسمِ مبارک نکالنے والے تھے مگر ناگہاں رات میں شدید بارش اور برق و باد کا طوفان آجانے سے ہم یہ کام نہ کر سکے اور آج صبح کو اچانک سلطان تشریف لائے اور ہم گرفتار ہو گئے۔ سلطان نورالدین ان ناپاک ظالموں اور خوفناک مجرموں کا لرزہ خیز اور دل دہلا دینے والا بیان سن کر لرزہ براندام ہو گیا اور جوشِ غضب میں روضۂ انور کی دیوار پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر زار و قطار رونے لگا۔ پھر غیظ و غضب میں بے خود ہو کر اپنی تلوار سے ان دونوں ملعونوں کا سر اڑا دیا۔ اور ان کی لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا کر راکھ بنا دیا اور اپنی خوش نصیبی پر ناز کر کے خداوند کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ حضور رحمۃ للعالمین کا مجھ پر کتنا بڑا کرم ہے کہ تمام جہان والوں میں سے اس خدمت کے لئے مجھ کمترین غلام کو منتخب فرمایا۔ اور تین تین مرتبہ خواب میں مجھے اپنے دیدار پُرانوار سے مشرف فرما کر مجھے اس خدمت کے لئے مامور فرمایا۔ سلطان بار بار یہی کہتے تھے اور ان کی اشک بار آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات گوہر آب دار بن کر ان کے چمکتے ہوئے رخسار پر نثار ہو رہے تھے اس خوشی میں سلطان نے بے شمار دولت لٹا کر غریبوں کو مالا مال اور مسکینوں کو نہال کر دیا۔ پھر روضۂ انور کے اردگرد چاروں طرف نہایت گہری نیو کھدوا کر اور سیسہ پگھلا کر اس نیو میں بھروا دیا۔ تاکہ قبرِ انور کے گرد سیسہ کی دیوار میں کوئی نقب نہ لگا سکے۔[1]

ملعون منصوبہ ناکام

جب مصر کے عُبیدی خاندان کے بادشاہ کا حجاز پر بھی تسلط ہو گیا تو بعض زندیقوں نے بادشاہ کو یہ ناپاک مشورہ دیا کہ اگر روضۂ منورہ کو کھود کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسمِ انور اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مبارک جسموں کو مدینہ منورہ سے منتقل کر کے مصر میں دفن کر دیا جائے تو مصر کی عزت و عظمت میں چار چاند لگ جائیگا۔ کہ تمام دنیائے اسلام کے زائرین بجائے مدینہ منورہ کے مصر آنے لگیں گے۔ احمق و بد دین بادشاہ مصر کو یہ مشورہ پسند آگیا اور اس نے اپنے ایک بہت ہی معتمد درباری کو اس مہم کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا۔ جس کا نام "ابوالفتوح"

[1] وفاالوفاء جلد ۲ ص ۶۴۸

تھا۔ اہل مدینہ کو اس ناپاک منصوبے کی خبر ہوگئی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی ابوالفتوح کا قافلہ اس منحوس عزم کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوا مدینہ کے ایک قاری نے مجمع عام میں یہ آیت تلاوت کردی،

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ توبہ

"کیا تم لوگ اُس قوم سے جنگ نہ کروگے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کرلیا حالانکہ انھیں کی طرف سے پہل ہوئی ہے کیا ان سے ڈرتے ہو؟ تو اللہ اسکا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو! (توبہ)

قاری نے ایسے پُر درد لہجے میں اس آیت کو پڑھا کہ اہل مدینہ کے قلوب میں محبت رسول کے جوش و خروش کا ایک آتش فشاں پھٹ پڑا۔ اور لوگ غیظ و غضب میں بھر کر اتنے جوش اور طیش میں آ گئے کہ ابوالفتوح اور اس کے ہمراہیوں کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالنے کا عزم بالجزم کرلیا اور اس رات میں اچانک ایسی خوفناک آندھی آئی کہ اونٹ مع پالان کے اور گھوڑے مع زین اور سوار کے گیند کی طرح زمین پر لڑھکتے ہوئے نظر آنے لگے۔ یہ قدرتی مناظر دیکھ کر ابوالفتح کے دل میں ایسا خوف و ہراس طاری ہوا کہ وہ مارے دہشت کے بید کی طرح لرزنے اور کانپنے لگا اور قسم کھا کھا کر یہ اعلان کرنے لگا کہ اگر بادشاہ مصر میرا سر بھی کاٹ لے پھر بھی اس ملعون منصوبہ پر ہرگز ہرگز کبھی عمل نہیں کرونگا یہ سُن کر اہل مدینہ کا جوش ٹھنڈا ہوا۔ اور اپنی جان بچا کر ابوالفتح مصر چلا گیا اور بادشاہ کو اتنا خوف دلایا کہ اس کے ہوش اڑ گئے اور وہ اس منصوبہ سے تائب ہوگیا[1]

چالیس حلبی زندہ درگور

"محب طبری" نے اپنی کتاب "الریاض النضرہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ "حلب" کے کچھ رافضیوں نے لاکھوں اشرفیوں کی رقم اور بے شمار تحفہ امیر مدینہ کی خدمت میں رشوت کے طور پر اس مقصد کیلئے پیش کیا کہ وہ انھیں مسجد نبوی میں رات بھر رہنے اور روضۂ مبارکہ میں نقب لگا کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مبارک جسموں کو قبر انور سے نکال کرلے جانے کی اجازت دیدے۔ رشوت خور بدکار امیر

[1] جذب القلوب صفحہ ۱۲۶

لالچ کا شکار ہوگیا اور ان خونخوار درندوں کو مسجد نبوی میں رات بھر رہنے اور اپنا منصوبہ پورا کر لینے کی اجازت دیدی۔ اور مسجد نبوی کے شیخ الخدام "شمس الدین صواب" کو حکم دیدیا کہ جس وقت رات میں ان روافض کا گروہ مسجد نبوی میں داخل ہونا چاہے ان کے لئے دروازے کھول دینا۔ "شمس الدین صواب" کا بیان ہے کہ آدھی رات کو چالیس آدمیوں کا گروہ کدال پھاوڑے اور دوسرے کھدائی کے آلات و سامان سے مسلح ہو کر مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اور میں مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر رونے لگا۔ مگر اپنے مولا کی شان کے قربان کہ جیسے ہی یہ مردود لوگ "منبر شریف" کے قریب پہنچے ایک دم سب کے سب زمین میں دھنسنے لگے یہاں تک کہ سب زندہ درگور ہو گئے۔ دو تہائی رات گذرنے کے بعد امیر مدینہ نے مجھے طلب کر کے ان لوگوں کا حال پوچھا تو میں نے آنکھوں دیکھا ماجرا عرض کر دیا کہ وہ سب لوگ زمین میں دھنس گئے۔ امیر مدینہ نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ تم بالکل پاگل اور دیوانے ہو گئے ہو۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ پتھر کے فرش میں چالیس آدمی زمین کے اندر دھنس جائیں؟ میں نے عرض کیا کہ امیر خود چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ابھی تک ان لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا نشان باقی ہے اور ابھی تک ان کے کچھ لباس وغیرہ زمین میں دھنسے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ یہ سن کر امیر مدینہ سناٹے میں آگیا۔ اور کہنے لگا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا ورنہ میں تلوار سے تمہارا سر اڑا دوں گا۔[1]

تبصرہ برادران ملت! مذکورہ بالا تینوں حکایات کو پڑھ کر اندازہ لگائیے کہ زمانہ ماضی میں دشمنان اسلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور ایذا رسانی کے لئے کیسی کیسی خوفناک سازشیں کیں اور کیسے کیسے گندے اور گھناؤنے منصوبے بنائے مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ کتنا حق اور سچا ہے کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ، یعنی "اے محبوب! اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا"۔

کفار مکہ بڑی بڑی کوششیں اور انتہائی جدوجہد کرتے رہے کہ پیغمبر اسلام کا خاتمہ کر کے اسلام کا نام و نشان مٹا دیں۔ کبھی رات میں کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر کے پیغمبر برحق کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ کبھی دوران سفر میں رات کے اندھیرے میں اچانک قتل کر دینے کا پلان تیار کیا۔ کبھی میدان جنگ میں حملہ کر کے شہید کر دینے کا عزم کیا۔ کبھی جادو کر کے کبھی زہر کھلا کر مار ڈالنے کا پروگرام بنایا غرض پیغمبر اسلام کے نام و نشان کو مٹا دینے کے لئے کوئی ایسی دسیسہ کاری نہیں تھی جس کو کفار نے نہ کیا ہو۔ لیکن خداوند قدوس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

[1] جذب القلوب ص ۱۲۷

سے یہ وعدہ فرمالیا تھا کہ اے محبوب! اللہ آپ کو ان لوگوں سے بچائے گا۔ چنانچہ ہر موقع پر خدا کا وعدہ پورا ہوا اور جب بھی کفار نے کوئی سازشی حملہ کیا۔ اور چراغِ نبوت کو بجھا دینے کا ارادہ کیا تو خدا کی طرف سے ایسی نصرت و حفاظت کا سامان ہوگیا کہ کفار کا منصوبہ ناکام ہوگیا اور قدرت پکار اٹھی کہ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

برادرانِ ملت! جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو اللہ عزوجل نے اپنی عصمت و حفاظت کے حصار میں "معصوم و محفوظ" بنایا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی دشمنِ رسول نہ آپ کو قتل کر سکا نہ آپ کا نام و نشان مٹا سکا۔ اسی طرح آپ کی قبرِ منور کو بھی خداوندِ عالم نے اپنے حصارِ عصمت اور دائرہ حفاظت میں اس طرح "معصوم و محفوظ" فرمالیا ہے کہ کوئی دشمنِ رسول قبرِ انور تک دست درازی کر کے آپ کے وجودِ مقدس کی توہین اور ایذا رسانی کی قدرت نہیں پاسکتا۔ چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ روم کے نصاریٰ ہوں یا مصر کے ملحدین، حلب کے روافض ہوں یا دوسرے ملعونین، جس نے بھی قبرِ انور کھودنے کا پروگرام بنایا وہ خائب و خاسر اور ناکام و نامراد ہی رہا اور ہر خوفناک سے خوفناک سازشی پلان کے موقع پر منادیٔ قدرت کا یہی اعلان رہا کہ ؎

مصطفےٰ ہے نورِ حق اس کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

برادرانِ اسلام! بلاشبہہ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی کھلی ہوئی کرامت ہے کہ بڑی بڑی خطرناک کوششوں کے باوجود کوئی بڑے سے بڑا دشمنِ رسول بھی قبرِ منور کو توڑ پھوڑ سکا نہ ویران و برباد کر سکا۔ حد ہوگئی کہ نجدی حکمران ابن سعود وہابی کا جب حرمین شریفین پر غلبہ و تسلط ہوگیا تو اس ظالم نے "جنۃ المعلیٰ" اور "جنت البقیع" کے دونوں قبرستانوں کو توڑ پھوڑ کر ویران کر دیا۔ اور صحابہ کرام و اہلبیت عظام کے قبّوں کو منہدم اور ان اکابر کی قبروں کو شہید کر کے مسمار کر دیا اور حرمین شریفین کے تمام مقابر کو تاخت و تاراج کر کے ان پر سڑکیں اور مکانات بنوا دیئے مگر قبورِ اہل اللہ کا یہ کٹر دشمن بھی اپنی بے پناہ تمناؤں اور کوششوں کے باوجود روضۂ منورہ اور قبرِ انور کو ہاتھ نہیں لگا سکا۔ باوجودیکہ "گنبدِ خضرا" کی عظمتِ شان کو دیکھ کر یہ بدبخت جل بھن گیا

مگر اس مرکز ایمان اور اسلامی نشان کو "صنم اکبر" (بڑا بت) لکھنے کے سوا یہ بدزبان اور کچھ بھی نہ کرسکا نہ کہہ سکا۔ اور الحمد للہ کہ آج بھی گنبدِ خضرا کا جاہ و جلال اور قبرِ منور کا حسن و جمال اہل ایمان کی نگاہوں کو نورِ عرفان سے مالامال اور بدباطنوں اور بے ایمانوں کو رنج و ملال کی ٹھوکروں سے پامال کر رہا ہے۔ وللہ الحمد۔

برادرانِ ملت! ان حکایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ انور میں زندہ ہیں اور تمام جہان والوں کے نیک و بد اعمال آپ کے پیش نظر ہیں اور آپ کو قبر شریف میں بھی خداوند قدوس نے طرح طرح کے تصرفات کی طاقت و قدرت بخشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اپنی بارگاہ کے مجرموں کو سزا دلانے کیلئے ملک شام سے سلطان نور الدین کو طلب فرما لیا اور کبھی خود ہی اپنی نگاہ قہر سے ملعونوں کو زندہ درگور فرما دیا۔ تاکہ اس شبہہ کا قلع قمع ہو جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دشمنوں کو دفع کرنے میں کسی کی امداد کے محتاج ہیں۔

برادرانِ ملت! یہ ایمان کی بات ہے کہ خداوند عالم نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تصرفات کی ایسی عظیم قدرت عطا فرمائی ہے کہ آپ زمین کے اوپر ہوں یا قبر انور کے اندر ہر جگہ آپ کے ادنیٰ چشم و ابرو کے اشارے سے زمین و آسمان کا نظامِ عالم درہم برہم ہو سکتا ہے۔ آپ اگر سلطان نور الدین یا کسی اور سے کوئی خدمت طلب فرمالیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ خود اس کام سے عاجز ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ گو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی خداداد طاقت سے اس کام کو انجام دے سکتے تھے۔ مگر یہ آپ کا کرم سلطانی ہے کہ اس خدمت سے اپنے کسی غلام کو سرفراز فرما دیا۔ جس کی بدولت وہ غلام عزت دارین کی سلطنت کا تاجدار بن گیا۔ حضرت شیخ سعدی نے اسی نقطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا کہ،

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کُنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یعنی تم یہ احسان نہ جتاؤ کہ تم بادشاہ کی خدمت کرتے ہو بلکہ تم بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے تم کو اپنی خدمت میں رکھ لیا ہے۔

پھر ان تینوں حکایات میں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ روم کے نصاریٰ، مصر کے زنادقہ اور حلب کے روافض کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کے اجسام مبارکہ قبر شریف کے اندر سلامت

ہیں چنانچہ اپنے اسی اعتقاد کی بنا پر تو ان لوگوں نے قبر انور سے ان مقدس جسموں کو نکال کر منتقل کرنے کی جدو جہد کی۔ یہ اس دور کے بدعقیدہ مسلمان کہلانے والوں کے لئے بڑی عبرت کا مقام ہے۔ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے اور قبر انور ایک مٹی کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اہل انصاف فیصلہ کریں کہ یہ برائے نام مسلمان کہلانے والے اس معاملہ میں نصاریٰ اور روافض سے بھی گئے گذرے کہلائیں گے یا نہیں۔؟

مسلمانو! یہ قیامت صغریٰ نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک نصرانی تو اس حدیث کی تصدیق کرتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیاء کے مقدس جسموں کو کھائے۔ مگر ایک مدعی اسلام کھلم کھلا اس بدعقیدگی کا پرچار کرتا پھرتا ہے کہ (معاذ اللہ) "نبی مر کر مٹی میں مل گئے"

بہر کیف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد تصرفات اور "حیاۃ النبی" کا مسئلہ مسلمانان اہلسنت کا وہ متفق علیہ اعتقادی مسئلہ ہے جس میں کسی اہل حق کا اختلاف نہیں۔ اس موضوع پر عزیز محترم مولانا "ارشد القادری" کے چند نعتیہ اشعار کس قدر روح پرور اور ایمان افروز ہیں!

جس سے تم روٹھو وہ برگشتہ دنیا ہو جائے
جس کو تم چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے

آنکھ اُٹھا دو تو کڑی دھوپ میں ساون برسے
مسکرا دو تو اندھیرے میں اُجالا ہو جائے

قہر سے دیکھو تو بجھ جائے چراغِ ہستی
اور ہنس دو تو مری خاک بھی زندہ ہو جائے

ذرے ذرے میں اُجالا ہے تمہارے رُخ کا
تم جو منہ پھیر لو عالم میں اندھیرا ہو جائے

یاد گیسوئے نبی صبح کو دے جلوۂ شام
بات عارض کی جو چھیڑوں تو سویرا ہو جائے

گستاخ کے سر پر پتھر

سنہ ۹۱ھ میں اُموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے حکم سے مدینہ منورہ کے گورنر حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد نبوی کی تعمیر کیلئے قبر انور کے حجرہ کی دیواروں کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ دیوار گرتے ہی قبر انور نظر آنے لگی۔ ایک

رومی معمار جو نصرانی تھا اُس نے یہ دیکھ کر اس وقت مسجد میں کوئی مسلمان موجود نہیں ہے اپنے نصرانی ساتھیوں سے کہا کہ "میں پیغمبر اسلام کی قبر پر پیشاب کروں گا" اُس کے ساتھیوں نے اس کو اس ناپاک ارادہ سے ہر چند منع کیا مگر وہ ملعون نہیں مانا لیکن ابھی وہ اس ارادۂ بد سے چلا ہی تھا کہ اُوپر سے ایک پتھر اُس کے سر پر گرا اور کا بھیجا پاش پاش ہو کر بکھر گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر بہت سے نصرانی معمار اُسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔[1]

تبصرہ یہ خداوند تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے دربار کے مجرموں کو کبھی کبھی سزا بھی دیتا ہے لیکن اکثر معاف فرما دیتا ہے مگر اپنے محبوبوں کی بارگاہ کے مجرموں کو اُس قہار و جبار کی قہاری و جباری کبھی معاف نہیں فرماتی بلکہ ضرور ضرور عذاب میں مبتلا فرما دیتی ہے اس لئے جو لوگ اپنی بدعقیدگی یا جہالت سے انبیاء و اولیاء کی قبروں کے بارے میں زبان درازی یا عملی بے ادبی کرتے ہیں انھیں ہوش میں آنا چاہئے کہ خدا کی پکڑ بڑی سخت ہے اور اُس کا اپنے محبوبوں پر بڑا پیار ہے۔ اور اپنے محبوب اور پیارے کی ہر چیز محبوب اور پیاری ہوتی ہے پھر خداوند تعالیٰ کے محبوب مطلق، نبی برحق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مکرم کا تو کیا کہنا؟ اللہ اکبر کیا خوب فرمایا اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے ؎

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کُرسی سے اُونچی کُرسی اسی پاک گھر کی ہے

کربلا کی قبریں شہید

خلیفۂ بغداد "متوکل علی اللہ" عباسی اہل بیت کا انتہائی دشمن اور پکا "خارجی" تھا۔ اس ظالم نے ۲۳۶ھ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے شہداء کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس قبروں کو توڑ پھوڑ کر شہید کرا دیا۔ اور روضۂ شریفہ کی تمام عمارتوں کو بھی منہدم کرا کر کھیت بنا ڈالا اور کربلا کی زیارت سے لوگوں کو بالکل ہی روک دیا۔ یہاں تک کہ کربلا ایک ویران اور سنسان خوفناک صحرا بن گیا۔ اہل بغداد اور تمام دُنیا اسلام کے مسلمان اس ظالمانہ حرکت پر انتہائی جوش اور طیش میں آ گئے۔ لیکن ایک ظالم و جابر حکومت کا کون مقابلہ کرے یہ ایک بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ مسلمانوں نے اظہار بیزاری کیلئے گالیوں سے بھرا ہوا اشتہار دیواروں اور مسجدوں میں لگانا شروع کر دیا اور

[1] وفاء الوفاء ج ۲ ص ۵۱۹

شعراء نے حکومت کی ہجو میں بڑے بڑے لرزہ خیز اور رقت انگیز اشعار لکھے۔ مگر اس ظالم خارجی پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس دردناک واقعہ کے بعد اس ظالم حکومت کے دور میں کیسے کیسے عبرتناک و ہولناک اور ہلاکت آفریں قدرتی نشانات عذابِ الٰہی بن کر نازل ہوئے۔ ان کی کچھ تفصیل سنئے اور جذبہ تحیر اور جوشِ عبرت میں سر دھنئے!

(۱) ۲۳۸؁ھ میں رومیوں نے اس سلطنت پر یلغار کر کے شہر "دمیاط" کو لوٹ لیا اور قتل و غارت کا بازار گرم کر کے پورے شہر کو جلا ڈالا اور چھ سو عورتوں کو گرفتار کر کے سمندری راہ سے فرار ہو گئے۔

(۲) ۲۴۰؁ھ میں شہر "اخلاط" والوں نے آسمانی فضا سے ایک ایسی قیامت خیز گرج دار چیخ سنی کہ بے شمار مخلوقِ خدا دہشت سے دہل کر مر گئی اور پورے عراق میں مرغی کے انڈے جتنے بڑے بڑے اولے پڑے اور بلادِ مغرب کے تین گاؤں زمین میں دھنس گئے۔

(۳) ۲۴۱؁ھ میں آسمان سے ٹڈیوں کی طرح رات کے اکثر حصے میں تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہے اور اتنا بھیانک اور ڈراؤنا منظر نظر آنے لگا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی!

(۴) ۲۴۲؁ھ میں اتنا عظیم الشان زلزلہ آیا کہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ زمین پھٹ گئی اور بڑے بڑے غار بن گئے اور مصر کے گاؤں "سویدار" پر آسمان سے اتنے بڑے بڑے پتھروں کی سنگباری ہوئی کہ لوگوں نے ایک پتھر کا وزن کیا تو وہ دس رطل کا وزنی تھا اور یمن کا پہاڑ جس پر کھیتیاں تھیں اپنی جگہ سے چل کر بہت دور دوسرے کھیتوں میں چلا گیا۔ اور اسی سال "حلب" میں ایک پرند نمودار ہوا جو گدھ سے کچھ چھوٹا تھا۔ وہ دو دن چالیس چالیس مرتبہ بلند آواز سے اس طرح بولا، "یا معاشر الناس اتقوا اللّٰہَ اللّٰہَ اللّٰہَ" اس واقعہ کو پرچہ نویسوں نے پانچ سو انسانوں کی گواہی سے تحریر کر کے دربارِ خلافت میں بھیجا۔

(۵) ۲۴۵؁ھ میں ایسا ہلاکت آفریں زلزلہ آیا کہ پوری سلطنت میں شہروں، قلعوں، پلوں کی تباہی و بربادی سے سارا انتظامِ سلطنت درہم برہم ہو گیا۔ اسی زلزلہ میں "انطاکیہ" کا ایک پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر سمندر میں گر پڑا۔ آسمان سے دہشت انگیز اور خوفناک آوازیں آنے لگیں۔ مصر میں ایک ایسی دِل ہلا دینے والی چیخ سنی گئی کہ دہشت سے لوگوں کے دِل پھٹ گئے اور ہزاروں لاکھوں جان دار مخلوق فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ مکہ مکرمہ کے تمام چشمے خشک ہو گئے۔ چنانچہ متوکل نے ایک لاکھ دینار مکہ مکرمہ میں پانی کا انتظام کرنے کے لئے بھیجا۔

(۶) ۲۴۷ھ میں خود "متوکل" کے لڑکے "منتصر باللہ" نے سازش کر کے پانچ ترکوں کو آدھی رات میں متوکل کے خلوت خانہ میں بھیج دیا، اور ان ترکوں نے متوکل اور اس کے وزیر "ابن خاقان" کو ٹھیک اس وقت جب کہ وہ دونوں خلوت خانے میں لہو ولعب کی مجلس گرم کر کے کیف ونشاط میں سرشار تھے قتل کر دیا۔[1]

مسجد نبوی کیوں جل گئی؟

خلیفہ بغداد "مستعصم باللہ" کے دور ۶۵۴ھ میں رمضان کی پہلی رات کو مسجد کی قندیلیں جلانے والے کی مشعل سے مسجد نبوی میں ایسی تباہ کن آگ لگ گئی کہ پوری مسجد اور مسجد کی زیب و زینت کا پورا سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ اہل مدینہ نے جان توڑ کوشش کی کہ آگ بجھ جائے مگر انتہائی جدوجہد کے باوجود بھی آگ پر قابو نہیں پایا جا سکا۔ مسجد نبوی میں آتش زدگی سے عوام میں بڑا ہیجان پیدا ہو گیا اور طرح طرح کے شکوک و شبہات اور قسم قسم کی چہ می گوئیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تو شیخ ابراہیم محمد کنانی رئیس المؤذنین نے یہ انکشاف کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ مسجد کی جلی ہوئی دیواروں پر جا بجا یہ دو شعر قدرتی تحریروں میں لکھے ہوئے دیکھے گئے ۔

لَمْ یَحْتَرِقْ حَرَمُ النَّبِیِّ لِرَیْبَۃٍ ۔۔۔ یُخْشٰی عَلَیْہِ وَمَا بِہٖ مِنْ عَارٖ

لٰکِنَّہٗ اَیْدِی الرَّوَافِضِ لَمَسَتْ ۔۔۔ تِلْکَ الرُّسُوْمَ فَطُھِّرَتْ بِالنَّارٖ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم کسی خوفناک حادثہ کی وجہ سے نہیں جلا ہے اور یہ کوئی شرمناک واقعہ بھی نہیں ہے چونکہ روافض کے ہاتھوں نے ان تمام نشانات کو چھو دیا تھا اس لئے یہ سب چیزیں آگ کے ذریعے پاک کی گئی ہیں۔"

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ ان دنوں مدینہ منورہ اور مسجد نبوی پر روافض کا پورا پورا غلبہ اور تسلط تھا۔ چنانچہ شہر کا قاضی، مسجد کے خطیب، مسجد کے خدام وغیرہ سب کے سب روافض ہی تھے۔ یہاں تک کہ "ابن فرحون" کا بیان ہے کہ کوئی شخص اہل سنت کی کتابوں کو مدینہ منورہ میں علانیہ پڑھ نہیں سکتا تھا۔[2]

تبصرہ } اس میں شک نہیں کہ جس طرح صالحین اور نیکوں کی برکت سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اسی طرح بدعقیدہ اور بدعمل و بدکار لوگوں کی نحوست سے قسم قسم کی بلائیں اور آفتیں آتی رہتی ہیں۔ اسی لئے بزرگان دین نے بدعقیدہ اور بدکار لوگوں کی صحبت سے انتہائی پرہیز رکھنے کا حکم دیا ہے۔ بزرگوں نے ایسے قافلوں کے

[1] تاریخ الخلفاء ص۲۴۱ [2] وفاء الوفاء ص۶۰

ساتھ سفر کرنے اور ایسے محلّوں میں مقیم رہنے سے انکار فرمادیا ہے جس میں بد مذہب، بدعقیدہ اور بدکار لوگوں کا ساتھ ہو۔ ایسے قبرستانوں میں دفن کرنے اور دفن ہونے سے بزرگوں نے سخت تنقید کے ساتھ منع فرمایا ہے جہاں بدعقیدہ اور بدکار لوگوں کی قبریں ہوں۔ حضرت جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ،

دور باش و دُور شو از یار بَد

یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

یعنی بُرے دوست سے دُور ہو جاؤ۔ اور ایسے لوگوں سے ہمیشہ دُور رہو کیونکہ بُرا ساتھی بُرے سانپ سے بھی زیادہ بُرا ہوتا ہے۔ کیوں کہ بُرا سانپ تو زیادہ سے زیادہ تمہاری جان لے لے گا مگر بدعقیدہ و بدکار ساتھی تو تمہارا ایمان لے لے گا جو جان سے بھی زیادہ عزیز چیز ہے۔

بعض لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ ہم کو بد مذہبوں کی بد اعتقادی سے کیا مطلب؟ اُن کا عقیدہ اُن کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہمارے ساتھ۔ مگر ایسے لوگ سخت دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کون نہیں جانتا کہ شخص تنور یا بھٹی کے پاس بیٹھے گا وہ لاکھ کوشش کرے مگر اس کو آگ کی گرمی ضرور پہنچے گی۔ اسی طرح بدعقیدہ و بدکار کی صحبت ضرور اپنا اثر دکھائے گی۔ کچھ نہیں ہوگا تو اُن لعنتوں اور بلاؤں میں سے ضرور کچھ حصہ پالے گا۔ جو ان لوگوں پر ان کی نحوستوں کی وجہ سے اُترتی رہتی ہیں۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

بھیڑیا اور بکری ایک ساتھ

موسیٰ بن اَعیُن کہتے ہیں کہ جس دن سے حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کا دور شروع ہوا "کرمان" میں بھیڑیے بکریوں کے ساتھ ساتھ ایک چراگاہ میں چرنے لگے۔ اور کبھی کسی بھیڑیے نے کسی بکری پر حملہ نہیں کیا۔ لیکن ایک رات بالکل ناگہاں ایک بھیڑئیے نے ایک بکری کو پھاڑ ڈالا تو ہم لوگوں نے آپس میں یہ کہنا شروع کردیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً عمر بن عبد العزیز کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ جب لوگوں نے اس کی جستجو اور تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ اسی رات میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا وصال ہوا تھا جس رات کو بھیڑیے نے بکری پر حملہ کیا تھا۔[۱]

تبصرہ } یہ تجربہ ہے کہ بادشاہ اور حاکم جس قدر عادل و منصف ہوں گے اُسی قدر ملک میں امن وامان اور

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۲

آرام و عافیت کا دور ہوگا اور اگر بادشاہ اور حکام بدنیت اور ظالم ہوں گے تو اس ملک میں ہر طرف ظلم ہی ظلم پھیلا ہوگا اور کسی کو آرام و عافیت کا منھ دیکھنا نصیب نہیں ہوگا۔ بادشاہوں اور حاکموں کے عدل کی برکتیں اور ظلم کی نحوستیں صرف انسانوں ہی تک محدود نہیں رہتیں بلکہ حیوانات و نباتات میں بھی ان کے اثرات کا ظہور ہوتا ہے

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

ایک لقمہ کا ضرر

"حضرت شریک" محدث دوسرے اپنے ہمعصر محدثین کی طرح بڑے متقی اور دین دار تھے اور بادشاہوں کی صحبت اور ملازمت سے انتہائی بیزار و متنفر بھی تھے۔ لیکن ایک دن خلیفہ بغداد "مہدی عباسی" نے آپ کو دربار میں بلا کر مجبور کر دیا کہ آپ کو تین کاموں میں سے ایک کام کرنا ہی پڑے گا۔ یا تو آپ قاضی کا عہدہ قبول کیجئے۔ یا میرے شاہزادوں کو تعلیم دیجئے یا ایک لقمہ دسترخوان پر میرے ساتھ بیٹھ کر کھا لیجئے حضرت شریک یہ خیال کر کے کہ قاضی بن جانے یا شہزادوں کا معلم ہو جانے کی بہ نسبت ایک لقمہ کھا لینا بہت آسان ہے۔ چنانچہ آپ نے ان تینوں بلاؤں میں سے ایک لقمہ کھا لینا قبول فرمالیا۔ بادشاہ نے باورچی کو حکم دیا کہ شکر کی چاشنی میں مغزیات شامل کر کے قسم قسم کا کھانا تیار کرے۔ حضرت شریک محدث جیسے ہی بادشاہ کے دسترخوان پر بیٹھے باورچی نے لوگوں سے یہ کہدیا کہ حضرت شریک ایک ایسے جال میں پھنس گئے ہیں جس سے یہ کبھی رہائی نہیں پائیں گے چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا کہ حضرت شریک اس کے بعد شہزادوں کے معلم بھی بن گئے اور پھر خلیفہ کے دباؤ سے قاضی کا عہدہ بھی قبول کر لیا۔ شاہی دسترخوان کا ایک ہی لقمہ ان کے لئے اس قدر مضر بن گیا۔ [۱]

تبصرہ حقیقت یہ ہے کہ امراء و سلاطین اور اغنیاء کے دسترخوانوں کی یہ خاص تاثیر ہے کہ جو ان لوگوں کے دسترخوانوں پر کھانے لگتا ہے وہ انھیں لوگوں کی گانے لگتا ہے۔ لہٰذا متقی علماء و مشائخ کی خیریت اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے لقموں سے پرہیز رکھیں۔ حدیث شریف کا یہ مضمون ہے کہ جو شخص کھیت کی مینڈھ پر بکری چرائے

[۱] تاریخ الخلفاء ۱۹۱

گا یقیناً کبھی نہ کبھی اُس کی بکری کھیت میں بھی چرنے لگے گی۔ اس لئے جو یہ چاہتا ہو کہ اُس کی بکری کھیت میں نہ چرے اُس کے لئے لازم ہے کہ وہ مینڈھ پر بھی اپنی بکری کو نہ چرنے دے بلکہ کھیت اَور اُس کی مینڈھ سے دُور ہی اپنی بکریوں کو چرائے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُمراء و سلاطین اَور مالداروں کی بُرائیوں سے بچا رہے تو اُس کے لئے لازم ہے کہ وہ ان لوگوں سے دُور ہی دُور رہے۔ جو شخص یہ گمان کرے کہ ہم اُمراء و اغنیاء کے دسترخوان پر کھانا کھالیں گے اَور ان لوگوں کا نذرانہ لے لیں گے مگر ان لوگوں کی علتوں اَور بُرائیوں سے بچے رہیں گے وہ سخت غلط فہمی کا شکار اَور جہالت میں گرفتار ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ ہم اُمراء سے مِل کر اُن سے دُنیا حاصل کر لیتے ہیں اَور اپنے دین کو بچائے رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ مقولہ بالکل غلط ہے کیونکہ جس طرح کانٹے دار درخت سے کانٹے کے سوا کچھ نہیں چنا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اُمرا کی صحبت سے بُرائیوں کے کچھ بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مثل مشہور کہ کاجل کی کوٹھری میں کپڑے ضرور داغدار ہوں گے۔ اَور کوئلے کی دلالی میں ہاتھ ضرور کالے ہوں گے۔

جب حضرت شریک محدث جیسے علم و عمل کے "رستم" اِس دَلدل میں پھنس گئے تو آجکل کے ہم جیسے "چھیدی، بقر عیدی" قسم کے "مُلّا مولوی" کس شمار و قطار میں ہیں؟ ؎

غارت گرِ دیں ہے یہ زمانہ
ہے اس کی نہاد کافرانہ

قبر میں شاعری

امام عمر نسفی "تفسیر تیسیر" اَور "منظومہ فی الفقہ" کے مصنف جو "مدرس الثقلین" کے لقب سے مشہور ہیں۔ جن کی درسگاہ میں انسان اَور جن دونوں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ایک بزرگ خواب میں ان کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ تو دریافت کیا کہ "منکر نکیر" کے جواب میں آپ کا کیا حال رہا؟ تو اُنھوں نے فرمایا کہ جب منکر نکیر میری قبر میں سوال کے لئے آئے تو میں نے اُن سے پُوچھا کہ تمہارے سوالوں

کا جواب نثر میں دوں یا نظم میں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ نظم میں۔ تو میں نے فوراً یہ دو شعر پڑھ دیئے ؎

رَبِّیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ سِوَاہُ ۔ وَنَبِیِّیْ مُحَمَّدٌ مُصْطَفَاہُ
میرا رب اللہ ہے اُسکے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اور میرے نبی محمدؐ ہیں جو خدا کے برگزیدہ ہیں

دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ وَفِعْلِیْ ذَمِیْمٌ ۔ اَسْأَلُ اللّٰہَ عَفْوَہٗ وَعَطَاہُ
میرا دین اسلام ہے اور میرا عمل بُرا ہے ۔ میں اللہ تعالےٰ سے اُسکے عفو اور اُسکی عطا کا سائل ہوں

یہ بزرگ خواب سے بیدار ہوئے تو یہ دونوں شعر اس کو یاد ہو گئے تھے۔[1]

تبصرہ قبر میں "منکر نکیر" کے سوال کا وقت درحقیقت میت کیلئے بہت ہی مشکل اور کٹھن امتحان کی گھڑی ہے مگر یہ سب کے لئے مشکل اور پریشان کن امتحان نہیں ہے۔ اللہ والے جن کے سروں پر خداوند عالم نے لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ کا تاج پہنا کر انھیں امن وامان اور بے خوفی واطمینانی کا سُلطان بنا دیا ہے ان کے لئے منکر نکیر کا سوال گویا تفریح خاطر کا ایک دلچسپ سامان ہے۔ ان خاصانِ خدا کے لئے قبر میں نہ خوف وہراس ہے نہ دہشت اور گھبراہٹ۔ خداوند قدوس نے اپنے برگزیدہ بندوں کو "نفسِ مطمئنہ" کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے اس لئے ان لوگوں کیلئے قبر میں حشر ونشر میں کہیں بھی بال برابر رنج وملال کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دُنیا تو قبر کی تنہائی اور اس کی ظلمت ووحشت سے لرزہ براندام رہتی ہے مگر اللہ والے قبر کی انمول نعمتوں اور لذت بخش راحتوں کے تصور میں مگن ہو کر جلد سے جلد قبر کے جنتی باغ میں پہنچنے کی تمنائیں فرماتے رہتے ہیں۔ اور کفن کا لباس زیب تن فرما کر شادمانی ومسرت میں پھولے نہیں سماتے۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ؎

آج کیوں پھولے سمائیں گے کفن میں آسی
قبر کی رات ہے "اُس گل" سے ملاقات کی رات

چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عالم ربانی عمر نسفی نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اپنی قبر میں فی البدیہہ شاعری فرمائی اور نظم میں منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیا۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمایئے کہ کیا دہشت زدہ اور خوف وہراس میں گھبرائے ہوئے حیران وپریشان انسان کو کہیں شعر وشاعری سوجھے گی؟

[1] ۔ بستان ج ۲ ص ۳۹۲

برادرانِ ملت! اس سے معلوم ہوا کہ مرتے سب ہیں اور مرنے والے قبر میں دفن بھی کیے جاتے ہیں مگر ہر میت اور ہر قبر یکساں اور برابر نہیں ہے۔ قبر کسی میت کیلئے دہشت اور گھبراہٹ کا خوفناک مکان ہے اور کسی مُردہ کیلئے جسمانی و روحانی راحتوں کا نشان اور دائمی مسرتوں کا سامان ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ یعنی کسی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور کسی کی قبر جہنم کے گڈھوں میں ایک گڈھا ہے۔ اللہ اکبر! کہاں جنت کا باغ اور کہاں جہنم کا گڈھا؟ کون کہہ سکتا ہے کہ سب مُردے یکساں اور سب قبریں برابر درجے کی ہیں؟

یہی وجہ ہے کہ حضرات اہل سنت قبرستان میں بزرگانِ دین کی قبروں پر پھول ڈال کر، چادر چڑھا کر اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ قبرستان کی سب قبریں درجات و مراتب میں برابر نہیں ہیں جو لوگ اپنی بدعقیدگی یا جہالت کی وجہ سے تمام قبروں کو مٹی کا ڈھیر کہہ کر قبروں کی توہین و بے ادبی کرنے کو توحید کا نشان بنائے ہوئے ہیں۔ خدا کرے انھیں ان احادیث اور حقیقت افروز واقعات کے نورانی ستاروں سے کچھ روشنی مل جائے اور وہ جہالت کی بھول بھلیاں سے نکل کر حق نما معرفت و ہدایت کی شاہراہ پر گامزن ہو جائیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ۔

براہیمی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

حجاز کی آگ

۳، جمادی الآخرة ۶۵۴ھ کو مدینہ منورہ میں ناگہاں ایک گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ پھر نہایت ہی عظیم الشان زلزلہ آیا۔ اور اس زلزلے کے جھٹکے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دو دن تک محسوس کئے جاتے رہے۔ پھر اچانک "قبیلہ قُریظہ" کے قریب سنگستان میں ایک ایسی خوفناک آگ نمودار ہوئی جس کے بلند شعلے مدینہ سے ایسے نظر آرہے تھے گویا یہ آگ مدینہ منورہ کے گھروں میں لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ آگ بہتے ہوئے نالوں کی طرح سیلاب کے مانند بہتی ہوئی پھیلنے لگی۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ پہاڑیاں آگ بن کر بہتی چلی جارہی ہیں۔ اور پھر اس کے شعلے اتنے بلند ہو گئے کہ آگ کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا۔ اور آگ کے شرارے فضاؤں میں اڑنے

لگے۔ یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی مکہ مکرمہ سے نظر آنے لگی۔ اور تمام اہلِ مدینہ اس ہولناک منظر سے گھبراہٹ اور دہشت کے عالم میں توبہ و استغفار کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبرِ منور کے پاس مجمع ہو گئے اور ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک یہ آگ جلتی رہی۔ اور پھر خود بخود رفتہ رفتہ اس طرح بجھ گئی کہ اُس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا!

تبصرہ حجازِ مقدس کی اس آگ کے بارے میں "امام ذہبی" نے ارشاد فرمایا کہ اس آگ کی خبر متواتر روایات سے ثابت ہے۔ اور یہ وہی آگ ہے جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ،

"اُس وقت تک قیامت نہیں قائم ہوگی۔ یہاں تک کہ حجاز سے ایک ایسی آگ نکلے گی جسکی روشنی میں "بصریٰ" کے اونٹوں کی گردنیں نظر پڑیں گی"۔[1]

چنانچہ بہت سے لوگوں نے "بصریٰ" میں رات کو اسی آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنوں کو دیکھ لیا۔

اس حکایت کا ایک ٹکڑا خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ اہلِ مدینہ نے اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر گھبراہٹ اور سراسیمگی کے عالم میں خانہ کعبہ کا رُخ نہیں کیا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبرِ انور کو ملجا و ماویٰ سمجھ کر سب کے سب دربارِ رسول میں حاضر ہو کر توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ کیوں نہ ہو کہ مدینہ منورہ کے علماء اور عوام سب کے پیشِ نظر قرآن مجید کا یہ فرمان تھا کہ، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔ یعنی اگر لوگ کوئی گناہ کر لیں تو انھیں چاہیئے کہ اے محبوب وہ لوگ آپکے دربار میں حاضر ہو کر خدا سے مغفرت کی دعا مانگیں اور رسول بھی اُن کے لئے دعائے مغفرت فرمادیں تو یقیناً یہ گنہگار لوگ اللہ کو بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

الحمد للہ! کہ ہم سُنی مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ اور عمل ہے کہ ہر گناہ سے توبہ و استغفار کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اکرم کو خداوندِ عالم کے دربار میں وسیلہ بنا کر ہم لوگ دربارِ رسول کی حاضری کا شرف حاصل کر لیتے ہیں اور خداوند قدوس کے فرمان "جَآءُوْكَ" (لوگ رسولِ پاک کے پاس آئیں) پر عمل کر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ توفیق فرما دیتا ہے تو مدینہ منورہ حاضر ہو کر بھی "جَآءُوْكَ" کی شرطِ مغفرت کو پوری کر لیتے ہیں اعلیٰحضرت علامہ بریلوی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ۳۲۲ [2] تاریخ الخلفاء ۳۲۳

مجرم بلائے آئے ہیں "جاؤک" ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

بد ہیں مگر انھیں کے ہیں باغی نہیں ہیں ہم
نجدی نہ آئے اُس کو یہ منزل خطر کی ہے

بے اُن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

مانگیں گے مانگے جائیں گے مُنھ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ "لا" ہے نہ حاجت "اگر" کی ہے

ماؤشما تو کیا کہ خلیلِ جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنّا نظر کی ہے

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے

آ کچھ سُنا دے عشق کے بولوں کی اے رضاؔ
مشتاق طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے

ملک الموت کی تحریر

مشہور حافظِ حدیث "اسلم" کا بیان ہے کہ ایک رات مجھے یہ حدیث یاد آئی کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنا وصیت نامہ لکھ کر رکھ دے۔ چنانچہ میں نے کاغذ قلم دوات اٹھایا تاکہ اپنا وصیت نامہ تحریر کر دوں۔ لیکن مجھ پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں سو گیا۔ اور وصیت نامہ نہیں لکھ سکا۔ اچانک خواب میں مجھے یہ نظر آیا کہ ایک سفید پوش نہایت ہی خوبصورت بزرگ جن کے جسم سے خوشبو اُڑ رہی تھی میرے مکان میں داخل ہو گئے۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں "ملک الموت" ہوں۔ یہ سُن کر مارے ڈر کے لرزہ براندام ہو گیا۔ تو انھوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ تم بالکل نہ ڈرو۔ اس وقت میں تمھاری روح قبض کرنے لئے نہیں آیا ہوں میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اُن سے یہ گذارش کی کہ آپ میرے لئے نجات کا ایک پروانہ ہی تحریر فرما دیجئے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ قلم دوات اور کاغذ لاؤ۔ چنانچہ وہی قلم دوات اور کاغذ جو میں سرہانے رکھ کر سو گیا تھا ان کے سامنے پیش کر دیا۔ تو انھوں نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ۔ پورے کاغذ پر نیچے اُوپر تحریر فرما کر مجھے یہ کہہ کر عطا فرمایا کہ "لو یہ تمھاری نجات کا پروانہ ہے" یہ خواب دیکھ کر میں گھبرایا ہوا بیدار ہوا اور فوراً ہی چراغ منگا کر میں نے دیکھا تو وہی کاغذ میرے سرہانے پڑا

ہوا تھا۔ اور اس کے دونوں طرف پورے کاغذ پر "استغفر اللّٰہ" لکھا ہوا تھا۔

تبصرہ بلاشبہ بزرگوں کا خواب سچا ہوتا ہے اور حضرت ملک الموت علیہ السلام کی تحریر میں اس طرف صاف صاف اشارہ ہے کہ "توبہ و استغفار نجات کا پروانہ ہیں" مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو ہر دم توبہ و استغفار کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

اے مرے معبودِ حق اے کردگار — سارے عالم کا تو ہے پروردگار

ناز ہے اتنی سی نسبت پر مجھے — میں ہوں مجرم اور تو آمرزگار

بخش دے یارب خطائیں سب مری — تو ہے غفار اور میں عصیاں شعار

تیری رحمت پر بھروسہ ہے مجھے — فضل کا تیرے ہوں میں امیدوار

خاکِ پائے مصطفیٰ ہے اعظمی

حشر میں یارب نہ ہو یہ شرمسار

سفید بالوں کا اعزاز

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ محمد بن صالح خواص نے "قاضی یحییٰ بن اکثم" کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ "کہئے خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو قاضی یحییٰ نے جواب دیا کہ میں جب دربار خداوندی میں حاضر کیا گیا تو تین مرتبہ میرے مولیٰ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ

"اے بدکار بڈھے اگر تیرے بال سفید نہ ہوتے تو میں تجھ کو جہنم میں جلا دیتا"

یہ سن کر میرا وہی حال ہوا جو ایک خطاکار غلام کا اپنے ناراض مولیٰ کے سامنے ہوا کرتا ہے۔ خوف و دہشت سے میرے ہوش اڑ گئے۔ لیکن جب میرے ہوش و حواس بجا ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار تیرا یہ کلام تو دنیا میں کبھی کسی سے میں نے نہیں سنا تھا۔ تو میرے رب نے باوجودیکہ اس کو سب کچھ علم ہے مجھ سے دریافت فرمایا۔ کہ تو نے دنیا میں کیا سنا تھا؟ تو میں نے اپنی سند سے یہ حدیث پڑھ دی کہ،

"مجھ سے عبدالرزاق نے بیان کیا انھوں نے معمر بن راشد سے سنا۔ انھوں نے زہری سے روایت کی۔ انھوں نے حضرت انس سے روایت کی۔ انھوں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، انھوں نے جبریل سے، انھوں نے اے عظمت والے رب تجھ سے روایت کی ہے کہ تو نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو میرا بندہ اسلام میں بوڑھا ہوگیا مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ میں اس کو جہنم میں عذاب دوں۔"

میری زبان سے میرے رب کریم نے یہ حدیث سن کر یہ ارشاد فرمایا کہ

"عبدالرزاق نے سچ کہا، معمر نے سچ کہا۔ زہری نے سچ کہا۔ انس نے سچ کہا۔ میرے نبی سچے ہیں جبرئیل سچے ہیں۔ بیشک میں نے یہی فرمایا ہے۔ اے فرشتو! قاضی یحییٰ کو جنت میں لے جاؤ"[1]

تبصرہ | کسی مسلمان کا اسلامی زندگی بسر کرتے ہوئے اتنی طویل عمر پا جانا کہ اس کے بال سفید ہو جائیں۔ بلا شبہ یہ مومن کے لئے سرمایۂ سعادت اور عظمت و وقار کا باعث ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے جس شخص کا بال سفید ہوا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں چنانچہ انھوں نے اپنے چند بالوں کو سفید دیکھ کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ تو ارشادِ ربانی ہوا کہ اے ابراہیم یہ وقار ہے تو آپ نے یہ دعا مانگی کہ "رَبِّ زِدْنِیْ وَقَارًا" اے میرے پروردگار! تو میرے وقار کو بڑھا دے۔"

جوانوں کو لازم ہے کہ بوڑھوں میں کوئی خاص کمال نہ ہونے کے باوجود بھی محض سفید بالوں کا اعزاز و وقار کرتے ہوئے ان کا اکرام و احترام کرتے رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی بوڑھے مسلمان کا اس کے بڑھاپے کی بناء پر اعزاز و احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ کچھ ایسے لوگوں کو پیدا فرما دے گا جو اس کے بڑھاپے کے وقت اس کا احترام و اکرام کریں گے۔

جو بوڑھوں کا اکرام کرتے رہو گے
رہو گے بڑھاپے میں تم بھی مکرم

استحضارِ علمی

خلیفۂ دمشق عبدالملک بن مروان خلفائے بنو امیہ میں اسلامی علوم و فنون کا بہت ہی ماہر تصور کیا جاتا تھا چنانچہ

[1] شرح الصدور ۱۱۸

"ابوالزناد نے تو یہاں تک فرمایا کہ مدینہ کے فقہا چار ہیں۔ سعید بن مسیب۔ عروہ بن زبیر۔ قبیصہ بن ذویب عبدالملک بن مروان۔" "سلفی" نے طیوریات میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت خلیفہ عبدالملک بن مروان کے سامنے حاضر ہوئی اور یہ کہا کہ اے امیر المومنین! میرے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ اور اس نے چھ سو دینار مال چھوڑا لوگوں نے اس میں سے مجھے صرف ایک دینار دیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ میراث میں اتنا ہی تیرا حق ہے۔ اے امیر المومنین! میرا کتنا حق بنتا ہے؟ میرا پورا حق مجھے دلا دیجئے۔ عبدالملک یہ سن کر چکرا گیا۔ اور فوراً ہی حضرت امام شعبی کو بلا کر دریافت کیا تو انھوں نے برجستہ جواب دیا کہ امیر المومنین! اس عورت کا حق واقعی ایک ہی دینار ہوتا ہے۔ اس کے بھائی نے اپنے وارثوں میں دو لڑکیاں چھوڑی ہوں گی۔ تو دو ثلث یعنی چار سو دینار تو دونوں لڑکیوں کا ہو گیا اور اس کی ماں بھی وارث ہو گی تو ایک سدس یعنی ایک سو دینار اس کا حصہ ہو گیا۔ اور بیوی بھی وارث ہو گی تو ایک ثمن یعنی پچھتر دینار اس کو مل گیا اور بارہ بھائی ہوں گے تو دو دو دینار ہر ایک بھائی کو عصبہ ہونے کی بنا پر ملیں گے اور ایک دینار اس کو ملے گا۔ عورت نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی میرے بھائی کے وارثوں کی فہرست یہی ہے اور وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔ اور خلیفہ عبدالملک حضرت امام شعبی کے اس "استحضارِ علمی" پر حیران رہ گیا۔[۱]

تبصرہ اس قدر علمی یادداشت اور علوم و فنون پر قدرت بلاشبہہ "عجائبات" میں شمار کرنے کے قابل ہے۔ علماء سلف میں تو اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی ہی نے اپنی اسی تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۲۱۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ بالکل یہی صورت مسئلہ ایک مرتبہ خلیفہ بغداد "مامون رشید" کے سامنے پیش کی گئی۔ تو اس نے بھی اسی طرح برجستہ جواب دے دیا۔ مگر آج کل کے "قحط الرجال" کے دور میں تو اس قسم کی مثالیں "نوادرات" ہی شمار کی جائیں گی۔ کیوں کہ عام طور پر آجکل بزرگوں کی خانقاہوں اور اساتذہ کی درسگاہوں میں ایسے ہی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جنھیں دیکھ کر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے کہ ؎

"زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن | آئی ہے وراثت میں انھیں پیر کی گدی

لیکن بہرحال یہ دور بھی غنیمت ہی ہے۔ طلبہ کی بدشوقی اور علوم اسلامیہ کا انحطاط کا عالم دیکھ کر تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید نصف صدی گزرنے کے بعد یہ حال ہو جائے گا کہ

"علماء در گور، و علم در کتاب"

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۲

مگر یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا حافظ و ناصر ہے اس لئے وہ ضرور ہر دَور میں ایسے خوش نصیبوں کو پیدا فرماتا رہے گا جو اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم نبوت کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں گے۔ یہ اَور بات ہے کہ ان لوگوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔

نہیں مایوس اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

خلیفہ سلیمان کی خوراک

خلفاء بنو اُمیہ میں سلیمان بن عبدالملک بڑی شان و شوکت کا سُلطان ہو گذرا ہے۔ جلد اوّل میں اس کی چند حکایات بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی عجائبات میں سے ہے کہ یہ بہت ہی کثیر خوراک والا تھا۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک نشست میں یہ چھ مُرغیاں، ایک بکرا، ستر انار اور تقریباً چھ کلو کشمش کھا کر اٹھا۔ نہایت ہی تندرست اَور بے حد وجیہہ و خوش رو اَور خوبصورت جوان تھا۔ یحییٰ غسانی کا بیان ہے کہ ایک دن سلیمان بن عبدالملک نے آئینہ میں اپنا حسین و جمیل چہرہ دیکھا تو یہ کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم "خدا کے نبی" ہیں۔ اَور حضرت ابوبکرؓ "صدیق" تھے۔ اَور حضرت عمرؓ "فاروق" تھے۔ اَور حضرت عثمانؓ "حیادار" تھے اور حضرت معاویہؓ "حلیم" تھے اَور عبدالملک "سیاسی" تھے۔ اَور ولید بن عبدالملک میرا بھائی "ظالم" تھا۔ اَور میں "بادشاہِ شباب" ہوں۔

اس کلام کے بعد ایک مہینہ بھی نہیں گذرا کہ ۱۰ صفر بروز جمعہ ۹۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔[۱]

اس میں شک نہیں کہ سلیمان بہت ہی کثیر مقدار میں کھانے والا نہایت ہی پیٹو انسان تھا۔ لیکن اس کے شاندار اصلاحی کارنامے بلاشبہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کے بارے میں فرمایا کہ کان من خیار ملوک بنی امیہ یعنی یہ شخص بنو اُمیہ کے بادشاہوں میں ایک نہایت ہی اچھا بادشاہ تھا۔ فصاحت و بلاغت میں ممتاز اور عدل و انصاف میں یکتا، پابند شرع اَور جہاد فی سبیل اللہ کا شیدائی تھا۔ اسی طرح اولیاء و محدثین کے سرگروہ حضرت محمد بن سیرین اس سلیمان بن عبدالملک

---

[۱] تاریخ الخلفاء ص ۱۵۷

کے لئے اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے کہ،

"کہ اللہ تعالیٰ سلیمان بن عبدالملک پر اپنی رحمت نازل فرمائے اُس نے اپنی خلافت کا افتتاح اس طرح کیا کہ پوری سلطنت میں ہر نماز کو اوّل وقت میں ادا کرنے کا اہتمام کیا اور اپنی خلافت کا خاتمہ اس طرح کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین بنا کر دُنیا سے رخصت ہوا۔"

تبصرہ سلیمان بن عبدالملک کی خوش پوشاکی اور کثیر خوراک کے باوجود جلیل القدر اماموں کا اُس کی مدح و ثنا کے ساتھ اُس کے لئے دُعائے خیر کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محض کم خوراکی اور پھٹے پرانے کپڑوں پر تقویٰ و بزرگی کا دار و مدار نہیں ہے۔ اور قلیل غذا اور سادہ لباس اگرچہ عام طور پر بزرگوں کا طریقہ رہا ہے۔ مگر یہ پرہیزگاری اور تقویٰ شعاری کا کوئی خاص معیار نہیں ہے۔ بلکہ نہایت لذیذ و کثیر غذا کھا کر اور انتہائی دیدہ زیب و نفیس پوشاک پہن کر بھی اگر کوئی شخص تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرے۔ اور شریعت مطہرہ کی پابندی اور خدا کی عبادت کرے تو بلاشبہ یہ شخص بھی متقی و پرہیزگار، اور محمود خلائق و محبوب پروردگار سمجھا جائیگا چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ مثلاً حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی رضی اللہ عنہ جن کی بزرگی پر تمام اُمت کا اجماع ہے عام مورخین کا ان کے بارے میں یہی بیان ہے کہ یہ شاہانہ خوراک و پوشاک والے تھے۔ اطلس و زربفت کے خیموں میں کمخواب کا فرش بچھا کر اور مسند لگا کر شاہانہ کرّوفر کے ساتھ نشست فرمایا کرتے تھے اور سفر میں آپکے جلوس کے ساتھ آپکے جھنڈے کے نیچے بہت سے سلاطین و اُمراء دست بستہ پا پیادہ چلتے تھے۔ چنانچہ مولانا جامی علیہ الرحمہ نے ان ہی حقائق کی طرف لطیف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ؎

چہ فقر اندر لباسِ شاہی آمد   بہ تدبیرِ عبید اللّٰہی آمد

یعنی جب درویشی بادشاہی کے لباس میں آئی تو حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی تدبیر سے آئی۔

بہر حال عوام کا جو آجکل یہ نظریہ ہو گیا ہے کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں کیونکہ وہ صرف جنگلی درختوں کے پتے کھاتے ہیں۔ اور ٹاٹ کا لباس پہنتے ہیں۔ زمین پر بلا بستر کے سوتے ہیں۔ یہ نظریہ سراسر جاہلانہ ہے لباس اور غذا ہرگز ہرگز یہ بزرگی کا کوئی معیار نہیں۔ بلکہ درحقیقت بزرگی کا دار و مدار تقویٰ اور اتباعِ شریعت ہے۔ ایک خوش خوراک و خوش پوشاک مسلمان بھی اگر وہ متقی و پرہیزگار، اللہ و رسول کا فرماں بردار اور اپنے

ؔ تاریخ الخلفاء ص ۱۵۷

پروردگار کا عبادت گذار ہے تو یقیناً بلا شبہ وہ بزرگ اور خدا کا محبوب و برگزیدہ بندہ ہے اور یقیناً وہ اس قابل ہے کہ اگر خداوند قدوس اپنا فضل فرمائے تو اس کو ولایت و کرامت کا تاجدار بنا دے۔

فارسی کی مشہور کہاوت ہے کہ "در عمل کوش ہر چہ خواہی پوش" یعنی عمل میں کوشش کرو اور جو لباس چاہو پہنو!

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس بارے میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ ؎

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع　　　خود را ز عملہائے نکوہیدہ بری دار

حاجت بہ کلاہ برکی داشتنت نیست　　　درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

یعنی کفنی، تسبیح اور گدڑی تمہارے کیا کام آئے گی؟ تم بُرے اعمال سے اپنے کو بچائے رکھو۔ کُلاہ برکی (صوفیوں کی ٹوپی) پہننے کی تم کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم درویشوں کی صفت اپنے اندر پیدا کر لو اور کلاہ تتری (سپاہیوں کی ٹوپی) پہنو۔

کیوں؟ اس لئے کہ بزرگی کا معیار، اور ولایت کا دار و مدار لباس و خوراک نہیں بلکہ ایمان کامل و اعمال صالحہ کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری یہ درحقیقت ولایت و بزرگی کی عمارت کے وہ بنیادی پتھر ہیں جن پر ولایتوں اور کرامتوں کے فلک بوس محلات قائم ہیں۔ سچ ہے کیا خوب فرمایا کسی حقیقت شناس نے۔

توحید کا پیغام نہ ہندی نہ عراقی　　　اسلام کے نقشہ میں نہ قندھار نہ جمرود

جب تک کہ براہیم کی فطرت نہ ہو پیدا　　　وجدان بھی آذر ہے تخیل بھی ہے نمرود

ایمان کے سائے میں خطائیں بھی ہیں مقبول　　　بے جذب یقیں نیکی اعمال بھی مردود

مامون رشید کا دسترخوان

بادشاہ بغداد مامون رشید کا دسترخوان بھی درحقیقت عجائبات میں شمار کرنے کے قابل ہے۔ مشہور عالم محمد بن حفص انماطی کا بیان ہے کہ عید کے دن ہم لوگ دوپہر کے کھانے میں مدعو ہو کر گئے تو تین سو سے زائد قسم کے کھانے دسترخوان پر رکھے گئے۔ اور جو کھانا دسترخوان پر رکھا جاتا مامون رشید اُس کو دیکھ کر یہ کہتا کہ یہ کھانا فلاں فلاں امراض کے لئے مفید اور فلاں فلاں بیماریوں کے لئے مضر ہے۔ بلغمی مزاج والے اس کو نہ کھائیں، صفراوی

مزاج والے اس کو ضرور کھائیں۔ سوداوی مزاج والوں کو اس سے احتیاط و پرہیز بہتر ہے۔ غرض ہر کھانے کے بارے میں اُس کے فوائد و نقصانات پر سیر حاصل گفتگو کرتا۔ یہاں تک کہ مامون رشید کی اس وسعتِ معلومات کو دیکھ کر قاضی یحییٰ بن اکثم یہ کہنے لگے کہ اے امیر المومنین! آپ جب علم طب میں بحث کرتے ہیں تو اپنے وقت کے جالینوس معلوم ہوتے ہیں اور علم نجوم میں آپ پر "ہرمس" کا گمان ہوتا ہے۔ بات کی صداقت میں دیکھئے تو حضرت ابوذر کی شان کی یاد آجاتی ہے۔ فقہی معلومات میں مولائے کائنات حضرت علی کی فقاہت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ سخاوت میں "حاتم طائی" اور ایفاء وعدہ میں "سموئل بن عادیا" نظر آتے ہیں۔ یہ سن کر مامون رشید نے کہا کہ قاضی صاحب! تمام جاندار مخلوقات میں انسان اشرف المخلوقات اسی لئے تو ہے کہ وہ جوہرِ عقل کی دولت سے مالا مال ہے۔ ورنہ انسان کے گوشت و خون اور دوسرے جانوروں کے خون اور گوشت میں کیا فرق ہے؟ [۱]

تبصرہ اس حکایت سے جہاں مامون رشید کی کھانوں کے معاملہ میں وسیع معلومات کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ خلفاء بنو عباس کے دور میں خوراک کا معیار کتنا بلند تھا اور باورچیوں کا فن کس قدر ترقی کر چکا تھا کہ ایک دسترخوان پر بیک وقت تین سو قسموں سے زائد اقسام کے کھانے پیش کئے گئے پھر اس حکایت سے یہ حقیقت بھی آفتاب بن کر نمودار ہو جاتی ہے کہ سلاطین اسلام کو طبقۂ علماء سے کتنی الفت و عقیدت تھی کہ وہ عید وغیرہ تہواروں کے موقعوں پر علماء کو اپنے دسترخوانوں پر مدعو کر کے ان کی میزبانی کرنے کو اپنے لئے سرمایۂ عزت و سامان آخرت تصور کرتے تھے اور علماء کرام کے اعزاز اور اُن کی خدمت گزاری کو خدا و رسول کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

مگر آجکل جب کہ مسلمانوں کے اقبال کا سورج بالکل ہی غروب ہو چکا ہے۔ مسلمان اُمراء و رؤسا کا یہ حال ہے کہ تہواروں اور شادیوں کے موقعوں پر علماء کی دعوتوں کا انھیں خیال ہی نہیں آتا۔ بلکہ ان مواقع پر علماء کرام کی موجودگی کو یہ لوگ نحوست سمجھ کر گھٹتے ہیں۔ ہاں جب سوئم یا چہلم میں میت کے ایصال ثواب کا کھانا پکواتے ہیں تو اس وقت فقیروں کے ساتھ مولویوں اور مُلّاؤں کو بھی دعوت دیتے ہیں اور اگر کوئی غیرت مند مولوی میت کے کھانوں سے اظہارِ معذرت کرتا ہے تو سیٹھ صاحبان گرجتے اور برستے ہیں کہ دعوت قبول کرنا سُنّت ہے۔ مولانا

---

[۱] تاریخ الخلفاء ص۲۱۹

نے ہماری دعوت کیوں نہیں قبول کی؟ غریب مولویوں کو پچاسوں صلواتیں سنانے لگتے ہیں لیکن خوشی کی دعوتوں میں جب یہ سیٹھ صاحبان لیڈروں، پلیڈروں اور ایکٹروں، ایکٹرسوں کو موٹروں پر اعزاز کے ساتھ بلا کر مکلف کھانے کھلاتے ہیں اُس وقت یہ مسئلہ بھول جاتے ہیں۔ اور انھیں ذرا بھی توفیق نہیں ہوتی کہ علماء کرام کو مدعو کریں اور پھر دیکھیں کہ علماء پابندِ سُنّت ہیں یا تارکِ سُنّت؟

افسوس! مسلمانوں کی ذہنیتوں میں کتنا بڑا انقلاب عظیم ہو گیا۔ گانے بجانے اور ناچنے کا رواج ہر دور میں رہا، مگر تاریخ میں اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ ان ناچنے گانے والوں کو سوسائٹی میں کبھی اکرام و اعزاز کی نظر سے دیکھا گیا ہو۔ بلکہ گانا بجانا سُننے والوں کی نظر میں بھی یہ پیشہ کرنے والے ہمیشہ ذلیل و حقیر ہی شمار کئے جاتے رہے ہیں اور شرفاء نے کبھی اس بات کو گوارا نہیں کیا کہ کسی طوائف یا بھانڈ کو اعزاز کے ساتھ اپنے دسترخوان پر بلایا ہو یا اپنے برابر انھیں بٹھایا ہو۔ مگر آج مسلمانوں کا یہ ذوق ہو گیا ہے کہ سینما میں گانے اور ناچنے والے ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا اتنا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے کہ محفلوں میں ان کی شرکت اور بنگلوں میں ان کے ورودِ نامسعود کو باعثِ افتخار سمجھا جاتا ہے۔ افسوس! تُف ہے مسلمانوں کی اس غلامانہ ذہنیت پر۔ سچ کہا ہے شاعرِ مشرق نے کہ،

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خُوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتے ہیں قوموں کے ضمیر

ابوجہل کی پیاس

امام طبرانی نے اپنی کتاب "اوسط" میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عُمر صحابی رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ میں بدر کی اطراف میں چل رہا تھا تو بالکل اچانک ایک گڑھے میں سے ایک شخص نکلا جس کی گردن میں زنجیر بندھی ہوئی تھی اور اس نے مجھے پکارا کہ اے عبداللہ! مجھے پانی پلا دے۔ پھر اسی گڑھے میں سے ایک دوسرا شخص بھی نکلا جس کے ہاتھ میں کوڑا تھا اور اُس نے مجھ سے کہا کہ اے عبداللہ! اس کو پانی مت پلانا یہ کافر ہے۔ یہ کہا اور ایک کوڑا اس کو مارا تو وہ شخص پھر اُسی گڑھے میں چلا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں آ کر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ تو ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے اُس شخص کو دیکھ لیا تھا؟

میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ تو فرمایا کہ یہ شخص خدا کا دشمن "ابوجہل" تھا۔ اور یہ قیامت تک بدر کے گڑھے میں اسی طرح عذاب میں گرفتار رہے گا۔[۱]

آدھا سر آدھی داڑھی سفید

امام مکحول راوی ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا آدمی آیا جس کے سر کا ایک طرف کا آدھا بال اور آدھی داڑھی سفید اور آدھا سر اور آدھی داڑھی کالی تھی۔ امیر المومنین نے اس سے اس کا سبب دریافت فرمایا۔ تو اس نے بتایا کہ میں رات کو ایک قبرستان میں گیا تو یہ دیکھا کہ ایک آدمی ایک آدمی کو آگ کا کوڑا ہاتھ میں لئے ہوئے دوڑا رہا ہے۔ اور جب اس کو پا لیتا ہے تو کوڑا مارتا ہے اور کوڑا لگتے ہی اس شخص کا بدن سر سے قدم تک جل کر شعلہ مارنے لگتا ہے۔ میں جب اس کے قریب پہنچا تو وہ ایک دم دوڑ کر مجھ سے چمٹ گیا اور کہا کہ اے اللہ کے بندے! مجھے بچا۔ پھر کوڑا مارنے والے نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! تو اس کی فریاد رسی مت کر یہ بہت ہی بڑا کافر ہے۔ اس شخص کے میرے بدن سے چمٹ جانے کا یہ اثر ہوا کہ جس طرف اس کا بدن میرے بدن سے چھو گیا اس طرف کا میرا آدھا سر اور آدھی داڑھی سفید ہو گئی۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔[۲]

اچانک چار انگلی غائب

علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "عیون الحکایات" میں اپنی سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ ایک شخص جب اپنے بھائی کو قبر میں دفن کر چکا۔ تو قبر سے "اوہ" کی آواز آئی۔ بھائی کی محبت نے جوش مارا اور قبر کھول کر دیکھنے کا ارادہ کیا تو ایک غیبی آواز آئی کہ قبر مت کھول۔ تو یہ شخص رک گیا۔ مگر جب دوسری اور تیسری مرتبہ قبر کے اندر سے "اوہ" کی آواز آئی تو پھر اس شخص سے صبر نہ ہو سکا تو اس نے قبر کو مٹی ہٹا کر کھول دیا۔ تو یہ دیکھا کہ لاش آگ کا طوق پہنے ہوئے ہے۔ اور پوری قبر میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ اس شخص نے جھٹ طوق پر ہاتھ ڈالا کہ میت کے گلے میں سے اسکو جدا کر دے تو اس پر ہاتھ پڑتے ہی ہاتھ کی چار انگلیاں ایک دم اچانک

---

[۱] شرح الصدور صفحہ ۷۶ [۲] شرح الصدور صفحہ ۷۴

ہاتھ سے غائب ہو گئیں۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کو محدث شام امام اوزاعی سے ذکر کیا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ یہودی، نصرانی اور دوسرے کفار بھی مرتے ہیں۔ مگر اُن کی قبروں میں ایسا معاملہ نہیں دیکھا گیا۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے ایک موحد کی قبر میں تم لوگوں کو یہ منظر دکھا دیا تاکہ تم لوگ عبرت پکڑو۔[1]

ایک قاتل کی قبر کا منظر

صدقہ بن خالد نے دمشق کے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حج کے سفر میں ہمارا ایک ساتھی مر گیا تو ہم نے ایک قوم سے کدال مانگ کر اس کی قبر کھودی اور اسکو دفن کر دیا۔ مگر غلطی سے کدال قبر میں رہ گئی۔ ہم نے کدال نکالنے کے لئے مٹی ہٹا کر اُس کی قبر کھولا۔ تو یہ نظر آیا کہ اُس میت کی گردن اور ہاتھ پاؤں اُسی کدال کے حلقے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ہم لوگوں نے جلدی سے اُس کی قبر کو بند کر دیا۔ اور کدال والوں کو قیمت دیکر راضی کر لیا۔ جب ہم لوگ حج سے واپس ہوئے تو اُس کی بیوی سے اُس کا حال دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ میرے شوہر کے ساتھ ایک بہت مالدار آدمی رہتا تھا تو میرے شوہر نے اُسکو قتل کر کے اس کا سارا مال لے لیا تھا۔ اور میرا شوہر ہمیشہ حج بھی کرتا تھا۔ اور جہاد کے لئے جایا کرتا تھا۔[2]

بدن آدمی کا سر گدھے کا

اصبہانی نے اپنی کتاب "ترغیب" میں عوام بن حوشب سے روایت کی ہے۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ ایک قبیلے کے قبرستان میں گیا تو میں نے دیکھا کہ عصر کے بعد ایک قبر پھٹی اور اُس میں سے ایک آدمی نکلا جس کا بدن آدمی جیسا اور سر گدھے جیسا تھا۔ وہ تین مرتبہ گدھے کی بولی بولا۔ پھر قبر میں چلا گیا۔ اور قبر بند ہو گئی۔ عوام بن حوشب کہتے ہیں کہ جب میں نے لوگوں سے اس کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص شرابی تھا۔ اور جب اس کی ماں اُسکو خوفِ خدا سے ڈراتی تو یہ بدنصیب اپنی ماں کو یہ جواب دیتا تھا کہ تو خالی گدھے کی طرح بولتی رہتی ہے۔ عصر کے بعد اس شخص کا انتقال ہوا۔ تو روزانہ عصر کے بعد اس کی قبر پھٹ جاتی ہے اور یہ سر نکال کر تین مرتبہ گدھے کی بولی بول کر پھر قبر میں چلا جاتا ہے اور قبر بند ہو جاتی ہے۔[3]

---

[1] شرح الصدور ص۱۰۷ [2] شرح الصدور ص۱۲۲

تبصرہ ان واقعات میں عذاب قبر کی ہولناکیوں سے ہر مومن کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ عذاب قبر حق ہے۔ اور ہر مومن کو اس کی فکر لازم ہے۔ قبر میں اعمال صالحہ کے سوا کوئی انیس و رفیق نہیں ہوگا یہ بڑی کٹھن منزل ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تھے تو اس قدر روتے تھے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ جنت اور دوزخ کے ذکر سے اتنا نہیں روتے جتنا قبر کے پاس روتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ پہلی منزل ہے۔ اگر یہ آسان ہوگئی تو اس کے آگے آسانی ہی آسانی ہے۔ اور اگر یہ منزل دشواری ہوگئی تو اس کے آگے کی تمام منزلیں دشوار سے دشوار تر ہوتی جائیں گی

اللہ اکبر "سچ فرمایا مولانا علمی نے ؎

واسطے حق کے نہ ایسی راہ چل | قبر میں جس سے ہو تجھ کو کچھ خلل
قبر میں جانے کی بھی کچھ فکر کر | اونچے اونچے یاں تو بنوائے محل
روشنئ قبر کا سامان کر | ہیں یہاں بیکار سب شمع و کنول

۱۹۸۶ء

مُجاهدات

جوشِ جہاد کا مزا جذبۂ حق سے پُوچھیئے
گویا ہلالِ عید ہے "معرکۂ مُجاہدات"

پانچ مرتبہ گردن پہ تلوار

شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری کا شمار اُن عُلمارِ حق کی فہرست میں ہے جو خوارج و معتزلہ وغیرہ بدمذہبوں کے مقابلہ میں شمشیر برہنہ تھے۔ اور اہلِ سُنّت کی طرف سے ہمیشہ اُن گُمراہ فرقوں کا کُھلّم کُھلا رد کیا کرتے تھے بدمذہبوں میں اتنی تاب و طاقت نہیں تھی کہ ان کے حقانی دلائل قاہرہ کا مقابلہ کرتے۔ اس لئے تمام گُمراہ فرقوں والے ہمیشہ ان کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور دسیسہ کاریاں کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ان کو اُن کے وطن بلخ سے شہر بدر کرادیا۔ اور ایک مرتبہ تو بدمذہبوں نے ان کے خلاف یہاں تک دسیسہ کاری کر ڈالی۔ کہ جب سُلطان "الپ ارسلاں" ہرات میں آئے تو اس شہر کے بدمذہب اور شیخ الاسلام کے حاسدین ایک ٹولی بنا کر شیخ الاسلام کے مکان پر آئے اور کہا کہ ہم لوگ سلطان الپ ارسلاں کے سلام کیلئے جارہے تھے تو خیال ہوا کہ پہلے آپ کو سلام کرلیں۔ شیخ الاسلام مکان کے اندر تشریف لے گئے تو ان ظالموں نے آپ کے مُصلّٰی کے نیچے تانبے کی ایک مُورتی رکھ دی اور پھر ان لوگوں نے جاکر سُلطان الپ ارسلان کے دربار میں یہ فریاد کی کہ شیخ الاسلام فرقہ مجسمہ سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ وہ تانبے کا ایک بُت بنا کر کہتے ہیں کہ خُدا اسی شکل کا ہے اور وہ مُصلّٰی پر اُس بُت کو اپنے آگے رکھ کر اُس کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر ابھی ابھی سُلطان کسی معتمد شخص کو بھیج کر شیخ الاسلام کے مُصلّٰی کی تلاشی لیں تو وہ مُورتی مل جائے گی۔ سُلطان نے اس خبر سے حیران و پریشان ہوکر فوراً ہی ایک شخص کو شیخ الاسلام کے مکان کی تلاشی کیلئے بھیجا تو واقعی مُصلّٰی کے نیچے سے تانبے کی مورتی برآمد ہوگئی۔ سُلطان نے غضبناک ہوکر شیخ الاسلام کو دربار میں طلب کیا اور مورتی دکھا کر پوچھا کہ بتائیے یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تانبے کی مورتی ہے۔ بچوں کے کھیلنے کی گڑیا جیسی ہے۔ سُلطان نے کہا کہ میں یہ نہیں پوچھتا۔ آپنے فرمایا پھر آپ مجھ سے کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں؟ سُلطان نے غضب بھرے لہجہ میں کہا کہ یہ عُلمار کہتے ہیں کہ آپ اس مورتی کی عبادت کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے یہ سُن کر نہایت ہی جلال میں انتہائی بلند آواز سے تڑپ کر فرمایا کہ سُبْحٰنَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ خدا پاک ہے یہ میرے اُوپر بڑی تہمت ہے شیخ الاسلام کا باوقار نورانی چہرہ، پرجلال حقانی آواز، مجاہدانہ تیور دیکھ کر سلطان تاڑ گیا کہ یقیناً یہ فتنہ پرداز مولویوں

کا افترا اور دسیسہ کاری ہے۔ چنانچہ سلطان نے انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو دربار سے رخصت کر دیا اور ان دسیسہ کار مولویوں کو دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے سچی بات کا اقرار نہیں کیا تو تمہاری خیر نہیں۔ سلطان کا غضب ناک تیور دیکھ کر دسیسہ کار و افترا پرداز مولویوں کے ہوش اُڑ گئے۔ اور خوف و دہشت سے کانپتے ہوئے ان مجرموں نے اقرار کر لیا کہ شیخ الاسلام کے مصلّے کے نیچے مورتی ہم لوگوں ہی نے رکھی تھی۔ سلطان نے ان مولویوں پر جرمانہ کر کے نہایت ذلت و حقارت کے ساتھ ان مفتریوں کو دربار سے نکلوا دیا۔ الغرض ہمیشہ شیخ الاسلام کے ساتھ ایسی سازشیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ پانچ مرتبہ ایسا موقع آ گیا کہ ان دشمنوں کی مکاری و کیا دی سے شیخ الاسلام کی گردن پر تلوار رکھ کر یہ کہا گیا کہ آپ گمراہ فرقوں کا رد نہ کریں ورنہ آپ کی گردن اسی تلوار سے مار دی جائے گی۔ مگر ہر مرتبہ اس حق گو حق پرست عالم نے یہی فرمایا کہ جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ اور زندگی کی ایک سانس باقی ہے۔ میں ہمیشہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہتا رہوں گا۔ اور اپنے حقانی دلائل سے باطل کی دھجیاں اڑاتا رہوں گا۔ خدا کی شان کہ ہر مرتبہ امداد غیبی اور نصرتِ خداوندی سے آپ کی جان بچتی رہی۔ یہاں تک کہ ذوالحجہ ۴۸۱ھ میں یہ پیکرِ استقامت تمام سُنیوں کو داغِ مفارقت دے کر خداوند قدوس کے جوارِ رحمت میں پہنچ گیا۔[1]

تبصرہ علماءِ حق کی یہ استقامت یقیناً دورِ حاضر کے مصلحت اندیش اور صلح کُلی سیاست پرستوں کے لئے ایک تازیانۂ عبرت ہے۔ جلاد گردن پر تلوار رکھ کر صرف یہ کہلانا چاہتا ہے کہ باطل کو باطل کہنا چھوڑ دو۔ اس خوفناک ماحول میں شاید رستم بھی ہوتا تو اُس کے قدم ڈگمگا جاتے۔ شیر بھی ہوتا تو شاید لرزہ براندام ہو کر سر جھکا لیتا۔ مگر واہ رے حقانی علماء کا جوش مجاہدہ اور جذبۂ جہاد کہ اس خوفناک اور خطرناک ماحول میں بھی ذرا برابر ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں ہوتی۔ بلکہ استقامت کا پہاڑ بن کر حق پر ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ نصرت آسمانی نے فرطِ عقیدت سے ان کی پیشانی چوم لی اور تلوار کی دھار ان کا ایک بال بھی نہیں کاٹ سکی۔ اور یہ ہر دم ہر قدم پر مظفر و منصور ہو کر آخری دم تک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اور اُمتِ مسلمہ کے لئے رشد و ہدایت کا ایک نقشِ دوام چھوڑ کر دنیا سے گئے کہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو اُن کے اسوۂ حسنہ سے ہدایت کی روشنی ملتی رہے گی۔ آسمان کا سورج روزانہ غروب ہو جاتا ہے اور سیکڑوں بار گرہن کی زد میں آتا ہے۔ مگر علماءِ حق کے شاہکاروں کا آفتاب نہ کبھی غروب ہو سکتا ہے۔ نہ کبھی گرہن کا سنکٹ اس پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ سچ ہے

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۶۰

کیوں نہ ہو؟ خدا گواہ ہے کہ ؎

پرچم حق تا ابد ان کا سلامی ہو گیا

زندۂ جاوید ان کا نام نامی ہو گیا

سید ہونے کی نشانی

علامہ سید شریف مرتضیٰ حسین بغدادی جو سمرقند میں مقیم ہو گئے تھے۔ بڑے امیر کبیر عالم تھے۔ بادشاہ ماوراءالنہر خاقان نے ان کو خلیفۂ بغداد کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ساٹھ چار ہزار دینار سے دس ہزار دینار تک سالانہ یہ علما اور ائمہ حدیث کی دعوتوں اور نذرانوں پر خرچ کر ڈالتے تھے۔

ایک مرتبہ آپنے اپنے ایک باغ میں علمائے کرام کی دعوت کا اہتمام کیا۔ تو بادشاہ خاقان نے بھی اس دعوت میں شرکت کا ارادہ کیا۔ مگر آپنے صاف صاف فرمادیا کہ میں اس دعوت میں بادشاہ کی رضاجوئی کے لئے گانے بجانے اور فسق و فجور کا سامان کر کے اپنے رب کو ناراض کرنے کا گناہ عظیم اپنے سر پر نہیں لے سکتا۔ خاقان نے ناراض ہو کر آپ کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا۔ مگر آپ ایک ماہ تک اس طرح روپوش رہے کہ خاقان ہزاروں کوششوں کے باوجود آپکو گرفتار نہیں کر سکا۔ پھر خاقان نے آپ کیلئے عام امن وامان کا اعلان کر دیا۔ اور آپ کو دربار میں بلا کر فریب سے گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا اور آپ کی ساری جائداد اور مال و متاع کو ضبط کر لیا۔ اس وقت ایک دن آپنے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص واقعی اہل بیتِ نبوت میں سے ہو گا وہ ضرور کبھی نہ کبھی اس قسم کی مصیبتوں میں گرفتار ہو گا میں ہمیشہ ناز و نعمت میں پلا تھا اس لئے کبھی کبھی مجھ کو یہ وہم ہونے لگتا تھا کہ میں سید ہوں یا نہیں؟ مگر اس حادثہ کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ یقیناً میرا سلسلۂ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہے۔

ظالم خاقان نے جیل خانہ میں آب و دانہ بند کر دیا اور بھوک و پیاس سے تڑپ تڑپ کر آپ کی شہادت ہو گئی مگر آپ آخری دم تک صابر و شاکر رہے۔

آپکے وصال کے بعد ابوالعباس جوہری نے یہ خواب دیکھا کہ علامہ سید شریف مرتضیٰ جنت میں ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے اور وہ لوگ اُن سے درخواست کر رہے ہیں کہ آپ کھانا تناول فرمالیجئے تو وہ یہ فرما رہے

ہیں کہ جب تک میرا بچہ نہیں آجائے گا میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابو العباس جوہری خواب سے بیدار ہوتے تو رمضان کی انتیسویں تاریخ تھی۔ اور اُسی دِن علامہ سید شریف مرتضٰی کے صاحبزادے شہید کئے گئے۔ آپ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۸ھ میں خاقان خضر بن ابراہیم نے آپ کو شہید کرایا۔[1]

تبصرہ اس رقت انگیز و عبرت خیز حکایت میں بلاشبہ علمائے حق کے لئے بہت بڑا درس عمل ہے۔ ایک ظالم بادشاہ کے مقابلہ میں خداوند قدوس کی رضاجوئی کے لئے بڑے بڑے مصائب و آلام برداشت کرنے کیلئے استقامت کا ہمالیہ بن کر ڈٹ جانا یہ کسی معمولی دل گردے والے کا کام نہیں ہے۔ بلاشبہ علمائے حق کا یہ جذبہ حق پرستی اپنی رفعت و سربلندی میں ایسی اعلیٰ منزل پر ہے کہ ہمالیہ کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر حسرت سے اس کا منہ تکتی ہیں اور اور آسمانوں کی سربلندیاں جھک جھک کر اس کو سلام کرتی ہیں!

حضرت علامہ سید شریف مرتضٰی کا یہ ارشاد کہ جو سید ہوگا وہ ضرور کبھی نہ کبھی مصائب و آفات کا شکار ہوگا واقعی آپ کا یہ فرمان والا شان تاریخی شواہد کی روشنی میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ مصائب اور بلاؤں کا استقبال خاصان خدا کا خاص الخاص حصہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل** یعنی سب سے زیادہ سخت امتحان اور آزمائش حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہوا کرتی ہے پھر ان کے بعد جو شخص جس درجے کا بلند مرتبہ ہوگا اسی درجے کا اس کیلئے مصائب اور بلاؤں کے ذریعہ امتحان ہوا کرے گا کیوں نہ ہو کہ

منزل عشق میں تسلیم و رضا مشکل ہے
جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

محبوبان خدا خصوصاً حضرات اہل بیت کرام چونکہ یہ بزرگیوں اور کرامتوں کے بڑے بڑے انعام و اکرام ربانی سے نوازے جاتے ہیں اس لئے اس اصول کے مطابق کہ "جتنا بڑا انعام اتنا ہی بڑا امتحان" یہ لوگ بڑے بڑے روح فرسا مصائب و آلام کی منزلوں سے گذرتے اور بڑے بڑے مشکل امتحانوں کی آزمائش میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور یہ لوگ جب صبر و استقامت کے ساتھ ہر مصیبت کا مقابلہ کرکے امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو خداوند قدوس ان کو ایسے ایسے انعام و اکرام کی دولتوں سے مالا مال فرما دیتا ہے کہ قدسی صفت ملائکہ بھی ان کے

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۱

بلند درجات کے دیدار اور درشن کے تمنائی بن جاتے ہیں۔ کسی شاعر نے اس حقیقت کو نہایت ہی حسین طرز بیان میں زیب قرطاس کیا ہے کہ ۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا   سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

مصر کا ایک حقانی عالم

والئ مصر احمد بن طولون بڑا ہی سفاک اور خون ریز بادشاہ تھا۔ مگر اس کے باوجود اس کو مقدمات میں ظالم و مظلوم کے درمیان عدل کرنے کا بڑا جذبہ تھا۔ ایک دن اس کا لڑکا عباس ایک گانے والی عورت کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور اس کا غلام ہاتھ میں "ستار" لئے جا رہا تھا۔ ایک عالم حقانی نے جو یہ منظر دیکھا۔ تو ایک دم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ سینے میں بیدار ہو گیا۔ غضب و جلال میں بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور غلام کے ہاتھ سے "ستار" چھین کر زمین پر اس طرح پٹخ دیا کہ وہ چور چور ہو کر بکھر گیا۔ عباس غضب ناک ہو کر اپنے باپ احمد بن طولون کی کچہری میں اس حقانی عالم پر مقدمہ دائر کر دیا۔ جب یہ پیکر علم و عمل کچہری میں پہونچا تو احمد بن طولون نے سوال کیا کہ کیا واقعی تم نے ستار کو توڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جی ہاں۔ احمد بن طولون نے تیور بدل کر بڑے غصہ میں پوچھا کہ کیا تم کو علم تھا کہ وہ ستار کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جی ہاں، وہ آپ کے فرزند عباس کا تھا۔ احمد بن طولون نے پوچھا کہ پھر بھی تم نے میرے اعزاز کا کچھ بھی خیال نہیں رکھا۔ عالم حقانی نے نہایت ہی بے خوفی کے ساتھ جواب دیا کہ عزت مآب! یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ایک گناہ ہوتے ہوتے دیکھوں اور آپ کے اعزاز کا خیال سے خاموش رہوں حالانکہ اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے کہ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی تمام مومنین اور تمام مومنات ایک دوسرے کے دوست رہیں۔ ان کا یہی کام ہے کہ یہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیں۔ اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ عالم حقانی کی یہ حق نما تقریر تاثیر کا تیر بن کر احمد بن طولون کے دل میں پیوست ہو گئی۔ ایک دم اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور اس نے یہ کہہ دیا کہ میں آپ کو مجاز بناتا ہوں کہ آپ پورے شہر میں جو

بات بھی خلاف شرع دیکھیں اُس کو برباد اور تہس نہس کر دیجئے۔ میں آپ کا معین و مددگار ہوں۔[1]

تبصرہ اس حکایت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ اگر کوئی حق پرست واقعی جذبۂ اخلاص اور جوشِ صداقت سے کوئی کلمہ حق کہے تو خداوند عالم اُسکے کلام میں ایسی تاثیر پیدا فرما دیتا ہے کہ بڑے بڑے ظالموں کے سینوں میں آہنی دل بھی پگھل کر موم بن جاتے ہیں اور حق کہنے والے کی نصرت و حمایت کے لئے آسمانوں سے قدسیوں کی ایسی فوج اتر پڑتی ہے جس کی ہیبت و جلالت سے ظالموں کے جسم کا رونگٹا اور بدن کا بال بال لرزنے لگتا ہے اور فتح مبین انتہائی جذبۂ عقیدت کے ساتھ حق گو اور حق پرست انسان کے قدموں کا بوسہ لینے لگتی ہے۔ سبحان اللہ! سچ کہا ہے شاعر مشرق نے ؎

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اَب بھی درختِ طُور سے آتی ہے بانگِ لاتخف

حق گو

حضرت مولانا شیخ شہاب الدین بن مولانا فخر الدین زاہدی کا لقب "حق گو" ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ دہلی محمد بن تغلق بڑا ہی ظالم تھا۔ مگر ایک دم اُس کے سر پر یہ خبط بھوت بن کر سوار ہو گیا کہ سب مجھے "محمد عادل" کہیں۔ چنانچہ اُس نے حضرت مولانا کو دربار میں بُلایا اور حکم دیا کہ آپ مجھے "محمد عادل" کے لقب سے پکاریں۔ یہ سُن کر آپنے نہایت ہی مجاہدانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ میں ایک ظالم کو ہرگز ہرگز کبھی عادل نہیں کہہ سکتا بادشاہ نے غضب ناک ہو کر جلادوں کو حکم دیا کہ ان کو قلعہ کی دیوار سے نیچے پھینک دو۔ چنانچہ جلادوں نے آپ کو دیوار سے نیچے پھینک دیا۔ اور آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی قبر شریف قلعہ کے نیچے بنی ہوئی ہے۔ اس واقعہ کے بعد لوگ آپ کو شہاب الدین حق گو کہنے لگے۔[2]

نجاست مت کھاؤ

بادشاہ دہلی محمد تغلق ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی گستاخ بے ادب بھی تھا۔ اور اپنی سلطنت کے

[1] مستطرف ج ۱ ص ۱۰۰ [2] اخبار الاخیار ص ۱۳۷

غرور اور گھمنڈ میں کبھی کبھی مسائل شریعت پر بھی جرح و قدح کرنے لگتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے یہ کہدیا کہ خدا کا فیض منقطع نہیں ہوتا۔ پھر فیض نبوت کیوں کر منقطع ہو سکتا ہے؟ اگر اب کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور معجزہ دکھائے تو اس کی تصدیق کرو گے یا نہیں؟ مولانا عماد نے اسی وقت بھرے دربار میں یہ کہدیا کہ "گہ مخور چہ می گوئی" (پائخانہ مت کھا کیا بک رہا ہے؟) محمد تغلق نے حکم دیا کہ ان کو ذبح کر کے زبان کھینچ لی جائے۔ چنانچہ جلادوں نے آپ کو ذبح کر کے آپ کی زبان کھینچ لی۔[1]

تبصرہ مولانا شہاب الدین اور مولانا عماد وغیرہ سیکڑوں علماء سلف ایسے ہوئے جنہوں نے کلمۂ حق کہنے کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔ بلاشبہ یہ مقدس ہستیاں "شہدائے حق" ہیں۔ جو خود کٹ گئے مگر حق کو کٹنے نہیں دیا خود مٹ گئے مگر حق کو مٹنے نہیں دیا۔ یقیناً ان کی قربانیوں کی بدولت سارے عالم میں حق کا بول بالا ہو گیا۔ ظالم بادشاہوں کی تلوار وں سے ان حقانی شہیدوں کی گردنیں تو کٹ گئیں لیکن ان کی حقانیت کی شہ رگ نہ آج تک کٹی نہ قیامت تک کٹ سکتی ہے۔ بلکہ قیامت تک ان کی حقانیت زندہ رہے گی۔ اور ان کی حقانیت کا پرچم ہمیشہ فضاء آسمانی میں لہراتا ہوا زبان حال سے یہ وجد آفریں اور روح پرور پیغام نشر کرتا رہے گا کہ ؎

زندہ ہے ملت بیضا شہداء کے دم سے ان کی روحوں پہ ہو سو بار درود اور سلام

امام مالک اور خلیفہ منصور

علامہ قاضی عیاض ناقل ہیں کہ خلیفۂ بغداد منصور مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور امام مالک سے گفتگو کرتے ہوئے اس کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔ تو حضرت امام مالک نے ڈانٹ کر فرمایا کہ اے امیر المومنین! خداوند عالم جل جلالہ کا فرمان ہے کہ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ یعنی اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔ اے امیر المومنین! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب و احترام اب بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ظاہری حیات مبارکہ میں تھا۔ اس لئے قبر انور کے پاس خبردار ہرگز بلند آواز سے گفتگو نہ کیجئے۔ امام ممدوح کی ڈانٹ سن کر خلیفہ منصور بالکل خاموش ہو گیا۔ پھر نہایت ہی پست آواز سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اے امام مالک! میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں سلام عرض کر چکا۔ اب میں قبر انور ہی کی طرف اپنا رخ کر کے دعا کروں؟ حضرت امام مالک نے جواب دیا

[1] اخبار الاخیار ص ۲۰۷

تم اپنا چہرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیوں اور کس طرح پھیر رہے ہو؟ جب کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منھ کر کے خدا سے دعا مانگو۔ اور ان کو بارگاہِ الٰہی میں اپنا شفیع بناؤ تو خداوند کریم ان کے وسیلے سے تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔ خداوند قدوس کے اس پیغام کو یاد رکھو کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ یعنی اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو انھیں چاہیئے کہ اے محبوب وہ آپ کے پاس حاضر ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔ اور رسول بھی اُن کے لئے مغفرت طلب فرمائیں تو یقیناً گناہگار لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا اور بخشنے والا پائیں گے۔[1]

میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا

مدینہ منورہ کا اموی گورنر مروان بن الحکم روضۂ منورہ کے پاس حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ ایک شخص قبر انور سے چمٹا ہوا پڑا ہے۔ مروان نے اُس کی گردن پکڑ کر اٹھایا اور کہا کہ اے شخص! تجھے کچھ خبر ہے؟ کہ تو کیا کر رہا ہے؟ تو اس شخص نے سر اٹھا کر جواب دیا کہ ہاں! میں خوب جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اے مروان! میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں۔ بلکہ میں رسول اللہ کے دربار میں حاضر ہوں۔ اے مروان! جب دیندار لوگ والی بنیں تو رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب نااہل لوگ دین کے والی بنیں تو رونا چاہیئے۔ مروان یہ گرم گرم جملے سن کر خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ مُطلب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ جنھوں نے مروان گورنر کو جھنجھوڑ کر ڈانٹ دیا ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تھے![2]

تبصرہ اوپر ذکر کی ہوئی دونوں حکایتوں میں بڑے بڑے ایمان افروز و روح پرور نتائج کی تجلیاں ہیں۔

(۱) حضرت امام مالک خلیفہ کے جاہ و جلال اور رعب و داب سے بال برابر بھی مرعوب نہیں ہوئے اور دربارِ رسول میں ادب کی کمی دیکھ کر تڑپ گئے۔ اور منصور کو ڈانٹ کر چپ کر دیا۔ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر بھی بنو اُمیہ کے ظالم گورنر کی ہیبت کا کوئی اثر نہیں پڑا اور آپ نے اُس کے مُنہ پر انتہائی جرأت و بے باکی سے

[1] وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۷۶ [2] وفاء الوفاء ص ۱۴۰۵

کلمۃ الحق سنا کر اُس کو ڈانٹ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ بلاشبہ ان دونوں بزرگوں کے اُسوۂ حسنہ میں تمام اُمتِ رسول کیلئے بہت بڑا درس ہے۔ کہ کلمۃ الحق کہنے اور شریعت مطہرہ کے مسائل کو علی الاعلان بیان کرنے میں کسی گورنر یا بادشاہ کا خوف دامن گیر نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا کام نہیں۔ اس افضل الجہاد کی فضیلت سے وہی شخص سرفراز ہو سکتا ہے جس کے سر پر رب العزت خوش نصیبی کا تاج رکھ دے اور جذبۂ ایمانی و جوش اسلامی کی دولتِ لازوال سے مالامال ہو جائے۔ اور کلمۃ الحق کہہ دینے کی پاداش میں اپنا سر کٹا دینے کو اپنے سر کی معراج سمجھتا ہو۔

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا　　　ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

(۳) حضرت امام مالک نے فرمایا کہ اے منصور تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے اور انکو دربارِ خداوندی میں اپنا شفیع بنا کر خدا سے دعا مانگو۔ کیوں کہ رحمتِ عالم کی ذاتِ اقدس تم تو کیا تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ ہیں۔

سُبحان اللہ! کس قدر ایمان افروز تعلیم آپنے خلیفہ منصور کو دی۔ اور اس مسئلہ کو قیامت تک کے لئے حل کر دیا۔ کہ مسجد نبوی میں روضۂ انور کے مواجہہ اقدس میں دعا مانگنے کا مودّب طریقہ یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے دُعا مانگے۔ کیوں کہ اس جگہ کعبہ کرمہ کی طرف مُنہ کرنے سے قبر انور کی طرف پُشت ہو جاتی ہے۔ جس کو محبتِ رسول سے بھرا ہوا دل کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس فقیر راقم الحروف نے بارہ دن مدینہ منورہ میں قیام کر کے بچشم خود دیکھا۔ کہ عرب و عجم حل و حرم کے تمام اکابر عُلماء و مشائخ قبر انور ہی کی طرف منہ کر کے دعائیں مانگتے ہیں۔ ہاں اُلبتہ منحوس نجدیوں اور ہندوستان کے چند کھوسٹ وہابیوں کو دیکھا کہ یہ لوگ خود بھی روضۂ اقدس کی طرف پیٹھ کر کے دعائیں مانگتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی سُوءِ ادب کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ پر ایک نجدی سے میری بحث بھی ہو گئی اور الحمد للہ! کہ وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

کاش اعلحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے یہ دو شعر ان کور بختوں کیلئے ذریعہ ہدایت بنیں۔

ذکرِ خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو　　　واللہ ذکرِ حق نہیں، کنجی سقر کی ہے
بے اُن کے واسطے کے خُدا کچھ عطا کرے　　　حاشا غلط غلط۔ یہ ہوس بے بصر کی ہے

(۳) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مروان گورنر کو ڈانٹ کر جھڑک دیا۔ اور یہ فرمایا کہ میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں۔ بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں صحابی رسول نے یہ فرما کر ہمیشہ کیلئے اس مسئلہ پر مُہر تصدیق ثبت فرمادی کہ روضۂ انور پر حاضری دینے والا یہ یقین وایمان رکھے کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا ہوں اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرانور میں زندہ ہیں اور میں اور میرے سب اعمال اُن کے پیش نظر ہیں۔ اس لئے ہر زائر قبر انور کے پاس وہی ادب واحترام اور تعظیم و تکریم ملحوظ رکھے جو صحابہ کرام بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے کے وقت ملحوظ رکھتے تھے۔ کیوں کہ آج بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام لوازم حیات کے ساتھ اس طرح زندہ اور اپنی اُمت کے اعمال واحوال سے باخبر ہیں کہ ہر شخص قبر منور کے پاس پورے یقین واعتقاد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے نجدیوں کے اس عقیدے کی دھجیاں اڑانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی کہ مدینہ کے سفر کے وقت مسجد نبوی کی حاضری کی نیت کرے روضۂ منورہ کی حاضری کی نیت نہ کرے۔ حضرت ابوایوب انصاری نے صاف صاف فرمادیا کہ میں اینٹ اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ خاص دربار رسالت کی حاضری کے قصد ونیت سے یہاں آیا ہوں۔ سبحان اللہ! صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان افروز والہانہ محبت کا کیا کہنا؟ خداوند قدوس ہر مسلمان کے قلب ودماغ میں محبت رسول کا ایسا ہی آفتاب وماہتاب روشن فرمادے۔ جس سے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال نورایمان کی دولت سے مالامال ہو جائے۔ اور قبرانور کے پاس حاضر ہوتے ہی یہ دو شعر وردِ زبان ہو جائے کہ ؎

اللہ اکبر! اپنے قدم اور یہ خاکِ پاک — حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے
معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو — کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

ابراھیم مُحدث اور ہشام

مشہور اور مایۂ ناز محدث ابراہیم کو خلیفۂ دمشق ہشام بن عبدالملک نے خراج مصر کی تولیت کا عہدہ پیش کیا

آپنے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ "میں اس کا اہل نہیں ہوں"۔ خلیفہ آپ کا انکار سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور غضب ناک ہو کر کہنے لگا کہ آپ کو یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا۔ ورنہ آپ سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔ آپ ہشام کی قہر آلود دھمکیوں کو نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ سنتے رہے۔ جب ہشام خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو اُن سبھوں نے خائف ہو کر اس بار امانت کو اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ اے امیرالمومنین جب بار امانت اٹھانے سے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر ناراض نہیں ہوا۔ تو آپ مجھ کو بار امانت اٹھانے سے انکار کرنے پر اس قدر ناراض ہو کر کس طرح سزا دے سکتے ہیں؟ ابراہیم محدث کی یہ حقانی تقریر سن کر ہشام کے ہوش و حواس کا طوطا اڑ گیا۔ اور بالکل لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا اور اس عہدہ پر کسی دوسرے شخص کو مقرر کر دیا۔[1]

مولانا علاءالدین اور عالمگیر

مولانا علاءالدین اپنے دور کے مشاہیر علما میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ عمر بھر درس و تدریس کا مشغلہ رکھا۔ شاہجہان بادشاہ کے دربار سے منسلک رہے۔ شاہجہاں کے بعد عالمگیر کے دربار سے تعلق ہو گیا۔ منقول ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے بھائیوں کو قتل کرانے اور اپنے باپ شاہجہان کو آگرہ کے قلعہ میں قید کرنے کے بعد ایک دربار خاص منعقد کیا۔ جس میں ملک بھر کے اُمرا، علما، اور دوسرے دانشوروں کو مدعو کیا۔ مولانا علاءالدین بھی حاضر دربار تھے۔ عالمگیر نے حاضرین کے سامنے تقریر کرتے ہوئے یہ یقین دلایا کہ میرا حکومت پر قبضہ کرنا میرے کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں ہے بلکہ صرف خلق خدا کے فائدے کیلئے ہے۔ تمام حاضرین نے بادشاہ کی تائید کی اور بیشک بیشک۔ بجا ہے، درست ہے کا نعرہ لگایا۔ مگر مولانا علاءالدین کا جذبہ حق گوئی برداشت نہ کر سکا۔ آپنے کھڑے ہو کر بھرے دربار میں بادشاہ کے منہ پر یہ کہدیا کہ "جو شخص اپنے باپ کو جیل خانہ میں ڈال سکتا ہے اُس سے خلق خدا کو اگر فائدہ پہنچ جائے تو بڑے تعجب کی بات ہے"

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۷۳

مولانا علاء الدین کی اس صاف گوئی پر تمام حاضرین دربار حیرت زدہ ہو گئے اور بادشاہ عالمگیر بھی آپ کا منہ تکتا رہ گیا اور کوئی جواب بن نہیں پڑا۔[۱]

قاضی سوار اور منصور

خلیفۂ بغداد منصور کے دورِ حکومت میں قاضی سوار بن عبداللہ بصرہ کے قاضی تھے۔ کچھ لوگوں نے دربارِ خلافت میں چغلی کھائی کہ قاضی صاحب لوگوں کی شخصیت سے متاثر ہو کر اور منہ دیکھ کر فیصلہ کر دیا کرتے ہیں۔ خلیفہ منصور نے آپ کو دربارِ خلافت میں جواب دہی کے لئے طلب کیا۔ قاضی صاحب جیسے ہی دربار میں منصور کے سامنے کھڑے ہوئے منصور کو ایک دم چھینک آگئی۔ قاضی صاحب نے منصور کی چھینک پر "یَرْحَمُكَ اللہ" کیوں نہیں کہا۔ منصور نے ڈانٹ کر پوچھا کہ آپ نے میری چھینک پر "یَرْحَمُكَ اللہ" کیوں نہیں کہا؟ قاضی صاحب نے برجستہ جواب دیا اس لئے کہ آپ نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" نہیں کہا۔ منصور نے کہا کہ میں نے دل میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہہ لیا تھا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ میں نے بھی دل میں "یَرْحَمُكَ اللہ" کہہ دیا تھا۔

خلیفہ منصور قاضی سوار کی بے خوفی اور حاضر جوابی سے بیحد متاثر ہوا اور کہا کہ آپ جائیے اور اپنے عہدہ پر برقرار رہئے۔ جب آپ مجھ سے مرعوب نہیں ہوئے اور میری ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔ تو پھر مجھے یقین ہے کہ آپ کسی کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہو سکتے اور ہرگز ہرگز کسی کا منہ دیکھ کر یا کسی کے دباؤ سے کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔[۲]

سلطنت کی قیمت

منقول ہے کہ ایک مرتبہ "ابنِ سماک" خلیفۂ بغداد ہارون رشید کے دربار میں تشریف لے گئے۔ ایک دم ہارون رشید کو پیاس لگی اور اس نے پانی طلب کیا۔ خادم نے پانی کا گلاس ہارون رشید کے ہاتھ میں دیا۔ تو ابنِ سماک نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! ذرا ٹھہر جائیے اور مجھے بتائیے کہ اگر پیاس کے وقت کہیں پانی نہ ملے اور آپ پیاس سے بے قرار ہو جائیں تو یہ ایک گلاس پانی آپ کتنی قیمت دے کر خریدیں گے

---

[۱] علمائے حق صہ ۴۲ [۲] تاریخ الخلفاء صہ ۱۸۵

ہارون رشید نے جواب دیا کہ آدھی سلطنت۔ پھر ابن سماک نے پوچھا کہ اگر یہ پانی آپکے پیٹ میں پہنچ جائے اور آپ کا پیشاب بند ہوجائے اور یہ پانی آپ کے بدن سے نہ نکل سکے تو آپ اس کے علاج پر کتنی رقم خرچ کردیں گے؟ ہارون رشید نے کہا کہ پوری سلطنت۔ یہ سُن کر ابن سماک نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین وہ سلطنت جس کی قیمت ایک گلاس پانی اور اُس کا پیشاب ہو۔ بھلا کب اس قابل ہے کہ اس کی رغبت کی جائے اور اس پر گھمنڈ کیا جائے۔ ابن سماک کے ان کلمات کو سُن کر ہارون رشید چیخ مار مار کر رونے لگا اور کچھ جواب نہیں دیا۔[1]

میں اندھا نہیں ہوں

احمد بن علی بصری ناقل ہیں کہ ایک دن خلیفۂ بغداد "متوکل باللہ" نے علامہ "احمد بن معدل" اور دُوسرے عُلمائے بغداد کو اپنے دربار میں بلایا۔ جب تمام عُلماء مجتمع ہوگئے تو خلیفہ اپنے پورے کرّوفر اور شاہانہ شان و شوکت سے دربار میں آیا۔ خلیفہ کو دیکھتے ہی سب لوگ اُس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ مگر علامہ احمد بن معدل بدستور بیٹھے رہے اور اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ خلیفہ نے علامہ کی اس حرکت پر دل میں ناراض ہو کر اپنے خادم "عبیداللہ" سے دریافت کیا۔ کہ کیا انھوں نے میری بیعت نہیں کی ہے؟ کیا یہ مجھ امیرالمومنین نہیں تسلیم کرتے؟ عبیداللہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، لیکن اے امیرالمومنین! ان کی بصارت میں کچھ کمی آگئی ہے۔ اور نظر بہت کمزور ہوگئی ہے۔ غالباً انھوں نے آپکو دیکھا نہیں۔ یہ سُن کر علامہ احمد بن معدل نے بلند آواز سے فرمایا۔ کہ نہیں اے امیرالمومنین! میں اندھا نہیں ہوں۔ لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آپ کو بچایا ہے۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ،

"جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اُس کے سامنے کھڑے رہیں اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔"

یہ سُن کر متوکل باللہ علامہ احمد بن معدل کے پہلو میں بیٹھ گیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔[2]

تبصرہ مذکورہ بالا پانچوں حکایتوں میں اس حقیقت کی تجلی ہے کہ عُلمائے سلف "کلمۃ الحق" کا اعلان کرنے

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۰۳ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴

میں ہرگز ہرگز کبھی بادشاہوں کے رُعب و جلال سے مرعوب یا خائف و ہراساں نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ انتہائی بے خوف اَور نڈر ہو کر اُمراء و سلاطین کو نصیحت کرتے تھے۔ اَور اعلاء کلمۃ الحق کے معاملہ میں اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ یہ درحقیقت ان عُلماءِ حق کی ایمانی قوتوں اَور رُوحانی توانائیوں کا کرشمہ تھا کہ بڑے بڑے ظالم و جابر بادشاہوں کی تلواریں ان قُدسی صفت عالموں کی سیف زبانی کے مقابلہ میں گُند ہو کر رہ جاتی تھیں۔ اَور ان باخدا بزرگوں کی ہر تقریر صداقت تاثیر کی شمشیر بن کر ظالموں کے ظالمانہ عزائم کے پرخچے اُڑا دیا کرتی تھی۔ درحقیقت یہی وہ مقدّس جماعت ہے جن کے بارے میں خداوند قدّوس نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ لَا یَخَافُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے سینوں میں اللہ کے خوف کے سوا کسی غیر اللہ کے خوف کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ لوگ صرف خُدا سے ڈرتے ہیں۔ اَور ساری خدائی میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ جس کا نتیجہ اَور ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ خداوند قدّوس ان کے سروں پر لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ کا تاج رکھ کر ان کو امن و بے خوفی اَور مجاہدانہ جرأت و ہمت کا ایسا سُلطان بنا دیتا ہے کہ یہ لوگ صرف خُدا سے ڈرتے ہیں اَور ساری خُدائی ان سے ڈرنے لگتی ہے اَور ان کی وہ شان نظر آتی ہے کہ اُن کے دُشمن بھی ان کو دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ ؎

غیر حق کے سامنے مومن کا سَر جُھکتا نہیں
یہ وہ طوفاں ہے پہاڑوں سے بھی جو رُکتا نہیں

آجکل کے عُلماء کرام و مشائخ عظام جو محض اس خوف سے کہ لوگ ہمیں "جھگڑالو" یا "تشدّد پسند" یا "خشک مُلّا" کہیں گے۔ کلمہ حق کہنے سے رُکتے اَور جھجکتے ہیں۔ اَور بدمذہبوں اَور بد اعتقادیوں کا رد نہیں کر سکتے۔ کاش ان بزرگانِ سلف و عُلماءِ حق کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے تو آج ملک کے ماحول کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ اس دور میں عُلماءِ کرام کا عمل و کردار اس قدر پست اَور جوشِ حقانیت و جذبہ جہاد اتنا مُردہ ہو چکا ہے کہ ہر دیکھنے والا ان کو دیکھ کر یہی کہنے لگتا ہے کہ ؎

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قُلْ ھُوَ اللّٰہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

حضرت مجدّد الف ثانی اور جہانگیر

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اُن علماء حق میں سے ہیں جو اکبری دور کی مشرکانہ و ملحدانہ مراسم، اور جہانگیری عہد کی کفر نوازیوں کو مٹانے کے لئے اپنی زبان و قلم سے عمر بھر مصروف جہاد و سرگرم عمل رہے۔ دربار کے خوشامدی علماء سُو نے آپکے خلاف جہانگیر سے ایسی اُلٹی سیدھی لگائی کہ جہانگیر اپنی سلطنت کے غرور میں آپکے درپئے آزار ہوگیا۔ اور آپ کو دربار میں طلب کرکے نہایت تلخ کلامی کے ساتھ آپ سے گفتگو کی۔ آپنے جہانگیر کے تمام سوالوں کا نہایت ہی معقول و مسکت جواب دیا اور جہانگیر کی قہر آلود دھمکیوں کا ذرہ بھر بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ کی کھری کھری باتوں سے جہانگیر جل بھن گیا۔ کوئی جواب تو بن نہیں پڑا مگر حکومت کے نشہ میں آپ کی توہین کرنے لگا اور گوالیار کے قلعہ میں آپ کو قید کردیا۔ آپنے جہانگیر کے اس ظالمانہ سلوک کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرما لیا اور قلعہ کی چہار دیواری میں محبوس ہوکر قیام پذیر ہوگئے۔

ہندوستان میں آپ کے لاکھوں مُریدین و معتقدین تھے بلکہ دربار کے بعض اُمراء سلطنت بھی آپ ہی کے مُرید و معتقد تھے۔ آپکے ایک ادنیٰ اشارے پر جہانگیری حکومت کا تختہ اُلٹ پلٹ ہوسکتا تھا مگر آپنے حکومت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔ لیکن اکبر و جہانگیر کے خلاف شرع مشرکانہ رُسوم اور کُفر نوازیوں کے خلاف برابر اپنی زبان و قلم سے نعرۂ جہاد بلند فرماتے رہے۔ جہانگیر کو جب آپ کی جلالت شان اور تبلیغی کارناموں کا علم ہوا۔ اور اُمراء دربار کی نگاہیں بھی کچھ پھری پھری سی نظر آنے لگیں تو اُسکو ہوش آیا۔ فوراً آپ کو قید سے رہا کرکے دربار میں انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ مدعو کیا۔ معافی کا خواستگار ہوا۔ بلکہ آپکے دست حق پرست پر تائب ہوکر آپ کا مُرید ہوگیا۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے فرزند شاہزادہ خُرم (شاہجہان) کو آپ اپنی خدمت میں رکھ کر اُس کی تربیت فرمائیں [1]۔

سُبحان اللہ! حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کے ان ہی مجاہدانہ کارناموں سے متاثر ہوکر ڈاکٹر اقبال نے سرہند شریف میں مزار پُرانوار پر حاضر ہوکر اس طرح نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

[1] علماء حق وغیرہ صہ ۴۷

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو کہ بیدار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار

آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار

عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کُلہِ فقر سے ہو طُرۂ دستار

باقی کُلہِ فقر سے تھا ولولۂ حق
طُروں نے چڑھایا نشۂ خدمتِ سرکار

شاہ ولی اللہ اور نجف خاں

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اُس دور میں جبکہ ہندوستان کی درسگاہوں میں ہر طرف منطق و فلسفہ کا دور دورہ تھا۔ آپنے قرآن و حدیث کے درس کا چرچا کیا۔ فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ لکھا اور دوسری مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔ کچھ عرصہ کیلئے حرمین شریفین میں بھی مقیم رہے۔ شاہ عالم بادشاہ کے دور میں نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی امیر الامراء تھا۔ اس کے عہد میں رافضیت کی بڑی ترویج و اشاعت ہوئی۔ یہاں تک کہ دہلی میں علم طور پر خلفاء راشدین کی منقبت نہیں بیان کی جا سکتی تھی۔ ہر طرف تعزیہ پرستی اور تفضیلیت کی گرم بازاری اور دھوم دھام تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس گمراہی کے استیصال کے لئے قلم اٹھایا۔ اور اپنی مشہور کتاب "ازالۃ الخلفاء" تصنیف فرمائی۔ اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ روافض میں کہرام مچ گیا۔ یہاں تک کہ امیر الامراء نجف خاں کو اس کی خبر کی گئی۔ اُس نے آپ سے کہا کہ آپ کوئی ایسی کتاب نہ لکھیں جس سے روافض کو تکلیف پہنچے۔ آپنے انتہائی ایمانی جرأت کے ساتھ یہ جواب دیا کہ میرا بحیثیت عالم دین کے فرض ہے کہ میں حق بات کا اپنی زبان و قلم سے ضرور ضرور اظہار کرتا رہوں۔ اس لئے میں مذہب اہلِ سُنت کی حمایت سے کبھی بھی اپنے قلم کو نہیں روک سکتا۔

نجف خاں نے آپ کے اس مجاہدانہ جواب سے غصہ میں جل بھن کر یہ ظلم ڈھایا کہ پہنچوں سے آپ کے ہاتھوں کو توڑ ڈالنے کا حکم دے دیا۔ تاکہ قلم پکڑنے کی طاقت ہی نہ رہے۔ مگر اس حادثہ کے بعد بھی آپ کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے شاگردوں سے لکھوانا شروع کر دیا۔ اور اس طرح آپ کی تصنیفات کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ چنانچہ اس زمانہ کی کئی کتابیں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تصنیف کی ہوئی موجود ہیں۔ ۱۱۷۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔[۱]

تحفہ اور ذوالفقار

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں "صدر العلماء" تھے۔ قرآن و حدیث کے درس میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد آپ کا بہت بڑا حصہ ہے اور تقریباً ہندوستان بھر کے محدثین آپ ہی کے شجرۂ تلمذ کے شیریں پھل ہیں۔ تفسیر عزیزی و فتاویٰ عزیزیہ وغیرہ آپ کی بہت ہی گراں مایہ تصنیفات ہیں۔ اور ردِّ روافض میں آپ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" تو آپ کا ایسا شاہکار ہے کہ آج تک روافض اس کا جواب نہیں تحریر کر سکے۔ نواب آصف الدولہ نے اپنے مولوی دلدار علی جائسی مجتہد لکھنؤ سے تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں لکھوائی۔ جس کا نام "ذوالفقار" ہے ایک مرتبہ نواب آصف الدولہ نے اپنے ایک مصاحب مرزا قتیل سے دریافت کیا کہ قبلہ و کعبہ نے تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں کیسی کتاب لکھی ہے؟ مرزا قتیل نے کہا کہ۔ خیر۔ کتاب جیسی ہوگی وہ اپنی جگہ ہے مگر قبلہ و کعبہ کو تو کتاب کا نام رکھنا بھی نہیں آیا۔ بھلا یہ کوئی تک کی بات ہے کہ شاہ عبد العزیز تو "تحفہ" پیش کریں۔ اور قبلہ و کعبہ اُس کے جواب میں ذوالفقار (تلوار) دکھائیں۔ مرزا قتیل باوجودیکہ خود بھی شیعہ تھے مگر چونکہ بہت ہوش مند اور صاف گو آدمی تھے۔ اس لئے سچّی بات انھیں کہنی ہی پڑی اور نواب صاحب کو بھی خاموش ہی ہونا پڑا۔

"تحفہ اثنا عشریہ" کے شائع ہوتے ہی فرائض میں تہلکہ پڑ گیا۔ اور امیر الامرا نجف خاں نے آپکی ایذا رسانی کا عزم کیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ زہریلی چھپکلی کا ابٹن حضرت شاہ صاحب کے جسم پر جبرا ملوادیا۔

جس سے آپ کے بدن پر جذام کا اثر نمودار ہو گیا۔ اور آپ کو اور آپ کے بھائی حضرت شاہ عبد القادر کو دہلی سے شہر بدر کر دیا۔ چنانچہ نجف خاں کے مرنے کے بعد آپ لوگ پھر دہلی واپس گئے۔ ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ میں آپ پیدا ہوئے اور ۷ شوال ۱۲۳۹ھ میں وصال فرمایا۔[۱]

تبصرہ مندرجہ بالا تینوں حکایات سے دو عبرت خیز نتائج بہت ہی صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں،

(۱) علماء سلف نے دین کی حفاظت و خدمت میں ظالم امراء اور بادشاہوں کے ہاتھوں کیسی کیسی ہوش ربا مصیبتیں اٹھائی ہیں مگر مصائب و آلام کے ان طوفانوں میں بھی وہ برابر ملتِ اسلامیہ کی کشتی کی ناخدائی کرتے رہے۔ اور تعلیمِ رسول کے مقدس سفینہ کو غرقاب ہونے سے بچاتے رہے۔ یہاں تک کہ دینِ اسلام صحیح و سلامت حالت میں ہم لوگوں تک پہنچا۔ یہ علماء سلف کا امتِ رسول پر اتنا بڑا احسانِ عظیم ہے کہ قیامت تک امتِ مسلمہ ہزاروں شکریہ ادا کرنے کے باوجود اس بارِ منت سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ان مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو دن رات علماء امت پر طعنہ زنی کرتے رہتے ہیں۔ اور برملا یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مولویوں نے سوائے مسجد کا لوٹا توڑنے اور مفت خوری کے قوم کیلئے کچھ کام ہی نہیں کیا۔ لِلّٰہ! انصاف کیجئے کہ اکبر بادشاہ اور جہانگیر بادشاہ کی کفری رسومات اور اکبر کے ایجاد کردہ "دینِ الٰہی" کے خلاف اگر حضرت مجدد الف ثانی نے نعرۂ جہاد نہ بلند کیا ہوتا تو شاید ملحدوں نے اب تک اسلام کا حسین و جمیل نورانی چہرہ مسخ کر دیا ہوتا اور ہندوستان میں حقیقی اسلام کا خط و خال لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ اسی طرح اگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے کمر کس کر ردِ روافض کا بیڑا نہ اٹھایا ہوتا۔ تو روافض حکام نے اپنے ظالمانہ جبر و قہر سے غالباً اہلِ سنت کا جنازہ نکال دیا ہوتا۔ مگر آج انہی علماء حق کی مجاہدانہ مساعی کا نتیجہ ہے کہ اکبر کا "دینِ الٰہی" اور اس کی مشرکانہ رسومات اس طرح دفن ہو گئیں کہ ان کی قبروں کا بھی کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ اور حقیقی اسلام کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ہندوستان کے گوشے گوشے میں آج بھی چمک رہا ہے۔ اور بحمدہٖ تعالیٰ اہلِ سنت کا پرچم عظمت اپنی قدیمی شان کے ساتھ سربلند ہو کر باشندگانِ ہند کے دل و دماغ کی دنیا میں لہرا رہا ہے۔

[۱] علماء حق ص ۱۵

(۲) زمانۂ حال کے عُلما کے لئے بھی ان نورانی حکایات میں بہت بڑی عبرت کا سامان ہے۔ کہ ہمارے بزرگوں کو خدمتِ دین اور تبلیغِ اسلام میں جو مشکلات و مصائب درپیش ہوا کرتی تھیں اور عُلمائے سلف جیسے جیسے ہوش رُبا اور حوصلہ شکن آفات و محن کا شکار ہوا کرتے تھے۔ آج ہمارے لئے اُن مشکلات و مصائب کا سواں حصہ بھی نہیں ہے۔ پھر بھی ہم پست ہمت ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوئے ہیں نہ کوئی تبلیغی مرکز قائم کرتے ہیں۔ نہ تصنیفات کر کے قوم کو صاف سُتھرا لٹریچر دیتے ہیں۔ نہ کوئی تنظیم کر کے اجتماعی حیثیت سے کوئی مذہبی تحریک چلاتے ہیں۔ الحاد و بے دینی کا سیلاب کمیونزم کی شکل میں اور بد مذہبیت کا طوفان مختلف تحریکوں کی صورت میں پُورے مُلک کو اپنی لپیٹ میں لئے جا رہا ہے اور عُلمائے اہلسنت خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انھیں کچھ فکر ہی نہیں کہ کتنا بھیانک انقلاب اژدہے کی طرح مُنھ پھاڑے ہوئے چلا آ رہا ہے۔ بار بار پکارنے اور فریاد کرنے کے باوجود کوئی "لبیک" کہنے والا تو کجا؟ کوئی پکار سُننے کو بھی تیار نہیں اور بالکل وہی حال ہو گیا ہے جو کسی عربی شاعر نے اپنے ایک قطعہ میں ارشاد فرمایا کہ، ؎

فَلَوْ نَادَیْتَ حَیًّا لَاسْتَجَابَا ۔۔۔ وَلٰکِنْ لَاحَیَاۃَ لِمَنْ تُنَادِیْ

وَلَوْ نَارًا نَفَخْتَ بِھَا اَضَاءَتْ ۔۔۔ وَلٰکِنْ اَنْتَ تَنْفُخُ فِی الرَّمَادِ

یعنی اگر تم کسی زندہ کو پکارتے تو وہ ضرور تمھاری پکار کا جواب دیتا لیکن تم تو اُس شخص کو پکار رہے ہو جس میں زندگی ہی نہیں۔ اگر تم آگ میں پھونک مارتے تو وہ ضرور روشن ہو جاتی۔ لیکن تم تو راکھ میں پھونک مار رہے ہو۔

خداوندِ کریم اپنا فضل و کرم فرمائے اور غیب سے دین و مذہب کی بقاء و ترقی کا سامان پیدا فرمائے۔ آمین

؎ اب خُدا ہی مری کشتی کو بچائے تو بچے ۔۔۔ ظلمتیں یاس کی ہیں شام ہے طوفانوں کی

علامہ فضل حق خیر آبادی کا عزم

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والدِ ماجد مولانا فضل امام صاحب

سے تمام علوم وفنون کی تحصیل کرکے سندِ حدیث مولانا شاہ عبد القادر صاحب دہلوی سے حاصل کی اور ۱۴ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوکر اپنے والدِ ماجد کے تلامذہ کو درس دینے لگے۔

علامہ موصوف اہلِ سنت کے مسلم الثبوت مایہ نازعالم تھے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے جب تقویۃ الایمان لکھ کر وہابیت کی اشاعت کی تو آپنے مولوی اسمٰعیل دہلوی سے مناظرہ فرمایا۔ اور آپکے تقریری وتحریری مناظروں سے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تمام گمراہیاں تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئیں اور وہابیت کے پرخچے اڑ گئے۔

آپ بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں ریذیڈنٹ کے محکمہ میں سر رشتہ دار رہے پھر نواب جھجر کے یہاں گئے۔ پھر نواب رامپور کے اتالیق کچھ عرصہ الور میں بھی قیام فرمایا۔ پھر نواب واجد علی شاہ کے عہد میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں غدر کا ہنگامہ رونما ہوا تو دہلی آئے اور بہادر شاہ سے ملے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ تحریر فرمایا۔ بہادر شاہ کو جب انگریزوں نے گرفتار کرکے رنگون بھیج دیا۔ تو آپ اپنے وطن خیر آباد میں روپوش ہو گئے۔ لیکن حاکم سیتاپور نے آپکے گرفتار کرکے لکھنؤ بھیج دیا۔ اور انگریزوں نے بغاوت کے جرم میں آپ پر مقدمہ چلایا۔ سرکاری وکیل کے سامنے حضرت علامہ خود ہی بحث کرتے تھے۔ اور سرکاری وکیل کو بار بار خاموش کر دیتے تھے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا۔ جج کے سامنے آپ کی موجودگی میں جب سرکاری گواہ پیش ہوا تو اُس نے آپ کو دیکھ کر یہ کہا کہ یہ وہ فضلِ حق نہیں ہیں جنھوں نے جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔ وہ دوسرے شخص ہیں۔ آپ فوراً بول اُٹھے کہ اس گواہ کی پہلی اطلاع بالکل صحیح ہے۔ اب یہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل غلط ہے۔ مجھ پر جو جرم عائد کیا گیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ میں وہی فضلِ حق ہوں جنھوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے اور آج بھی میں اپنے فتویٰ پر قائم ہوں۔ جج نے آپکے اس اقبالی بیان سے مجبور ہوکر حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا تجویز کی۔ جس کو آپ نے بخندہ پیشانی قبول فرمالیا۔ اور آپ جزیرہ "انڈمان" بھیج دئے گئے۔ اور وہیں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔[1]

تبصرہ سرکاری گواہ کے اس بیان کے بعد کہ یہ وہ فضلِ حق نہیں ہیں جنھوں نے انگریزوں کے خلاف

۱؎ علماحق ص ۵۶

جہاد کا فتویٰ دیا ہے"۔ حضرت علامہ کا باعزت بری ہو کر رہا ہو جانا بالکل یقینی تھا مگر حضرت علامہ کی غیرت ایمانی نے اس کو قبول نہیں کیا کہ میں اپنے فتویٰ سے رجوع کروں یا اپنے فتویٰ کو چھپاؤں۔ آپ نے قید و بند اور جلاوطنی کی ہوش ربا مصیبتوں کو بخندہ پیشانی قبول فرما لیا مگر حق اور ضمیر کی آواز کے خلاف بولنا تو درکنار خاموش رہنا بھی گوارا نہیں فرمایا۔ اس تاریخی دستاویز سے آپ کے عزم راسخ اور استقلال و استقامت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد حریت میں کتنے ثابت قدم تھے اور کتنے اولوالعزم اور مجاہدانہ جرأت کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔

مگر افسوس کہ مذہبی تعصب کی بنا پر دیوبندی پریس نے مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد شاہ رائے بریلوی وغیرہ کو تو بحیثیت مجاہد حریت خوب خوب اچھالا۔ مگر علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا کبھی بھول کر بھی تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ واقع یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی وغیرہ نے زندگی بھر کبھی انگریزوں سے جہاد تو بڑی چیز ہے کبھی انگریزی حکومت کے خلاف زبانی تنقید بھی نہیں کی۔ بلکہ مستند تواریخ اور تاریخی دستاویزوں سے یہ ثابت ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی پارٹی کو انگریز افسران رقم اور راشن دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ان لوگوں کی دعوتیں بھی کرتے تھے۔ چنانچہ عزیز محترم مولانا الاعز علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "خون کا آنسو" میں بہت اچھی طرح اس حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی پارٹی نے جو بالاکوٹ وغیرہ صوبہ سرحد کے علاقوں میں مسلمان امیروں اور سکھوں سے جنگ کی وہ انگریزوں کے اشارے پر کی اور اس کا مقصد انگریزی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

مگر ہٹلر کا وزیر نشریات "گوبلز" کہا کرتا تھا کہ بڑے سے بڑا جھوٹ کیوں نہ ہو لیکن اسے بار بار کہتے رہو تو چند دنوں میں وہ جھوٹ سچ ہو جائیگا۔ بالکل یہی معاملہ یہاں ہوا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کو جھوٹ موٹ انگریزوں کے مقابلے میں "مجاہد حریت" بنا کر اس جھوٹ کو دیوبندی پریس نے برسہا برس اس قدر اچھالا کہ آج واقعی لوگ مولوی اسمٰعیل دہلوی کو سچ مچ مجاہد حریت سمجھنے لگے۔ بلکہ "شہید جہاد حریت" کے خطاب سے یاد کئے جانے لگے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے جو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنے شعر میں تحریر فرمادیا ہے کہ،

وہ جسے وا بہ نے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلی نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

حق کی ہیبت

حضرت مولانا محمد نور صاحب لکھنوی (شاگرد ملک العلماء بحر العلوم) ایک روز کہیں تشریف لئے جا رہے تھے۔ سامنے سے بادشاہ اودھ وزیر علی بخش ہاتھی پر چلا آرہا تھا۔ اُس نے حضرت کو دیکھ کر اتنا ادب کیا کہ ہاتھی کو بٹھا کر زمین پر اُتر پڑا۔ اور قریب آکر سلام عرض کیا۔ لیکن چونکہ اُس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی اور وہ رافضی بھی تھا اس لئے آپ نے اس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ اُس نے سمجھا کہ شاید مجھے دیکھا نہیں۔ اس لئے دوسری طرف سے جاکر سلام کیا۔ آپنے اُدھر سے بھی مُنہ پھیر لیا۔ اُس نے تیسری مرتبہ پھر سلام کیا مگر آپنے جواب نہیں دیا تو وہ غصہ میں بھرا ہوا ہاتھی پر چڑھ کر یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں نے فرنگی محل کے مردوں کی داڑھیاں اور عورتوں کا سر نہ منڈوایا تو علی بخش نام نہیں۔ جب آپ مکان پر تشریف لے گئے تو ایک طالب علم نے علی بخش کا وہ فقرہ عرض کیا۔ آپ یہ سُن کر فوراً باہر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت مولانا سید آل رسول صاحب مارہروی اور حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہما آپ کے دونوں طالب علم حاضر تھے۔ عرض کیا کہ حضور کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپنے پوربی زبان میں فرمایا کہ کچھو نورا کی حماقتے تو ہے۔ علی بخش آیا تھا۔ سلام کیا تھا۔ جواب دے دیا ہوتا۔ اب وہ کسی کی داڑھی موتڑے ہے کسی کا موتڑ موتڑے ہے۔ نورا کی حماقتے تو ہے۔ یہ کہہ کر آپ سیدھے شاہی محل کو روانہ ہوگئے۔ حالانکہ اس سے پیشتر آپ کبھی بھی شاہی محل میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ پیچھے پیچھے آپکے یہ دونوں شاگرد بھی ہمراہ چلے۔ اُس دن نوروز کا دن تھا۔ اور شاہی محل میں جشن ہو رہا تھا۔ جب دربان نے آپکے آتے دیکھا تو گھبرا کر دوڑتا ہوا گیا اور بادشاہ کو آپ کی آمد کی خبر دی۔ بادشاہ سُن کر گھبرا گیا اور حکم دیا کہ گانے بجانے اور شراب وکباب کا سارا سامان فوراً ہٹا دیا جائے۔ اور خود دروازے تک استقبال کر کے حضرت کو

اندر لے گیا۔ اور انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو بٹھایا۔ بادشاہ کا وزیر علی بخش یہ منظر دیکھ کر کانپ اُٹھا کہ یہ ضرور میری شکایت کریں گے۔ اور خدا ہی جانے بادشاہ کیا کچھ کریگا۔ مگر حضرت وزیر کی شکایت کرنے تو گئے نہیں تھے۔ بلکہ وزیر کو اپنی عظمت دکھانے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ تاکہ وہ ایذا رسانی کے خیال سے باز رہے۔ آپ تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر بادشاہ نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت کیسے تشریف لائے؟ ارشاد فرمایا کہ "تیری زمین میں رہٹ یہی ہے۔ ہم نے کہا ذرا ہو آئیں" بادشاہ نے نوروز کی شیرینی پیش کی تو فرمایا کہ ہمارے دو بچے بھی باہر ہیں۔ چنانچہ ان دونوں حضرات کو بھی بُلا لیا گیا۔ تھوڑی دیر تشریف رکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ [1]

[1] حیات اعلیٰحضرت ج ا ص ۲۴۰

۶۸۶

عبادت

ڈھل جائیں زمین و آسمان مومن کے سجدے سے
خُدا کی بندگی یہ ہے "عبادت" اس کو کہتے ہیں

امام ابو حنیفہ کی شب بیداری

حضرت امام ابو حنیفہ تمام رات جاگتے تھے اور رات کی دو رکعتوں میں ہر رات پورا قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ اور مناجات میں اس قدر روتے تھے کہ ان کی گریہ زاری کو سن کر پڑوسیوں کو ان پر رحم آجاتا تھا۔ جیل خانہ کی جس کوٹھری میں وفات پائی۔ وہاں سات ہزار ختم قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔

مشہور محدث مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رات کو مسجد میں داخل ہوا تو کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز میرے کان میں آئی۔ اس قدر قرأت میں شیرینی اور دلکشی تھی کہ میں کھڑے ہو کر سنتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک منزل پوری ہوئی۔ تو میں نے یہ سمجھا کہ اب رکوع کرینگے مگر وہ برابر پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ایک رکعت میں ختم ہو گیا۔ جب میں نے ان کے قریب جا کر غور سے دیکھا تو امام ابو حنیفہ تھے۔

اسی طرح زائدہ محدث کا بیان ہے کہ ایک رات میں نے حضرت امام ابو حنیفہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ مجھے آپ سے تنہائی میں ایک مسئلہ دریافت کرنا تھا اس لئے میں انتظار میں بیٹھا رہا۔ جب سب نمازی مسجد سے چلے گئے۔ تو امام ابو حنیفہ نے یہ سمجھ کر کہ اب مسجد میں کوئی نہیں ہے آپ نے نماز نفل شروع کر دی اور اس میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔ جب فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ کی آیت پر پہنچے تو اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔

اسی طرح استاذ حدیث قاسم بن معین کہتے ہیں کہ ایک رات امام ابو حنیفہ نے نفل نماز میں بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ کی آیت کو بار بار پڑھتے اور روتے روتے صبح کر دی!

ایک برگزیدہ بزرگ یزید کمیت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز عشاء میں امام نے سورہ "اذا زلزلت" پڑھی حضرت امام ابو حنیفہ بھی جماعت میں شریک تھے۔ نماز ختم ہونے کے بعد میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ فکر میں غرق ہو کر بیٹھے ہیں۔ اور رو رہے ہیں۔ قندیل میں تیل بہت تھوڑا تھا۔ اس لئے میں چپکے سے قندیل روشن چھوڑ کر چلا آیا۔ پھر جب صبح صادق ہونے کے وقت میں مسجد میں پہنچا تو میں نے یہ دیکھا کہ امام ابو حنیفہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے کھڑے ہیں اور اسی طرح دعا مانگ رہے ہیں کہ اے ذرہ بھر نیکی کا اچھا بدلہ دینے

والے اور اُسے ذرہ بھر بدی کا بُرا بدلہ دینے والے! تو اپنے بندے نُعمان (ابوحنیفہ) کو جہنّم کی آگ اور اور اس کے لگ بھگ عذاب سے بچالے۔ اور اپنی رحمت کی فضا میں اسکو داخل فرمالے۔ میں نے فجر کی اذان دی۔ امام ابوحنیفہ نے مُجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے۔ خبردار کسی سے ذکر مت کرنا۔ یہ کہہ کر فجر کی سُنّت پڑھنے کیلئے کھڑے ہو گئے۔ میں نے تکبیر پڑھی تو جماعت میں شریک ہوئے۔ اور ہمارے ساتھ فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی[1]

تبصرہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عبادتوں کی چند جھلکیاں آپنے ملاحظہ فرمالی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت امام ممدوح کی عبادت کو آپ کی کرامت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ہم نے اپنی کتاب "اولیائے رجال الحدیث" میں مستند حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔

اَب ذرا حضرت امام ممدوح کے مشاغل پر غور فرمایئے اور پھر ان کی اس شب بیداری اور عبادت گذاری کو دیکھئے۔ دن میں آپ فقہ وحدیث کا درس بھی دیتے تھے۔ جس درس میں حضرت قاضی امام ابویُوسف امام محمد، امام زفر، امام مندل، داؤد طائی وغیرہ جیسے سیکڑوں علم وعمل کے پہاڑ، طالب علم بن کر آپ سے سبق پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ دن میں کچھ وقت نکال کر کپڑوں کی تجارت بھی فرماتے تھے۔ عوام کو مسائل وفتاویٰ بھی بتاتے تھے۔ بیوی اور بچوں کا بھی حق ادا فرماتے تھے۔ اتنے مشاغل کے باوجود مسلسل چالیس برس تک روزانہ رات میں نماز نفل کے اندر ایک ختم قرآن مجید پڑھ لینا اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کر لینا کیا یہ بغیر کسی عظیم روحانی طاقت کے کسی انسان کے بس کی بات ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خداوند کریم نے ان بزرگوں کو علم نبوت کی بے پناہ مجاہدانہ خدمات کی برکتوں سے ایسی روحانی قوتوں اور ملکوتی کرامتوں کا پہاڑ بنادیا تھا کہ تھکنا، نڈھال ہونا، سُست پڑجانا، کمزور ہوجانا، ان لفظوں کا ان کی کتاب زندگی کی لغات میں کہیں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ پھر مولیٰ عزّ وجل نے ان کے اوقات میں اتنی برکت عطا فرمادی تھی کہ گھنٹوں کا کام یہ بزرگان دین منٹوں میں کر لیا کرتے تھے۔ خدا گواہ ہے کہ ان بزرگوں کے واقعات اور ان کی مقدس زندگی کے حالات پر ایک نظر ڈالنے سے بلا اختیار اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہونا

[1] تبصرہ تاریخ بغداد ص ۳۶

پڑتا ہے کہ یقیناً یہ علماء صالحین، فقہاء و محدثین مرتبۂ ولایت و کرامت کی ایسی بلند ترین منزل پر فائز ہیں کہ دورِ حاضر کے علماء و مشائخ اس کی رفعت و بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتے! واللہ! ان علماء سلف کی مجاہدانہ عبادات و ریاضات، مجاہدانہ علمی خدمات، پرجوش تبلیغی کارناموں، زبان و قلم کے جہادوں کو دیکھ کر غیر شعوری طور پر ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان بزرگوں کا دینی جوش اور عشق حدِ جنوں کو پہنچا ہوا تھا۔ اس لئے میرا جذبات سے بھرا ہوا دل مجھے مجبور کرتا ہے کہ اب صبح و شام اس طرح دعا مانگا کروں

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر — شریکِ زمرۂ لَا یَحْزَنُوْن کر

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہیں — مرے مولا! مجھے صاحبِ جنوں کر

بشر بن مفضل کی عبادت

بشر بن مفضل کی جلالتِ شان کے لئے یہی بہت کافی ہے کہ یہ حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہ ہزاروں باکمال محدثین کے اُستاد ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ روزانہ بلاناغہ چار سو رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے اور ساری زندگی "صوم داؤدی" یعنی ایک دن روزہ ایک دن افطار کے پابند رہے۔ ۱۸۷ھ میں وصال فرمایا۔[1]

ابن الحدّاد کی تلاوت اور روزہ

علامہ ابن حداد مصری شافعی کے بارے میں ابن زولاق کا بیان ہے کہ یہ علم حدیث، علم رجال، علم مناظرہ، علم نحو، علم لغت، علم تاریخ، اشعار عرب وغیرہ علوم کثیرہ کے ماہر تھے۔ قاضی کے عہدہ پر فائز تھے اور بڑی شاندار زندگی بسر کرتے تھے۔ اچھی سے اچھی سواریوں کے شوقین اور نہایت ہی خوش پوشاک تھے۔ مگر کسی نے زندگی بھر ان کے کسی قول یا فعل پر طعنہ زنی نہیں کی۔ بلکہ ان کے اونچے کردار اور معاملات کی صفائی پر بچہ بچہ ہمیشہ مداح رہا۔ بہت بڑے نمازی اور نہایت ہی عابد و زاہد تھے۔ اپنے گوناگوں مشاغل کے باوجود روزانہ بلاناغہ ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے۔ اور ایک دن روزہ ایک دن افطار کا معمول رکھتے تھے۔ حج سے لوٹتے ہی ۳۴۴ھ میں اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۸۵ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۰۸

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا طالبِ علم

استاذِ حدیث امام فراوی کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں یہ بشارت دی ہے کہ تم جاکر امام فراوی سے میرا یہ پیغام کہدو۔ کہ تمہارے پاس ایک گندمی رنگ کا طالبِ علم (ابنِ عساکر) میری حدیثوں کی طلب میں آیا ہے۔ لہٰذا تم اس سے کبھی اکتا نامت۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق جب ابنِ عساکر امام فراوی کی درسگاہ میں آئے۔ تو امام فراوی ان کی تعلیم میں اسقدر توجہ فرماتے تھے کہ جب تک ابنِ عساکر خود نہیں اٹھ جاتے تھے۔ امام فراوی درس سے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ ابنِ عساکر مختلف شہروں میں جاکر ایک ہزار تین سو شیوخ سے حدیثیں سن کر بہت ہی نامور اور بے مثال محدث ہو گئے۔ اور بڑی بڑی ضخیم اور مفید کتابوں کے مصنف ہوئے۔

ابنِ عساکر درسِ حدیث اور تصنیفات کے مشاغل کے باوجود ذوقِ عبادت اور کثرتِ نوافل میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ جماعت اور تلاوت انتہائی پابند تھے۔ ہر رات ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے اور رمضان شریف میں روزانہ دو ختم، ایک ختم دن میں اور ایک ختم رات میں پڑھا کرتے تھے۔ اور ہر سال رمضان شریف میں مسجد اقصیٰ کے منارہ شرقیہ میں اعتکاف کرتے تھے۔ اور ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ ملک شام کے رہنے والے تھے۔ ۵۷۱ھ میں یہ علم و عمل کا آفتاب ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔[1]

ایک سال حج ایک سال جہاد

علم نحو پڑھنے والے طالب علم خلیل بن احمد نحوی کو بحیثیت علم نحو کا امام ہونے کے جانتے ہیں۔ مگر یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ان کی علمی جلالت اور عالمانہ شہرت و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ ان کی ملاقات کے لئے ان کے در پر حاضری دیتے تھے۔ اور لاکھوں درہم کا نذرانہ پیش کرتے تھے مگر یہ استغنار اور غنار نفس کا سلطان ہمیشہ بادشاہوں کے نذرانے کو ٹھکراتا رہا اور اپنی خشک روٹی اور

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۲۳

ٹوٹی چٹائی پر قناعت کر کے علوم و فنون کی خدمت اور خدا کی عبادت میں مشغول رہا۔ زندگی بھر یہ معمول رہا کہ ایک سال حج کے لئے جاتے اور ایک سال اسلامی لشکروں کے ساتھ کفار سے جہاد کیلئے جاتے۔[1]

تبصرہ غور فرمایئے ملکہ ان علمائے ربانیین کی عبادتوں کی کثرت کو کرامت کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ اللہ اکبر! علمائے سلف کی اِن عبادتوں کو دیکھ کر اور اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں پر نظر کر کے خدا کی قسم اپنا تو یہ حال ہوتا ہے کہ جب لوگ ہم کو عالم دین یا نائب رسول کہہ کر پکارتے اور یاد کرتے ہیں تو مارے شرم کے سر جھک جاتا ہے کہ بھلا ہم لوگ اس قابل ہیں کہ لوگ ہمیں عالم کہیں۔

خداوند کریم اُن قدسی صفت بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ اور ان کے طفیل میں ہماری بھی مغفرت فرمائے۔ ؎

شنیدم کہ در روز اُمید و بیم ۔۔۔ بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

امام زین العابدین اور اصمعی

فن لغت اور ادب کے امام جناب اصمعی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں کعبہ مکرمہ کا طواف کر رہا تھا تو میں نے یہ دیکھا کہ ایک بہت ہی حسین و جمیل جوان کعبہ مکرمہ کے پردوں سے چمٹا ہوا بہت ہی دردناک آواز سے رو رو کر دعائیں مانگ رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ الٰہی! تمام آنکھیں سو رہی ہیں اور ستارے غروب ہو چکے ہیں۔ لیکن اے میرے پروردگار! تو حیّ و قیّوم ہے۔ تو نیند اور غنودگی سے پاک ہے۔ اے میرے مولیٰ! تمام بادشاہوں نے اپنے دروازوں کو بند کر لیا ہے اور اپنے دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا ہے۔ لیکن تیرا دروازہ ہر سائل کے لئے ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اے میرے مولیٰ! میں گنہگار ہوں۔ میں فقیر ہوں۔ میں مسکین ہوں۔ میں قیدی ہوں۔ میں تیرے دروازے پر تیری رحمت کا امیدوار بن کر کھڑا ہوں۔ پھر وہ جوان رو رو کر انتہائی رقت انگیز لہجے میں یہ اشعار پڑھنے لگا کہ ؎

اَدْعُوْكَ رَبِّیْ وَمَوْلَائِیْ وَمُسْتَنَدِیْ ۔۔۔ فَارْحَمْ بُكَائِیْ بِحَقِّ الْبَیْتِ ذِی الْحَرَمِ

اَنْتَ الْغَفُوْرُ فَجُدْ لِیْ مِنْكَ مَغْفِرَةً ۔۔۔ اَوِاعْفُ عَنِّیْ یَا ذَا الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ

[1] مستطرف ج ۱ ص ۱۳۸

اِنْ کَانَ عَفْوُكَ لَا یَرْجُوْہُ ذُوْ جُرُمٍ فَمَنْ یَجُوْدُ عَلَی الْعَاصِیْنَ بِالْکَرَمِ

ترجمہ: یعنی اے میرے رب، اے میرے مولا، اے مجھے ٹھکانہ دینے والے! میں تجھ سے دُعا مانگتا ہوں تو میری گریہ وزاری پر رحم فرما۔ میں تجھے بیت اللہ اور حرم کا واسطہ دیتا ہوں۔ تو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ تو میرے لئے اپنی طرف سے مغفرت کی سخاوت فرمادے۔ یا مجھے معاف فرمادے۔ اے بخشش و کرم والے۔ اگر مُجرم تجھ سے معافی کی اُمید نہ رکھے تو پھر کون ہے جو گناہگاروں پر کرم کے ساتھ بخشش فرمائے گا۔

یہ اشعار پڑھنے کے بعد پھر اُس جوان نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور یہ کہنے لگا کہ اے میرے مولا! اگر میں نے تیری اطاعت کی ہے تو یہ تیرا مجھ پر احسانِ عظیم ہے۔ اور اگر میں نے تیری نافرمانی کی ہے تو یہ میری جہالت ہے۔ یا اللہ! تو مجھ پر رحم فرما اور تو مجھ کو میرے جدِ کریم اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور اپنے محبوب اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم نہ فرمانا۔ پھر اُس جوان نے یہ مناجات شروع کر دی

اَلَا اَیُّهَا الْمَاْمُوْلُ فِیْ کُلِّ شِدَّةٍ اِلَیْكَ شَكَوْتُ الضُّرَّ فَارْحَمْ شِكَایَتِیْ

اَلَا یَا رَجَائِیْ اَنْتَ كَاشِفُ كُرْبَتِیْ فَهَبْ لِیْ ذُنُوْبِیْ كُلَّهَا وَاقْضِ حَاجَتِیْ

اَتَیْتُ بِاَعْمَالٍ قِبَاحٍ رَدِیَّةٍ وَمَا فِی الْوَرٰی خَلْقٌ جَنٰی كَجِنَایَتِیْ

ترجمہ: اے وہ ذات! کہ ہر مصیبت میں تجھی سے اُمیدواری کی جاتی ہے۔ میں تیرے ہی دربار میں اپنی تکلیف پیش کرتا ہوں۔ لہٰذا تو میری التجا پر رحم فرما۔ تو ہی میری اُمید ہے۔ تو ہی میری بیقراری کو دور فرمانے والا ہے۔ لہٰذا تو میرے سب گناہوں کو بخش دے۔ اور میری حاجت کو پوری فرمادے میں بہت ہی خراب اور ردّی قسم کے اعمال لے کر آیا ہوں۔ اور تمام مخلوق میں مجھ سے بڑا جرم کسی نے نہیں کیا ہے۔

وہ جوان ان مذکورہ بالا اشعار کو پڑھتے پڑھتے ایک دم بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ میں دوڑ کر اُس جوان کے قریب پہنچا تو یہ دیکھا کہ وہ حضرت امام زین العابدین ہیں۔ میں نے فوراً اُن کا سرِ مُبارک اپنی گود میں رکھ لیا۔ اور مجھ پر ایسی رقت طاری ہو گئی کہ میں زار زار رونے لگا یہاں

تک کہ میرے آنسوؤں کی دھار اُن کے مُقدّس رُخسار پر گرنے لگی۔ تو وہ ہوش میں آ گئے اور آنکھیں کھول کر فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ جس نے میرے مولا کی یاد میں خلل ڈالا۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا! میں آپ کا غُلام اصمعی ہوں۔ حضور والا! آپ اس قدر کیوں گریہ وزاری فرما رہے ہیں؟ آپ تو اہلِ بیتِ نبوت میں سے ہیں۔ اور خداوندِ عالم نے آپ لوگوں کیلئے قرآن مجید میں یہ بشارت عطا فرمائی ہے کہ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیت! تم سے ہر پلیدی کو دُور رکھے۔ اور تمھیں خُوب پاک اور سُتھرا بنا دے۔ میری یہ گفتگو سُن کر امام زین العابدین سیدھے بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ اے اصمعی! کیا تمھیں خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت ہر اُس شخص کیلئے بنائی ہے جو اس کی اطاعت کرے۔ خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور جہنّم ہر اُس شخص کیلئے بنائی ہے جو اُسکی نافرمانی کرے۔ خواہ وہ قریشی بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیا تم نے اُس حاکم عادل کا یہ فرمان نہیں دیکھا ہے کہ، فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوۡنَ ۔ یعنی جس دن صور پھونکا جائیگا تو نہ کوئی رشتے ان میں رہیں گے نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔ [1]

تبصرہ! اس نورانی حکایت کو بار بار پڑھئے اور عبرت حاصل کیجئے کہ اہل بیت نبوت کے چشم و چراغ جانشین خاندانِ آلِ عبا، نورِ چشم شہید کربلا حضرت علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ کی عبادت و ریاضت کا کیا عالم تھا؟ اور اُن کے خوف و خشیت ربانی کا رتبہ کتنی منزل بلند پر فائز تھا؟ بلاشبہہ آپ علمِ نبوت کے وارث اور رُشد و ہدایت کے نشانِ اعظم تھے۔ آپ کی خاندانی عظمت و وجاہت کی بلندی پر آسمانوں کی سربلندی بھی قربان، اور آپ کے علمی و عملی کمالات اور عُلُوِّ مراتب پر ثریا کی رفعت بھی نثار، آپ یقیناً سید السادات اور وارثِ کمالاتِ مولائے کائنات ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ کے عجز و انکسار کا یہ عالم ہے کہ اصمعی جیسا جلیل القدر اور فنِ لُغت و ادب کا امام جب قرآن پڑھ کر ان کے مراتب عُلیا اُن کو یاد دلاتا ہے تو آپ اس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ قیامت کے دن نہ کوئی رشتہ ہوگا نہ کوئی کسی کا پُرسانِ حال ہوگا۔ اللہ اکبر! امام ممدوح کا سینہ خوف و خشیتِ

---

[1] روح البیان ج ۶ ص ۱۰۷

ربانی کا ایسا نورانی سفینہ تھا کہ جس میں تفاخر بالانساب اور خاندانی بڑائی کا کبھی گذر ہی نہیں ہو سکتا تھا آپ عجز و انکسار کا ایسا بے مثال مرقع اور تواضع و خاکساری کے ایسے بے مثل پیکر تھے کہ آپ کو دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔

آپ کے اس طرزِ عمل میں آج کل کے سادات کرام کیلئے بہت بڑا درس عبرت ہے جو اپنی سیادت اور خاندانی شرافت پر ہر دم فخر کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ اسی گھمنڈ و غرور میں علوم و اعمال صالحہ سے بھی اپنے کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔ کاش یہ لوگ حضرت امام زین العابدین کی مقدس زندگی سے سبق حاصل کرتے اور پیکر تواضع و انکسار بن کر خضوع و خشوع کے ساتھ اپنے ربِّ کریم کی عبادت کرتے اور اپنے علوم و اعمال صالحہ کی بدولت اُمت رسول کے لئے ذریعہ ہدایت بنتے۔ مگر افسوس کہ آجکل کے بعض مدعیانِ سیادت کا تو یہ حال ہے کہ نہ علم نہ عمل بس خانقاہ میں لے دے کر اُن کی کل کائنات یہی ہے

لبوں پہ ہے پدرم پادشاہ بود کا شور
تفاخرِ من و تو کے سوا کچھ اور نہیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی عبادت و ریاضت اور خوفِ الٰہی سے اُن کی گریہ و زاری کا ایک منظر تو آپنے دیکھ لیا۔ اب ذرا یہ بھی سُن لیجئے کہ سفر اور حضر میں کبھی آپ کی نماز تہجد قضا نہیں ہوئی اور روزانہ بلا ناغہ ایک ہزار رکعت نمازِ نفل پڑھا کرتے تھے۔ اور اپنی زندگی میں دو مرتبہ اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خیرات کیا۔ اور آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ بہت سے غُربا اہل مدینہ کے گھروں میں ایسے پوشیدہ طریقوں سے رقم بھیجا کرتے تھے کہ ان غُربا کو خبر ہی نہیں ہوتی تھی کہ یہ رقم کہاں سے آتی ہے؟ مگر جب آپ کا وصال ہو گیا تو غریبوں کو پتہ چلا کہ یہ حضرت امام زین العابدین کی سخاوت تھی۔ آپکے تہجد اور نوافل کی کثرت اور راتوں کو آپ کی آہ و زاری اور گریہ و بیقراری ہی کی وجہ سے تمام اُمت نے آپ کو "زین العابدین" کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا۔ اور بلا شبہ آپ اس عظیم الشان لقب کے اہل و مستحق ہیں۔ اللہ اکبر! سچ ہے ؎

عطّار ہو رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

میں نے بغداد کیوں چھوڑا؟

حافظ ابو العباس سراج خراسانی بڑی شان کے محدث تھے۔ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی والہانہ محبت تھی۔ چنانچہ بارہ ہزار ختم قرآن مجید پڑھ کر انھوں نے بارگاہِ رسالت میں ایصالِ ثواب کیا۔ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے نام سے بارہ ہزار قربانیاں کیں۔ انھوں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ کہ آسمان میں ایک سیڑھی لگی ہے اور میں ۹۹ سیڑھیوں پر چڑھ گیا تھا۔ تمام معبرین نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمھاری عمر ۹۹ برس کی ہوگی۔ چنانچہ واقعی انھوں نے ۹۹ برس کی عمر پائی۔

ابوالولید حسان فقیہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بغداد کی سکونت کیوں چھوڑ دی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میرے بھائی بغداد میں پچاس برس تک رہے مگر جب اُن کا انتقال ہوا اور جنازہ نکلا۔ تو محلے میں کسی نے پوچھا کہ یہ کس کی میت ہے؟ تو ایک شخص نے کہا کہ ایک پردیسی مرگیا ہے۔ یہ سن کر میں نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھا۔ کہ افسوس۔ پچاس برس بغداد کی سکونت اور علم و تجارت میں شہرت کے باوجود یہ کہا جارہا ہے کہ "ایک پردیسی مرگیا ہے" یہ جملہ سن کر مجھے بغداد والوں سے ایسی نفرت پیدا ہوگئی کہ میں نے ہمیشہ کے لئے بغداد کو خیرباد کہہ کر سکونت ترک کر دی۔ ربیع الآخر ۳۱۳ھ میں آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔[1]

ابونواس کی مغفرت

محمد بن نافع فرماتے ہیں کہ میں نیند اور بیداری کے درمیان غنودگی کے عالم میں تھا۔ کہ میں نے ابونواس شاعر کو اُس کی موت کے بعد دیکھا۔ جو بہت ہی بدعمل اور نہایت ہی بدکردار شاعر تھا۔ میں نے ابونواس سے دریافت کیا کہ تمھارا کیا انجام ہوا؟ تو اُس نے جواب دیا کہ میرے پاس اور تو کوئی نیک اعمال کا ذخیرہ تھا ہی نہیں۔ لیکن میرے چار اشعار جو تمہارے تکیہ کے نیچے ہیں۔ یہی میری مغفرت کا سامان بن گئے۔ اور الرحم الراحمین نے اپنی رحمت سے مجھے بخش دیا۔ محمد بن صالح کا بیان ہے کہ میں نے خواب

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۲۷۰

سے بیدار ہو کر جلدی جلدی اپنا تکیہ اُٹھایا تو اُس کے نیچے ایک پرچہ پر یہ چار شعر لکھے ہوئے تھے ۔

(۱) يَا رَبِّ اِنْ عَظُمَتْ ذُنُوْبِيْ كَثِيْرَةً
فَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ عَفْوَكَ اَعْظَمُ

(۲) اِنْ كَانَ لَا يَرْجُوْكَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَبِمَنْ يَلُوْذُ وَ يَسْتَجِيْرُ الْمُجْرِمُ

(۳) اَدْعُوْكَ رَبِّ كَمَا اَمَرْتَ تَضَرُّعًا
فَاِذَا رَدَدْتَ يَدِيْ فَمَنْ ذَا يَرْحَمُ

(۴) مَالِيْ اِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ اِلَّا الرَّجَاءُ
وَجَمِيْلُ عَفْوِكَ ثُمَّ اَنِّيْ مُسْلِمُ

ترجمہ: (۱) اے میرے پروردگار اگرچہ کثرت کے لحاظ سے میرے گناہ بہت ہی بڑے اور زیادہ ہیں لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے کہ تیرا عفو و کرم میرے گناہوں سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔

(۲) اگر صرف نیکوکار ہی تجھ سے اُمیدوار ہو تو پھر خطاکار کس کی پناہ ڈھونڈے اور کس کی بارگاہِ امن میں اپنا ٹھکانہ طلب کرے۔

(۳) اے میرے رب! میں تیرے حُکم کے مطابق تجھ سے گڑگڑا کر دُعا مانگتا ہوں۔ اب اگر تو ہی میرے دستِ سوال کو ٹھکرا دے گا۔ تو پھر کون ہے جو مجھ پر رحم فرمائے گا۔

(۴) تیرے دربار میں میرا بجز اس کے کوئی وسیلہ نہیں کہ مجھے تجھ سے اُمیدواری اور تیرا عفو و کرم بہت ہی اچھا ہے۔ پھر اس کے بعد اتنا وسیلہ اور ہے کہ میں مُسلمان ہوں [۱]

تبصرہ اس میں شک نہیں کہ ابونواس شاعر بہت ہی بدعمل تھا۔ اور لوگ اُسکو اُسکی بداعمالیوں کیوجہ بہت ہی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ مگر غور فرمایئے کہ محض چار اشعار خُداوندِ غفّارُ ستّار کے دربار میں مقبول ہو گئے۔ تو یہی اُس کی مغفرت کا ذریعہ بن گئے۔ اور ارحم الرّاحمین نے اُس کو اپنی مغفرت سے سرفراز فرمادیا۔

[۱] شرح الصدور ص ۱۲۲

حقیقت یہ ہے کہ مغفرت کا دارو مدار خداوند قدوس کے دربار میں اعمال کی مقبولیت اور اس کے فضل و کرم پر ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

رحمتِ حق بہانہ می جوید　　رحمتِ حق بہا، نمی جوید

یعنی خدا کی رحمت مغفرت کیلئے بہانہ ڈھونڈھتی ہے۔ خدا کی رحمت مغفرت کی قیمت نہیں طلب کرتی ہے۔ بعض اعمال دیکھنے میں بہت حقیر اور معمولی نظر آتے ہیں مگر بندہ جب للّٰہیت اور خلوص نیت کے ساتھ اس پر عمل کرتا ہے اور خداوند کریم کو وہ عمل پسند ہو جاتا ہے اور وہ اپنے فضل و کرم سے اس عمل کو قبول بھی فرما لیتا ہے تو وہ حقیر اور چھوٹا سا عمل ہی اس بندے کیلئے ذریعہ نجات و باعثِ مغفرت بن جاتا ہے۔ احادیثِ کریمہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہوا کہ ایک آدمی نے راستہ چلتے ہوئے یہ دیکھا کہ ایک خاردار درخت کی ٹہنی راستہ پر پڑی ہوئی ہے اس نے اس خیال سے کہ کسی مومن کو کانٹا نہ چبھ جائے۔ اس خاردار ٹہنی کو راستہ سے ہٹا دیا۔ اس کا اتنا ہی عملِ خیر خداوند کریم کو پسند ہو گیا اور مولیٰ کریم نے اس بندے کی مغفرت فرما دی۔[1]

بہر حال مومن کو چاہیئے کہ کسی نیک عمل کو حقیر سمجھ کر ترک نہ کرے بلکہ ہر عمل خیر کو کرتا ہی رہے، نہ معلوم بندے کو کون سا عمل ارحم الراحمین کو پسند آجائے اور مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔ بقول

اللّٰہ کی دین ہے جسے دے　　میراث نہیں ہے بلند نامی

روتے روتے نابینا ہو گئے

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے ایک بہت جلیل القدر شاگرد "یزید بن ہارون واسطی" ہیں۔ ان کے بارے میں "علی بن مدینی" فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یزید بن ہارون سے بڑھ کر کسی کو حدیثوں کا حافظ نہیں دیکھا۔ یزید بن ہارون اپنی علمی جلالت کے ساتھ ساتھ ذوقِ عبادت میں بھی اپنے دور کے عدیم المثال ہی تھے۔ ان کی آنکھیں بڑی خوبصورت تھیں۔ مگر خوفِ خداوندی سے دن رات اس قدر رویا کرتے تھے کہ مستقل طور پر ان کی آنکھوں میں آشوبِ چشم کی شکایت رہنے لگی۔ یہاں تک کہ آنکھوں

[1] بخاری ج ۱ ص ۹۰

کی خوبصورتی اور روشنی دونوں جاتی رہی۔ انکی عبادت کی کثرت کے بارے میں علی بن عاصم محدث کا بیان ہے کہ یہ پوری رات ہمیشہ جاگتے اور نوافل پڑھتے رہتے تھے۔ اور اپنے اُستاد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرح تقریباً چالیس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے۔ ایک مدت تک بغداد میں حدیث کا درس دیتے رہے۔ پھر آخری عمر میں اپنے وطن واسط چلے گئے۔ اور ۲۰۶ھ یا ۲۱۶ھ میں وصال فرمایا۔ [1]

تبصرہ فقہاء و محدثین ہوں یا صوفیہ و عابدین تمام خاصانِ خُدا کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ خوفِ الٰہی سے بکثرت رویا کرتے تھے۔ راتوں کو جاگ کر خُدا کی عبادت کرنا۔ اور خوفِ خداوندی سے تنہائی میں گڑ گڑا کر رونا۔ اسکی فضیلت کوئی حضور سید المرسلین امام النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے۔ کہ حضور اقدس علیہ الصلٰوۃ والسّلام ساری ساری راتیں نفل نمازوں میں کھڑے رہتے۔ یہاں تک کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا۔ اور خوف و خشیتِ ربانی سے بار بار رویا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیاً فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ یعنی جو شخص تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اُسکو اپنے عرش کے سایۂ رحمت کے نیچے سایہ عطا فرمائے گا۔ جس دن کہ اُس کی رحمت کے سایہ کے سوا دوسرا کہیں کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ خوف خداوندی سے رونے والے کا ایک قطرۂ آنسو دیکھنے میں تو وہ آنسو کا ایک قطرہ ہے۔ مگر درحقیقت وہ رحمتِ الٰہی کا ایک سمندر ہے جو گناہوں کے لاکھوں دفتر کو دھونے کے لئے کافی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو خُدا کے ڈر سے بار بار اور زار و قطار روتے رہتے ہیں۔ کاش! خداوند کریم ہم گنہگاروں کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اللہ اللہ! یزید بن ہارون واسطی کتنے بڑے قسمت کے سکندر تھے۔ کہ انھوں نے خوفِ خداوندی سے روتے روتے اپنی آنکھوں کی خوبصورتی اور روشنی کو قربان کر دیا۔ تو خداوند عالم نے اُن کو نورِ بصیرت عطا فرما دیا۔ کہ اپنی معرفت کی دولت سے انھیں مالا مال فرما دیا اور عرش سے فرش تک ساری کائناتِ عالم کو اُن کے پیش نظر کر دیا۔ کیا خوب فرمایا حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اپنی مثنوی شریف

[1] تذکرۃ الحفاظ وغیرہ

لوح محفوظ است پیش اولیا   از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی لوح محفوظ اولیا اللہ کے سامنے ہوتا ہے۔ جس میں لکھے ہوئے علوم و معارف ہر قسم کی خطا سے محفوظ ہیں۔ سبحان اللہ! لوح محفوظ جس میں ہر چھوٹی بڑی بات اور ماضی و حال و مستقبل کے سارے حالات من جانب اللہ تحریر ہیں۔ وہ جن کی نگاہوں کے پیش نظر ہوں۔ بھلا اُن کے علوم و معارف کا کیا عالم ہوگا؟ اور پھر اُن کے تصرفات و کرامات کی بادشاہی اور شہنشاہی کی کیا شان ہوگی؟ کیوں نہ ہو کہ ؎

ولایت، پادشاہی، علم اشیار کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

نمازی پر بھڑوں کا چھتہ

قاضی امام ابو یوسف و امام محمد (شاگردان ابو حنیفہ) کے ایک مایۂ ناز و قابل فخر شاگرد رشید مُعلّٰی بن منصور رازی بہت ہی صداقت شعار اور پرہیزگار بزرگ اور اعلیٰ درجہ کے نمازی تھے۔ نمازوں میں ان کے خضوع و خشوع اور توجہ الی اللہ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ عین نماز کی حالت میں ان کے سر پر بھڑوں کا چھتہ گر پڑا۔ غضب ناک بھڑوں نے ان کو ڈنک مارنا شروع کر دیا۔ مگر یہ انتہائی استغراق کے عالم میں بدستور نماز میں مشغول رہے آخر اسی حالت میں نماز ختم کی۔ جب یہ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے دیکھا کہ بھڑوں ڈنک سے ان کے تمام سر میں ورم آگیا ہے۔ اصلی وطن رے تھا۔ مگر یہ بغداد آئے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اور ۲۱۱ھ میں بغداد ہی کے اندر وفات پا کر مدفون ہوئے۔[1]

نماز میں پیشانی پر بھڑ

احمد بن اسحاق محدث کا بیان ہے کہ میں نے حافظ الحدیث محمد بن نصر مروزی فقیہ سے زیادہ اچھی نماز پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ حالت نماز میں ان کی پیشانی پر ایک بھڑ بیٹھ گئی

[1] تہذیب التہذیب

اور اس نے اسقدر ڈنک مارا کہ ان کی پیشانی پر خون بہہ نکلا مگر کیا مجال کہ ان کے خضوع وخشوع میں بال برابر فرق پیدا ہو۔ اس حالت میں بھی پورے سکون و اطمینان کے ساتھ نماز میں مشغول رہے اور ذرا بھی حرکت نہیں کی۔ ۲۹۷ھ میں وصال فرمایا[1]

تبصرہ ان دونوں واقعات کو پڑھ کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرطِ حیرت سے سر دُھننے کو جی چاہتا ہے کہ واللہ ان عُلمارِ سلف کی نمازوں میں استغراق اور حضوری کی کیفیت کا وہ عالم تھا کہ آج کل کے ہمارے مولویوں کو اس کا تصور بھی دشوار ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نماز تو درحقیقت ان ہی بزرگوں کی نماز تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقدس ارشاد کے مطابق تھی کہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ[2] یعنی تم اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اپنے رب کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم کو اس حد تک حضوری نہ ہو تو کم سے کم اتنا ہی دھیان رکھو کہ وہ رب تمھیں دیکھ رہا ہے!

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ واقعی وہی نماز سچ مچ نماز کہلانے کی مستحق ہے جس میں نمازی کی کمال خضوع و خشوع سے یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ بھڑ کا ڈنک تو کیا چیز ہے؟ تلوار کی مار کا بھی احساس نہ ہو کسی شاعر نے اسی حقیقت کو آشکارا کرتے ہوئے خوب فرمایا ہے کہ ؎

نماز وہ ہے جو سینوں میں بجلیاں بھر دے ۔۔۔ نہ وہ کہ صرف رکوع وقیام بن کے رہی

مگر آج کل کے ہم مولویوں کی وہ نماز کہ "سر سجدے میں دل دغابازی میں" اس کے لئے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ،

وہ سجدہ تو سجدہ ہوا ہی نہیں ۔۔۔ کہ سر جُھک گیا دل جھکا ہی نہیں

خالق کائنات ہم پر اپنا فضل وکرم فرمائے اور ہماری پیشانیوں میں سجدوں کی ایسی لذت بخش دے کہ بوقت نماز ہمارے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں حضور مع اللہ کی تجلیوں سے ایسی بجلیاں پیدا ہو جائیں کہ ہمیں نماز کا سرور جاوداں حاصل ہو جائے۔ اور بدن کی بوٹی بوٹی بلکہ بدن کا بال بال خُدا کے جاہ جلال کے نورانی تصور سے پُرنور بلکہ نورٌ علیٰ نور ہو جائے۔ ورنہ ہماری ان نمازوں کو دیکھ

[1] تہذیب التہذیب

مگر تو کسی حق گو شاعر نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہے جو آفتابِ نصف النہار کی طرح عالم آشکار ہے کہ ؎

نہیں ہے جوشِ بلالی و حیدری تجھ میں — ستم ہے اپنی نمازوں پہ گر تو ناز کرے
خودی کو چھوڑ کے محوِ نماز یوں ہو جا — کہ خود نماز بھی تیری ادا پہ ناز کرے

نمازی یا ستون؟

مشہور محدث منصور بن معتمر کوفی کی علمی عظمت کا یہ عالم ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل و عبد الرحمن بن مہدی و علی مدینی وغیرہ حدیثوں کے پہاڑوں نے یہ شہادت دی کہ اپنے دور میں کوفہ کے سب سے ثقہ اور اعلیٰ محدث "منصور بن معتمر" ہیں۔ ان کی نماز کے بارے میں حضرت سفیان ثوری کا یہ قول ہے کہ اگر تم منصور بن معتمر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو یہ سمجھتے کہ بس ابھی ان کا انتقال ہو جائیگا۔ داڑھی سینے سے لگی ہوئی انتہائی استغراق کے عالم میں رات بھر نماز میں مشغول رہتے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب منصور بن معتمر کا انتقال ہو گیا تو اُن کے پڑوسی کی ایک چھوٹی لڑکی نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا جان! ہمارے پڑوسی کی چھت پر جو ایک ستون تھا وہ کب گر گیا؟ بچی کے اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ منصور بن معتمر دن میں کبھی چھت پر نہیں چڑھتے تھے۔ صرف رات میں چھت پر کھڑے ہو کر ساری رات نماز پڑھا کرتے تھے۔ تو وہ بچی جو رات کو اپنی چھت پر سوتی تھی۔ تو یہ سمجھتی تھی کہ یہ کوئی ستون ہے۔ آپ رات بھر جاگتے تھے مگر اپنی شب بیداری کو چھپانے کیلئے صبح کو آنکھوں میں سُرمہ لگا کر اور چہرے پر تیل کی مالش کر کے اس شان سے درسگاہ میں بیٹھا کرتے تھے کہ گویا پوری رات آرام سے سوتے رہے ہیں۔ نماز کے علاوہ آپ کی باکرامت عبادت کا ایک منظر یہ بھی ہے کہ آپ ساٹھ برس تک روزانہ ہمیشہ روزہ دار ہی رہے۔ اور ہر رات تہجد گزاری اور گریہ و زاری میں گزاری[1]

تبصرہ

اللہ اکبر! ان نمازیوں اور انکی نمازوں کی عظمتِ شان کا کیا کہنا؟ ؎

وہ سجدہ رُوحِ زمین جس سے کانپ اُٹھتی تھی — ترستے ہیں اسی سجدے کو منبر و محراب

[1] طبقات شعرانی

درود شریف کا وظیفہ

حضرت سُفیان ثوری محدث رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے طواف کعبہ کے دوران ایک شخص کو دیکھا کہ وہ درود شریف کے سوا کوئی بھی دعا نہیں پڑھتا تھا اور وہ ہر قدم پر ایک بار درود شریف پڑھ کر دوسرا قدم اُٹھاتا تھا۔ آخر مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ تو میں نے اُس سے دریافت کیا کہ تم تسبیح، تہلیل، تکبیر، سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ صرف درود شریف ہی کیوں پڑھتے رہتے ہو؟ میرا یہ سوال سُن کر وہ چونکا کہ تم کون ہو؟ جب میں نے اس کو بتایا کہ میں سفیان ثوری محدث ہوں۔ تو وہ شخص بالکل باادب ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ اپنے وقت کے ایک عظیم الشان محدث اعظم نہ ہوتے تو میں اپنا یہ راز ہرگز ہرگز آپ پر ظاہر نہ کرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد کے ہمراہ حج کے لئے چلا۔ اچانک ایک منزل پر میرا باپ بیمار ہو کر وفات پا گیا۔ اور ایک دم اس کا چہرہ بالکل سیاہ آنکھیں نیلی اور شکم بھری مشک کی طرح پھول گیا۔ میں اپنے باپ کی یہ بگڑی ہوئی شکل دیکھ کر رونے لگا۔ اور روتے روتے سو گیا۔ ناگہاں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت ہی نورانی صورت والے بزرگ تشریف لائے اور میرے باپ کے چہرے اور شکم پر ہاتھ پھیر دیا۔ ان کا چہرہ نہایت ہی حسین وجمیل ہو کر چمکنے لگا۔ اور شکم کا ورم بالکل ختم ہو کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ پھر میں خواب ہی میں اُن بزرگ کی چادر پکڑ کر مچل گیا۔ کہ للہ اب مجھے آپ یہ بتا دیجئے کہ آپ کون ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں "محمد رسول اللہ" ہوں۔ تمہارا باپ بہت ہی بدکار تھا۔ مگر وہ درود شریف بکثرت پڑھا کرتا تھا۔ اُس کی بداعمالیوں کی وجہ سے مرتے وقت اُس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ اور صورت بگڑ گئی۔ لیکن مرتے وقت اُس نے مجھ سے فریاد کی تو میں اُس کی فریاد رسی کے لئے آ گیا ہوں۔ اور میں ہر مسلمان کا فریاد رس ہوں جو دُنیا میں مجھ پر درود شریف پڑھتا رہے گا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے یہ دیکھا کہ میرے باپ کا چہرہ روشن ہو کر چمک رہا ہے اور شکم کا ورم بالکل ختم ہو گیا ہے۔ اس واقعہ سے میں اسقدر متاثر ہوا کہ کسی حال میں بھی درود شریف پڑھنا بند نہیں کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ طواف میں بھی میرا یہی وظیفہ ہے کہ درود شریف کے سوا کچھ بھی نہیں پڑھتا[1]۔

[1] روح البیان ج ۷، ص ۲۲۵

تبصرہ درود شریف کے وظیفہ کے فضائل و برکات کا کیا کہنا؟ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ؕ یعنی بیشک اللہ اور اس کے فرشتوں کا یہ وظیفہ ہے کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم لوگ اُن پر درود پڑھو اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ!

حدیث شریف میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ پر بکثرت درود شریف پڑھتا ہوں۔ تو میں دن رات کا کتنا حصہ درود خوانی میں صرف کروں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم جس قدر چاہو۔ میں نے عرض کیا کہ کیا چوتھائی حصہ میں درود شریف پڑھ لیا کروں؟ ارشاد فرمایا کہ تم جس قدر چاہو۔ لیکن اگر اس سے زیادہ پڑھو گے تو تمھارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کیا نصف حصہ درود خوانی میں گذار دوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم جتنے حصے میں چاہو مگر زیادہ کرو گے تو تمھارے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ پھر میں نے کہا کہ کیا دو تہائی حصے میں درود شریف پڑھا کروں؟ تو فرمایا کہ تم جتنے حصے میں چاہو پڑھتے رہو۔ مگر جس قدر زیادہ درود شریف پڑھو گے تمھارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ یہ سُن کر میں نے کہدیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے تمام اوقات میں درود شریف ہی پڑھتا رہوں گا۔ تو ارشاد فرمایا کہ جب تو تمھارا ہر کام بن جائیگا اور تمھارے گناہوں کا کفارہ بھی ہو جائیگا۔[۱]

برادرانِ ملت! یہی وجہ کہ بزرگانِ دین و عُلماء صالحین نے قسم قسم کے درود شریف پر "دلائل الخیرات" وغیرہ قسم کی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور مختلف صیغوں کے ساتھ ساتھ نئے نئے درود شریف کے مجموعے مرتب اور تیار کئے تاکہ اُمت رسول اس وظیفہ کیمیا کے فیوض و برکات سے قیامت تک فیضیاب ہوتی رہے۔ مگر افسوس کہ تاریخ اسلام کا یہ کتنا خون رُلانے والا حادثہ ہے کہ ۱۹۵۹ء میں راقم الحروف جب مدینہ طیبہ کی حاضری کی سعادت سے سرفراز ہوا تو یہ دیکھا کہ نجدی سپاہی مسجد نبوی شریف میں

[۱] مشکوٰۃ شریف ص ۸۶

لوگوں کے ہاتھوں سے "دلائل الخیرات شریف" چھین چھین کر پھاڑ دیتے تھے۔ اور لوگ مارے ڈر کے "دلائل الخیرات شریف" لے کر مسجد نبوی میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ ان ظالموں کی بے ادبی رسول اور وحشت و بربریت دیکھ کر مارے غصہ کے میرا خون گرم ہو گیا۔ اور آخر ایک منبر نبوی پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے والے نجدی مولوی سے میری جھڑپ ہو ہی گئی۔ مگر خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ میرے سوالوں کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اور وہ کوئی شر بھی نہیں پیدا کر سکا۔ میرا ایمان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے دامنِ نصرت وحمایت میں پناہ عطا فرما دی تھی۔ ورنہ اس نجدی مولوی سے بہت بڑے شر کا خطرہ تھا۔ جب کہ میں نے جوشِ غضب میں نجدی مولوی کا ہاتھ پکڑ کر اُس کو منبر سے نیچے اتار دیا تھا۔ اور مسجد نبوی کی پولیس نے اس منظر کو دیکھ لیا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ بالکل سچ فرمایا حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہ ؎

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ
وَاِنْ تَلْقَهُ الْاُسُدُ فِيْ آجَامِهَا تَجِمِ

یعنی جس شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و نصرت نصیب ہو جائے اگر بڑی تعداد میں شیر اپنی جھاڑی میں بھی اُس شخص کا سامنا کریں گے تو شیروں کا غول اُس شخص کی ہیبت و جلالت سے لرزہ براندام ہو کر بزدلی کرتے ہوئے بھاگ نکلے گا۔ کیا خوب فرمایا اعلیٰحضرت قبلہ نے،

؎ کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا — شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

قُلْ هُوَ اللّٰهُ کا ثواب

حماد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ایک رات مکہ مکرمہ کے قبرستان میں گیا اور ایک قبر پر اپنا سر رکھ کر سو گیا۔ تو میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ قبرستان والے گروہ کے گروہ اِدھر سے اُدھر آ جا رہے ہیں۔ تو میں نے دریافت کیا کہ کیا قیامت قائم ہو گئی؟ تو لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ لیکن ہمارے زندہ بھائیوں میں سے ایک شخص نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخشا ہے۔ تو ہم لوگ اسی ثواب

کو ایک سال سے آپس میں تقسیم کر رہے ہیں۔[1]

تبصرہ سبحان اللہ! خداوند قدوس کے فضل عظیم کے قربان جایئے کہ قُلْ هُوَ اللّٰہ کی تلاوت پر اتنا کثیر و عظیم ثواب عطا فرما دیا کہ پوری قبرستان والے ایک سال سے اُس ثواب کو تقسیم کر رہے ہیں مگر وہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ سچ فرمایا خداوند عالم جل جلالہٗ نے کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل بہت ہی بڑا ہے۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زندوں کا ایصال ثواب کس شان کے ساتھ قبرستان والوں کے پاس پہنچتا ہے۔ کاش مسلمان اسکی اہمیت کو سمجھتے۔ اور قبرستان والوں کو تلاوت یا کھانے وغیرہ پر فاتحہ دلا کر ایصالِ ثواب کرتے رہتے، مگر علماء دیوبند کی اس ستم ظریفی کا کہاں تک ماتم کیا جائے کہ سوئم، دسواں، چالیسواں، برسی کے ذریعے جو کچھ بھی ایصالِ ثواب کا سلسلہ مسلمانوں میں جاری تھا اُس پر بھی حرام و بدعت کا فتویٰ لگا کر بند کیا جا رہا ہے! کوئی نہیں جو ان لوگوں سے یہ پوچھے کہ آخر فاتحہ کو بند کرنے کا انجام اس کے سوا اور کیا ہوگا؟ کہ لوگ جو ان ذرائع کی بدولت کچھ نہ کچھ اموات کو ایصالِ ثواب کر دیا کرتے ہیں اور اپنے اسلاف کو یاد کر لیا کرتے ہیں وہ اس سے بھی کنارہ کش ہو جائیں گے نہ اموات کو کوئی ثواب پہنچا کریگا۔ نہ زندوں کو اپنے وفات پائے ہوئے اسلاف سے کوئی روحانی تعلق باقی رہے گا۔ اس لئے لِلّٰہ! ان لوگوں کو چاہیے کہ مسلمانوں پر رحم کریں اور فاتحہ وغیرہ نیک کاموں کے خلاف زبانی و قلمی زہر پھیلا کر مسلمانوں میں اختلاف اور سر پھٹول کا سامان بھی پیدا نہ کریں۔ اور مسلمان زندوں اور مُردوں کے رُوحانی تعلقات پر کلہاڑی چلا کر ان کے وداد و محبت کے رُوحانی رشتوں کو منقطع نہ کریں۔ بلکہ مسلمان جو دوسری بے شمار بدعات و خرافات کی لعنتوں میں گرفتار ہیں۔ اور سینما تھیٹر جُوا، سٹہ بازی اور شادی بیاہ کی مشرکانہ رسموں سے برباد اور زیرِ بار ہیں۔ ان کے زبانی اور قلمی جہاد کر کے اُمّت رسول کی اصلاح و فلاح کا انتظام کریں۔ ورنہ یاد رکھئے۔

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

[1] شرح الصدور ص۱۳۰

سُلطان عابد

خلفاء بنو العباس میں "معتصم" کا پوتا "محمد" جو "مہتدی باللہ" کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ زہد و عبادت میں تمام خلفاء بغداد سے ممتاز ہوا۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ یہ شخص تختِ خلافت پر بیٹھنے کے وقت سے شہادت کے وقت تک ہمیشہ روزہ دار رہا۔ اس کے پاس بھیڑ کے بالوں کا ایک جُبّہ اور ایک کمبل تھا جس کو پہن اوڑھ کر یہ بادشاہ رات کو خدا کی عبادت کرتا۔ اور نمازیں پڑھا کرتا تھا۔ اور شاہی دسترخوان کا یہ حال تھا کہ "ہاشم بن قاسم بیان کرتے ہیں کہ میں رمضان کی ایک شام کو خلیفہ مہتدی باللہ کے دسترخوان پر حاضر ہوا۔ تو بید کی بنی ہوئی ایک ڈلیا میں چند روٹیاں، زیتون کا تیل، نمک، سرکہ خلیفہ کے سامنے کھانے کے لئے رکھ دیا گیا۔ میں بھی شریکِ طعام ہوگیا۔ اور میں نے یہ سمجھا کہ یہ افطاری ہے ابھی کھانا اس کے بعد آئیگا۔ چنانچہ میں نے نہایت بے رغبتی کے ساتھ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کر دیا۔ خلیفہ نے فرمایا کہ خوب اچھی طرح شکم سیر ہو کر کھالو۔ یہاں اس کے سوا دوسرا کوئی کھانا نہیں ہے۔ میں نے یہ سُن کر عرض کیا۔ کہ کیوں؟ اے امیر المومنین! آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں غرق فرما دیا ہے کہ آپ خزانۂ شاہی کے مالک و مختار ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن میرا معاملہ یہ ہے کہ میں نے یہ سوچا کہ خاندان بنو اُمیّہ میں جب سلطنت تھی تو اُس خاندان میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے جس زہد و پرہیزگاری اور عبادت و تقویٰ شعاری کی حالت میں سلطنت کی، وہ تم کو معلوم ہی ہے تو مجھے بڑی غیرت محسوس ہوئی کہ میرے خاندان بنو ہاشم میں جب سلطنت آئی تو کوئی حضرت عمر بن عبد العزیز کی شان کا نہیں ہوا۔ تو میں نے اس طریقے کو اپنا لیا ہے۔ رجب ۲۵۶ھ میں ترکوں نے اس خلیفۂ عادل کو شہید کر دیا۔[1]

تبصرہ زہد و پرہیزگاری اور عبادت و تقویٰ شعاری بلاشبہ ہر شخص کیلئے باعث تعریف اور لائق مدح و ستائش ہے لیکن اُمراء و سلاطین جو عیش و تنعّم کے ماحول میں پلے بڑھے۔ اور اُن کے پاس دولت، طاقت، سلطنت اور ہر قسم کے لہو و لعب اور سامانِ عیش و عشرت ہوتے ہوئے جب وہ زہد و تقویٰ

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۵

اور عبادت و ریاضت کی سعادت سے سرفراز ہو جائیں اَور ہر قسم کے لہو و لعب اَور سامانِ عیش پرستی پر لات مار کر زاہدانہ زندگی بسر کرتے ہوتے خدا کی عبادت کریں تو یقیناً یہ بہت ہی قابلِ تعریف اَور بہت زیادہ لائق مدح و تحسین بات ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکواست گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

یعنی بلند مرتبہ رکھنے والے لوگ اگر تواضع و انکساری کریں تو بہت ہی خوب اور قابلِ تعریف بات ہے۔ ایک بھیک مانگنے والا فقیر اگر تواضع اَور انکساری کرے تو یہ کون سی تعریف کی بات ہے؟ تواضع اور انکساری تو ہر بھکاری کی عادت ہی ہوتی ہے۔

گزشتہ تاریخِ اسلام سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی سلطنتوں کے بہت سے سلاطین و اُمرا اس قدر عبادت گذار ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے خانقاہ نشین پیروں اور درویشوں کو ان کے ریاضت و مجاہدہ اَور زہد و تقویٰ پر رشک ہوتا تھا۔ مگر افسوس کہ اَب قومِ مسلم میں ایسا درد انگیز اَور افسوس ناک انقلاب آگیا کہ جس مسلمان کے پاس تموّل و مال داری کی ہوا پہنچی وہ دین داری اور پرہیزگاری سے اس قدر برگشتہ ہو جاتا ہے کہ معاذاللہ! اس کو خدا رسول سے گویا کوئی تعلق ہی نہیں رہ جاتا۔ ڈاکٹر اقبال نے اسی فتنۂ دین سوز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ؎

جا کے مسجد میں جو ہوتے ہیں صف آرا تو غریب زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
اُمرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے زندہ ہے ملّتِ بیضا غربا کے دم سے

رابعہ بصریہ کا ذوقِ نماز

منقول ہے کہ حضرت بی بی رابعہ بصریہ روزانہ بلا ناغہ ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھا کرتی تھیں اَور یہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں ان نمازوں سے ثواب کی طلبگار نہیں ہوں۔ میں تو ان نمازوں کو صرف اس لئے پڑھتی ہوں کہ میرے محبوب اَور خدا کے حبیب حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیں اَور میرے

آقا قیامت میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ فرمائیں کہ دیکھ لو میری امت کی ایک عورت کا ایک دن رات میں اتنا اتنا عمل صالح ہے ۔[1]

تبصرہ سبحان اللہ! حضرت بی بی رابعہ بصریہ کا ذوقِ عبادت کتنا بلند تھا اور وہ محبت رسول کی کتنی بلند ترین منزل پر فائز تھیں کہ صرف اپنے پیارے محبوب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے وہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتی تھیں۔ انھیں یہ حدیث معلوم تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ یعنی نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے پھر ان کے اس ایمان افروز اعتقاد کا کیا کہنا؟ کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ سے خوش ہو جائیں گے تو یقیناً خدا بھی ضرور مجھ سے خوش ہو جائیگا۔ کیونکہ عقائدِ اسلام کا یہ بہت درخشندہ عنوان ہے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم ۔۔۔ خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ خدا کی رضا اور ناراضگی کا معیار اور اس کا دار و مدار ہی اس پر ہے کہ جس سے رسول خوش ہو گئے اس سے خدا بھی خوش ہو گیا۔ اور جس سے رسول ناراض ہو گئے اس سے خدا بھی ناراض ہو گیا۔ کیا خوب فرمایا اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے کہ ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر ۔۔۔ جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

میں نماز پڑھوں تم باتیں کرو

مشہور عالم حدیث حضرت مسلم بن بشار اپنے گھر میں نوافل پڑھا کرتے تھے اور گھر والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میں جب نماز شروع کر دوں تو تم لوگ خوب باتیں کیا کرو۔ میں نماز کی حالت میں کوئی بات سنتا ہی نہیں ہوں۔ چنانچہ جب مسلم بن بشار مکان میں داخل ہوتے تھے تو گھر والے بالکل خاموش رہتے تھے لیکن جب آپ نماز کی نیت باندھ لیتے تھے تو لوگ خوب آزادی سے بات چیت کیا کرتے تھے۔ نماز میں ان کے خضوع و خشوع اور کمال توجہ کا یہ عالم تھا۔ کہ یہ ایک مرتبہ نماز میں مشغول ہو گئے اور گھر میں آگ لگ گئی۔ لوگ آگ بجھانے کے لئے دوڑ پڑے۔ دوڑ بھاگ شور غوغا سب کچھ ہوا مگر ان کو ذرا بھی

[1] مستطرف ج ۱ ص ۷

خبر نہیں ہوئی اور یہ بدستور نماز میں مشغول رہے اور لوگوں نے آگ بجھادی [1]

سر پر کبوتر

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب مسجد حرام میں نماز پڑھتے تھے۔ تو اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ کبوتر ان کو ستون سمجھ کر ان کے سر پر بیٹھ جاتے تھے۔ اسی طرح ابراہیم بن شریک محدث اتنا لمبا سجدہ کرتے تھے کہ چڑیا اُن کی پشت پر اس طرح بیٹھتی اور کودتی پھدکتی پھرتی تھی کہ گویا وہ کسی ٹیلے یا دیوار پر بیٹھی ہوئی ہو [2]

چہرے پر مکھیاں

نامور محدث خلف بن ایوب جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ان کے چہرے پر کتنی مکھیاں کیوں نہ بیٹھ جائیں مگر یہ کبھی مکھیوں کو نہیں اڑاتے تھے۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کیسے صبر کرتے ہیں؟ کہ اتنی مکھیاں آپ کے چہرے پر بیٹھی رہتی ہیں۔ اور آپ نہایت سکون کے ساتھ نماز میں مشغول رہتے ہیں اور کبھی بھی مکھیاں کو نہیں ہٹاتے۔ آپنے فرمایا کہ جلاد، فاسقوں، زانیوں، شرابیوں کو قاضی کے سامنے کوڑے مارتا ہے اور یہ فساق اتنا صبر کرتے ہیں کہ نہ ہاتھ پاؤں ہلاتے ہیں نہ ان لوگوں کی پیشانی پر بل آتا ہے۔ تو کیا میں خدا کے سامنے اتنا بھی صبر نہیں کرسکتا جو چہرے پر مکھیوں کے بیٹھ جانے سے پراگندہ خاطر ہو کر مکھیاں اڑانے کے لئے ہاتھ ہلاتا رہوں؟ [3]

تبصرہ | مذکورہ بالا تینوں واقعات کو پڑھ کر اندازہ لگایئے کہ سلف صالحین اور بزرگان دین کی توجہ الی اللہ کا کیا عالم تھا اور یہ لوگ کتنے حضور قلب کے ساتھ خدا کی عبادت کرتے تھے۔ اور ہمارا کیا حال ہے! کہ دنیا بھر کے خطرات وخیالات، نمازوں میں ہمارے سروں پر مسلط رہتے ہیں یہاں تک کہ ہم اپنے پروگراموں کی ترتیب اور تجارتوں کے منصوبے بھی نمازوں ہی میں تیار کرتے ہیں۔ اور تکبیر تحریمہ کے بعد ہمیں کبھی یہ خیال بھی نہیں رہتا کہ ہم اس وقت احکم الحاکمین اور رب العالمین کے دربار میں اس کے سامنے اس کی عبادت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور وہ ہمیں اور ہمارے خیالات کو دیکھ رہا ہے افسوس! [4]

[1] مستطرف ج اص [2] ایضاً [3] ایضاً

کیا تو نے نمازی! یہ کبھی غور کیا ہے　　کس واسطے اور سامنے کس کے تو کھڑا ہے
آداب خداوندی بھی کچھ تجھ کو ہیں ملحوظ　　یا منہ سے فقط کہتا ہے، اللہ بڑا ہے

جماعت چھوٹنے کا غم

مشہور بزرگ حضرت "حاتم اصم" رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آہ! میری جماعت چھوٹ گئی تو تعزیت کے لئے میرے پاس صرف ابو اسحاق بخاری اکیلے آئے ہیں۔ اور اگر میرا لڑکا مرگیا ہوتا تو دس ہزار سے زیادہ آدمی میرے پاس تعزیت کیلئے آئے ہوتے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی نظر میں دین کی مصیبت دُنیا کی مصیبت سے کم نظر آنے لگی۔ حالانکہ سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ اگر اُن کی تکبیر اُولیٰ فوت ہوجاتی تھی تو تین دن تک لوگ ان کی تعزیت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اور اگر اُن کی جماعت چھوٹ جاتی تھی تو لوگ سات دن تک ان کی تعزیت کے لئے جایا کرتے تھے۔[۱]

تبصرہ حضرت حاتم اصم کی اس تقریر کو پڑھ کر سوچئے کہ عُلمار سلف اور پُرانے بزرگوں کی نگاہ ایمان میں نماز تو نماز، جماعت تو جماعت تکبیرۂ اُولیٰ کا کتنا اہتمام تھا؟ اور دین ان کی نظروں میں کتنا عزیز اور پیارا تھا۔ کہ کسی کی میت ہونے پر بھی اتنی اہمیت کے ساتھ تعزیت نہیں کی جاتی تھی جتنی جماعت اور تکبیر اُولیٰ کے فوت ہونے پر تعزیت و ماتم پُرسی کی جاتی تھی۔ اور ذرا اپنے دَور کی زبوں حالی پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کچھ چھوٹ جانے کو مسلمان نہ تو اپنے لئے مصیبت سمجھتے ہیں۔ نہ دوسرے لوگ اسکو مصیبت سمجھ کر ان مصیبت زدوں کی تعزیت کرتے ہیں بلکہ توبہ، نعوذ باللہ اب تو ایسا دور آگیا ہے کہ بہت سے مسلمان کہلانے والے روزہ و نماز اور حج و زکوٰۃ کو مصیبت سمجھنے لگے ہیں۔ اگر بیچارے دیندار علمار حق ان بے لگاموں کو کچھ نصیحت و فضیحت کرتے ہیں تو یہ گستاخ و بدلگام انتہائی غضبناک ہو کر اور منہ بگاڑ کر یہاں تک کہدیا کرتے ہیں۔ توبہ۔ معاذ اللہ! کہ

"تم داڑھی والے نمازی مولویوں سے ہم داڑھی مُنڈے بے نمازی اچھے ہیں"

اور پھر غریب مولویوں کو یہ فرعونیت مآب مالدار جہلار ایسی ایسی جلی کٹی صلواتیں سُناتے ہیں کہ

الاماں! الاماں! غریب علماء ان جاہلوں اور فاسقوں کی گالیاں سُن کر بھلا اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر — اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمد — آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

حضرت امام حسن حج میں

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے اس خیال سے بڑی شرم آتی ہے کہ میں خداوند تعالیٰ سے کس طرح ملاقات کروں گا؛ حالانکہ میں اُس کے گھر (کعبہ) تک کبھی پیدل چل کر نہیں آیا۔ اس کے بعد بیس مرتبہ آپ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ پیدل چل کر حج کے لئے آئے۔ منقول ہے کہ حرمِ الٰہی میں پہنچ کر آپنے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز "تحیۃ الطواف" پڑھ کر آپنے اپنے رخسار مبارک کو مقامِ ابراہیم پر رکھ دیا اور زار و قطار روتے ہوئے اس طرح دعا مانگنے لگے، کہ اے میرے رب! تیرا حقیر بندہ تیرے دروازے پر ہے۔ تیرا خادم تیرے دروازے پر ہے۔ تیرا بھکاری تیرے در پر ہے۔ تیرا مسکین تیرے دروازے پر ہے۔ بار بار بکثرت ان ہی الفاظ کو دُہراتے رہے اور روتے رہے۔ پھر آپ جب حرم شریف سے باہر نکلے تو آپ کا گذر ایسے چند مسکینوں کے پاس ہوا جن کے پاس روٹیوں کے ٹکڑے تھے۔ اور وہ لوگ اُس کو کھا رہے تھے۔ تو آپنے اُن مسکینوں کو سلام کیا۔ اور جب اُن مسکینوں نے آپ کو کھانے کیلئے بُلایا تو آپ فوراً ہی بلا تکلف اُن مسکینوں کے دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ اگر یہ روٹیوں کے ٹکڑے صدقہ کے نہ ہوتے تو میں ضرور تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتا۔ مگر چونکہ ہم آلِ رسول ہیں اور ہمارے لئے صدقہ کا مال کھانا حرام ہے۔ اسلئے میں ان کو نہیں کھا سکتا۔ پھر آپ اُن مسکینوں کو اپنے ہمراہ اپنی قیامگاہ پر لائے۔ اور اُن سب کو کھانا کھلایا۔ اور سب کو کچھ درہم عطا فرما کر رُخصت کیا۔[۱]

تبصرہ | اس نورانی واقعہ میں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ذوقِ عبادت، اُن کے خوف و خشیتِ خداوندی، گریہ و زاری، مسکین نوازی، اخلاقِ کریمانہ، سخاوت، تواضع وغیرہ کی ایسی ایسی ایمان

[۱] مستطرف ج ۱ ص ۱۲

افروز تجلیاں ہیں کہ جن کی روشنی میں امام ممدوح کو دیکھنے والا اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اَشْھَدُ اَنَّكَ مِنْ اَوْلَادِ الرَّسُوْلِ "یعنی میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اے امام حسن! آپ بلا شبہ آلِ رسول اور فرزندِ بتول ہیں۔

اللہ اکبر! کون مسلمان نہیں جانتا کہ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بشارت عظمیٰ عطا فرمائی ہے کہ یہ دونوں جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں۔ مگر خود ایک اعلیٰ جنتی ہونے کے باوجود اُن کا ذوقِ عبادت اور خوف و خشیت یقیناً ساری اُمت کے لئے درسِ عبرت ہے۔ مگر افسوس کہ ؎

کیا تماشا ہے کہ اب ناقہ سوارانِ عرب ‎ ‎ پیروی کرتے ہیں یورپ کے حُدی خوانوں کی

ستر برس کی عبادت اور ایک روٹی

منقول ہے کہ ایک عابد ستر برس سے اپنی خانقاہ میں عبادت کرتا تھا۔ اچانک ایک رات شدید سردی میں ایک خوبصورت عورت نے عابد کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ عابد نے دروازہ کھولا۔ اور عورت کو دیکھتے ہی اُس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگیا۔ اور اس کو اپنی خانقاہ میں پناہ دی۔ لیکن نفس امارہ کو قابو میں نہیں رکھ سکا۔ اور مسلسل سات رات اُسکے ساتھ گناہ میں مبتلا رہا۔ پھر اُس عابد کو یہ احساس ہوا کہ ہائے افسوس! میں نے ستر برس کی عبادت کو سات راتوں کے گناہ سے غارت و برباد کر دیا۔ یہ خیال آتے ہی وہ اس قدر پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ روتے روتے بیہوش ہوگیا۔ آخر جب ہوش میں آیا۔ تو عورت نے کہا کہ اے شخص! خُدا کی قسم میں نے تیرے سوا اور کسی کے ساتھ یہ گناہ نہیں کیا ہے اور تُو نے بھی میرے سوا اور کسی کے ساتھ یہ گناہ نہیں کیا ہے اور میں تیرے چہرے پر صالحین کی نشانی دیکھ رہی ہوں۔ لہٰذا میری تجھ سے اتنی درخواست ہے کہ جب پھر تجھ پر تیرے مولیٰ کا فضل و کرم ہو جائے اور تو عبادت میں مشغول ہو جائے تو مجھ گناہگار عورت کو بھی دعاؤں میں یاد کر لینا۔ عابد اپنے گناہ پر انتہائی پشیمان اور پریشان ہو کر توبہ کرتے ہوئے خانقاہ سے جنگل کی طرف بھاگ نکلا اور

رات کو ایک ویرانے میں ٹھہرا۔ جہاں دس اندھے انسان رہتے تھے۔ اور ایک راہب روزانہ اندھوں کو ایک روٹی دیا کرتا تھا۔ حسبِ عادت راہب کا غلام دس روٹیاں لے کر آیا۔ عابد نے بھی اس کے آگے ہاتھ پھیلا دیا۔ اور ایک روٹی لے لی۔ ایک اندھے کو روٹی نہیں ملی۔ اُس نے غلام سے تقاضا کیا کہ میری روٹی تم نے آج کیوں نہیں دی؟ غلام نے کہا کہ میں دس روٹیاں تم لوگوں میں تقسیم کر چکا اندھوں کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ایک دوسرا شخص بھی ہم لوگوں میں شامل ہو گیا ہے اور اُس نے ایک اندھے کی روٹی لے لی ہے۔ اندھا غریب بھوکا رہ گیا۔ پھر عابد کے ضمیر نے جھنجھوڑا کہ افسوس ایک اندھا جو خدا کا نیک بندہ ہے وہ بھوکا رہے اور میں گناہ کا پُتلا ہوتے ہوئے پیٹ بھر کھاؤں؟ عابد نے یہ سوچ کر اپنی روٹی اندھے کو دے دی۔ اور خود بھوکا پڑا رہا۔ یہاں تک کہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اس کے مرتے ہی رحمت اور عذاب کے فرشتے اُتر پڑے اور بحث کرنے لگے رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ شخص توبہ کر چکا ہے۔ لہٰذا ہم اسکو ارحم الراحمین کے جوارِ رحمت میں لے جائیں گے اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ یہ گناہگار ہے لہٰذا ہم اس کو جبار و قہار کے دربار میں بحیثیت ایک مُجرم کے پیش کریں گے۔ یہ بحث جاری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم اس کی ستر برس کی عبادت کو سات رات کے گناہوں سے تول کر دیکھو کہ کون سا پلّہ بھاری رہتا ہے؟ جب فرشتوں نے وزن کیا تو سات رات کے گناہوں کا پلّہ ستر برس کی نیکیوں سے بھاری نکلا۔ پھر ارحم الراحمین نے فرمایا کہ اچھا اب تم لوگ اس کے سات راتوں کے گناہ کو اُس ایک روٹی سے وزن کرو جو اُس نے خود بھوکے رہ کر اندھے کو دے دی تھی۔ جب فرشتوں نے وزن کیا تو ایک روٹی کا پلّہ سات رات کے گناہوں سے بھاری نکلا۔ اور یہ شخص رحمت کے فرشتوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اور ارحم الراحمین نے اس کی توبہ قبول فرما کر اس کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرما دی تھی۔[1]

تبصرہ اس حکایت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ عابد کتنا ہی بڑا عبادت گذار کیوں نہ ہو مگر اُس کو ہر وقت خوفِ خداوندی سے خائف اور لرزہ براندام رہنا چاہیئے کہ نہ معلوم میرا انجام اور خاتمہ کیسا ہوگا؟ نہ معلوم کب شیطان حملہ کر دیگا؟ اور نہ معلوم کہ نفسِ امارہ کے ہاتھوں سے کن کن گناہوں میں مبتلا

---

[1] احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۰

اور ملوث ہو جاؤ گے؟ ہر وقت خدا سے ڈر کر اچھے خاتمہ کی دعا کرنا چاہیئے اور ہرگز ہرگز اپنی عبادات اور نیکیوں پر گھمنڈ اور غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت خواجہ مرزا مظہر جان جاں نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ ؎

بر نماز و روزۂ بر سوز و سازِ خود مناز ۔۔۔ یار بے پرواست ہرگز بر نیازِ خود مناز
انفعالِ جُرم بہتر از غرورِ طاعت است ۔۔۔ مظہر اے دور از حقیقت بر نمازِ خود مناز

یعنی اپنے روزہ و نماز اور اپنے سوز و ساز پر ہرگز ناز مت کر یار (خدا) بے پروا ہے۔ لہٰذا تو اپنی نیازمندی پر ناز مت کر۔ گناہ پر شرمندہ ہونا نیکی کے گھمنڈ سے بہت اچھا ہے۔ اے مظہر جو حقیقت سے دُور ہے تو اپنی نماز پر ناز مت کر۔ اس حکایت سے ایک دوسرا سبق یہ بھی ملتا ہے کہ آدمی خود بھوکا رہ کر کسی بھوکے لاچار مسلمان کو کھانا کھلا دے اس کا بہت ہی بڑا اجر و ثواب ہے۔ غور کیجئے کہ سات راتوں کا گناہ جس کا پلّہ ستر برس کی عبادت سے بھاری تھا۔ وہ ایک روٹی کے مقابلے میں ہلکا پڑ گیا۔ اور یہی ایک روٹی عابد کے لئے نجات کا ذریعہ بن گئی۔ کیوں نہ ہو کہ یہ دونوں عالم کے مختار محبوب پروردگار اور ان کے اہلِ بیت اطہار کا مبارک طریقہ ہے۔ آپنے بارہا سنا ہوگا کہ ؎

بھوکے رہتے تھے خود اوروں کو کھلا دیتے تھے ۔۔۔ کیسے صابر تھے محمد کے گھرانے والے

جعفر بن نصر کی ایک دُعا

سیدی جعفر بن نصر خُلدی بغدادی بہت باکمال عالم اور نہایت ہی باکرامت ولی تھے۔ دن رات کی عبادت و ریاضت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ساٹھ مرتبہ حج کے لئے گئے۔ ان کے پاس ایک نہایت ہی قیمتی نگینہ تھا۔ جو دریائے دجلہ میں گر پڑا۔ گم شدہ چیز کی بازیابی کیلئے ان کے پاس ایک دُعا تھی۔ انھوں نے اُس دُعا کو پڑھ لیا۔ تو وہ نگینہ جو دریائے دجلہ میں گرا تھا۔ کتابوں کے پراگندہ اوراق میں مِلا وہ دعا یہ ہے کہ جب کوئی چیز گم ہو جائے تو پہلے تین مرتبہ سورۂ والضحیٰ مع بسم اللہ کے پڑھے۔ پھر ایک مرتبہ یہ دُعا پڑھ لے۔ "یَا جَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ اِجْمَعْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ"

اسی طرح مشہور محدث حافظ ابوبکر خطیب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ میں نے ایک حج میں "صوفی مُزین کبیر" کو رخصت کرتے وقت عرض کیا کہ حضرت! آپ مجھے کوئی توشہ دے دیجئے تو انھوں نے مجھے یہ دعا تعلیم فرمائی کہ اگر تمہاری کوئی چیز یا آدمی گم ہو جائے تو یہ دُعا پڑھ لینا۔ انشاءاللہ تعالیٰ وہ چیز یا آدمی ضرور مل جائیگا۔ دُعا یہ ہے "یَا جَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ اِجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ کَذَا لفظ "کذا" کی جگہ اُس گم شدہ چیز یا اُس انسان کا نام لے لے[1]

تبصرہ بزرگانِ دین عُلما کرام اور اَولیاءِ عظام سے جو دعائیں منقول ہیں بلاشبہ ان کی تاثیرات حق ہیں۔ لیکن عوام جو کبھی کبھی اِن دعاؤں کے پڑھنے سے فیض نہیں پاتے اَور اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوتے تو یہ ان دعاؤں کا قصور نہیں ہے بلکہ دعائیں پڑھنے والوں کے اخلاص کی کمی، گناہوں کی شامت اَور زبانوں کی گندگی کا قصور ہے۔ دعاؤں کی مقبولیت کے لئے کچھ شرائط و آداب ہیں۔ اگر ان شرائط و آداب کی پابندی نہیں ہوگی تو ظاہر ہے کہ دعائیں مقبول نہیں ہوں گی مقبولیت دعا کے لئے تقویٰ و دینداری، اخلاص قلب، اکل حلال، صدقِ مقال وغیرہ نہایت ہی اہم اَور ضروری شرائط ہیں۔ حدیث شریف میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَکْلُهٗ حَرَامٌ وَّشُرْبُهٗ حَرَامٌ یَقُوْلُ اللّٰهُ اللّٰهُ اَنّٰی یُسْتَجَابُ لَهٗ یعنی ایک شخص حرام کھاتا ہے اَور حرام پیتا ہے اَور اللہ اللہ کر کے دعائیں مانگتا ہے۔ بھلا ایسے شخص کی دعائیں کہاں سے اَور کیسے مقبول ہوں گی؟ غور فرمائیے! کہ حرام غذا کھا پی کر جس شخص کے خون کا قطرہ قطرہ اَور گوشت کی بوٹی بوٹی مالِ حرام کی نجاست سے آلودہ ہو چکی ہو اَور جھوٹ، غیبت، تہمت، گالی، فحش کلامی وغیرہ سے جس کی زبان سے نکلی ہوئی دعا کب اس قابل ہے کہ خداوند سبوح و قدوس کی بارگاہ عظمت میں شرفِ قبولیت سے سرفراز ہو۔ اس لئے ضرورت ہے کہ انسان پہلے تقویٰ و پرہیزگاری کے انوار سے اپنے ظاہر و باطن کو منور کرے اَور لقمۂ حلال کھائے اَور اپنی زبان کو جھوٹ، غیبت، تہمت، بدکلامی وغیرہ کی لعنتوں سے پاک کرے اَور پاک رکھے اَور پھر انتہائی اخلاصِ قلب اَور گریہ وزاری کے ساتھ جنابِ باری میں اپنی دعائے عجز و انکساری کو پیش کرے۔ تو ارحم الراحمین ایسا کریم اَور نکتہ نواز ہے کہ وہ

---

[1] مستطرف ج ۱ ص ۱۴۱

اپنے بندوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کی صداؤں کو اپنے دامنِ رحمت میں جگہ عطا فرما کر مقبولیت کے شرف سے نواز دیتا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

جو مانگنے کا طریقہ ہے اُس طرح مانگو　　درِ کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا؟

اس تنبیہہ کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض جُہّال کوئی وظیفہ یا بزرگوں کی بتائی ہوئی دعاؤں کا وِرد کرتے ہیں اور انہیں اُس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو وہ شور مچانے لگتے ہیں کہ اُن دعاؤں کا جو فائدہ بزرگوں نے بتایا ہے وہ معاذ اللہ غلط ہے۔ خود اپنی کوتاہیوں پر نظر نہیں ڈالتے اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ کتنی ہی زود اثر اور سریع التاثیر دوا کیوں نہ ہو مگر جب اس کی ترکیب استعمال کا خیال نہیں رکھا جائیگا تو کبھی ہرگز ہرگز اُس دوا کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔ پھر ترکیب استعمال کے ساتھ دوا کے اثر کو زائل کرنے والی چیزوں سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کتنی ہی مفید دوا کیوں نہ ہو لیکن اگر دوا کے ساتھ بد پرہیزی ہوتی رہے گی تو ظاہر ہے کہ دوا کا فائدہ برباد ہوتا رہے گا۔ اب اگر کوئی شخص کسی دوا کو غلط طریقے سے استعمال کرے یا بد پرہیزی کرے اس طرح دعا کا اثر ظاہر نہ ہو تو کیا اُس شخص کو یہ حق ہے؟ کہ وہ کہہ دے کہ یہ دوا بالکل بوگس اور بے اثر ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ہر عقل والا یہی کہے گا کہ دوا کا مفید و موثر ہونا بالکل یقینی ہے۔ لیکن ترکیب استعمال کی غلطی اور بد پرہیزی نے اس دوا کے اثر کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ بالکل یہی کیفیت وظیفوں اور دعاؤں کے اوراد کی بھی ہے کہ کبھی ان کے شرائط اور آداب پورے ہونے کے باعث غلط طریقے سے پڑھی جاتی ہیں اور کبھی ایسی بد پرہیزیاں ہو جاتی ہیں جن کی نحوستوں سے دعاؤں کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہرگز ہرگز کسی دُعا اور وظیفے کی تغلیط اور اُس کے فوائد و ثمرات کا انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر دُعا اُس کے شرائط و آداب کے ساتھ پڑھی جائے۔ اور اُن گناہوں سے پرہیز کیا جائے جن کی ظُلمت دُعا کے نُور کو برباد و غارت کر دیتی ہے پھر ان شاء اللہ تعالیٰ اُمید ہے کہ ضرور مولیٰ عزّ و جل کرم فرمائیگا اور دعاؤں کو قبول فرما کر دُعا مانگنے والے کی خالی جھولیوں کو گوہرِ مراد سے بھر دے گا۔ خداوندِ عالم کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے اگر ہماری دُعا مقبول نہیں ہوتی اور ہماری مراد پُوری نہیں ہوتی تو یقیناً

اس میں ہماری ہی کوتاہی اور تقصیر کا دخل ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ ؎

اُس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر ۔۔۔ تجھ سے کیا ضد تھی؟ اگر تو کسی قابل ہوتا

ذاکر و صابر

حضرت عُروہ بن زُبیر بڑے جلیل القدر تابعی عالم دین ہیں۔ امام زُہری نے ان کے کمال علم کو دیکھ کر یہ فرمایا "بَحْرٌ لَا یَنْزِفُ" یعنی علم کا ایسا سمندر ہے جو کبھی خشک نہیں ہوگا۔ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہا میں ان کا شمار ہے۔ یہ جنتی صحابی حضرت زبیر بن عوّام کے فرزند ہیں۔ ان کی والدہ کا نام "اسماء" ہے جو امیر المومنین حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ اپنے والد اپنی والدہ بی بی اسماء اور اپنی خالہ ام المومنین حضرت بی بی عائشہ اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد رشید ہیں حضرت عُروہ بن زُبیر میں سیکڑوں علمی و عملی کمالات کے ساتھ ذکرِ الٰہی اور صبر کا کمال بھی بدرجۂ اتم موجود تھا۔ ایک مرتبہ آپ کو ولید بن یزید نے "دمشق" میں مدعو کیا۔ آپ تشریف لے گئے۔ اور راستے میں ایک ہڈی آپ کے پاؤں میں چُبھ گئی۔ اور یہ زخم اس قدر بگڑ گیا کہ آپ کا پاؤں سڑنے لگا۔ ولید نے اطبّا کو جمع کیا۔ مگر سب طبیبوں نے متفقہ فیصلہ کر دیا کہ پاؤں کاٹ دینے کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔ چنانچہ طبیبوں نے آپ کو بیہوشی کی دوا پلا کر آپریشن کرنا چاہا تو آپ نے بالکل صاف انکار فرما دیا۔ اور یہ فرمایا کہ میں ایک منٹ کے لئے بھی ذکرِ الٰہی سے غافل ہو جاؤں یہ مجھے ہرگز ہرگز گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر نے آری گرم کر کے آپ کا پاؤں کاٹ ڈالا۔ مگر ذا آپ کے مُنہ سے اُف نکلا۔ نہ آپ کی پیشانی پر کوئی بَل یا چہرے پر کوئی تغیر پیدا ہوا۔ جب پاؤں کاٹ کر آپ کے سامنے رکھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ! اگر میرا ایک عُضو کٹ گیا تو کوئی مضائقہ نہیں خداوند کریم کا شکر ہے کہ ابھی میرے بہت سے اعضا سلامت ہیں۔ ابھی آپ اتنا خوفناک اور تکلیف دہ آپریشن کرا کے بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں ایک شخص یہ ہوش رُبا اور اندوہناک خبر لے کر آیا کہ آپ کا ایک بچہ چھت سے گر کر مر گیا۔ آپ نے یہ درد انگیز خبر سُن کر فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ اگر تو نے میرے ایک بچے کو موت دے دی تو

ابھی تو نے میرے کئی بچوں کو زندہ رکھا ہے ۔[1]

تبصرہ سبحان اللہ! اس صبر جمیل اور عبادت و ذکر الٰہی کے ذوق کا کیا کہنا؟ کہ محض اس خیال سے کہ بے ہوشی کے عالم میں چند گھنٹے ذکرِ الٰہی نہ ہو سکے گا۔ آپ نے بے ہوشی کی دوا استعمال نہیں فرمائی۔ اور اطمینان سے بیٹھے ہوئے دل و زبان سے ذکرِ الٰہی کرتے رہے اور پاؤں آری سے کٹتا رہا۔ اور اتنی بڑی بڑی مصیبت پر بھی صبر و شکر کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی ذکر خداوندی سے غافل نہیں ہوئے اللہ اکبر! بلاشبہ یہی وہ ذکر خداوندی کے بلند منارے ہیں اور صبر و استقامت کے جبل راسخ ہیں جن کے لئے قرآن مجید میں خداوند قدوس نے بشارتِ عظمیٰ کا مژدہ سناکر ان کی مدح و ثنا کا خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی کہ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ یعنی (اہل ایمان) وہی لوگ ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اور کہیں یہ ارشاد فرمایا کہ "وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ" ؕ یعنی (اے محبوب) آپ میرے صبر کرنے والے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے!

ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا افضل ترین عبادت ہے۔ چند احادیث کریمہ ملاحظہ فرمالیجئے!

(۱) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سے بندے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ درجے پر فائز ہوں گے؟ تو ارشاد فرمایا کہ "بہت زیادہ ذکرِ الٰہی کرنے والے مرد اور بہت زیادہ ذکرِ الٰہی کرنے والی عورتیں" تو لوگوں نے عرض کیا کہ کیا یہ لوگ اُن مجاہدین سے بھی زیادہ بلند درجہ پائیں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ "اگر کوئی مجاہد اس شان سے جہاد کرے اور وہ خون سے رنگین ہو جائے" ایسے مجاہد سے بھی ذکرِ الٰہی کرنے والے کا درجہ افضل ہے ۔[2]

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے اور دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ اور سب سے زیادہ اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی چیز اللہ کا ذکر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا اللہ کی راہ میں جہاد بھی اس سے بڑھ کر نہیں ہے؟ تو ارشاد

[1] ثمرات الاوراق ج ۲ ص ۲۸۸ [2] مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۸

فرمایا کہ اگر تلوار مارتے مارتے ٹوٹ جائے اس شان کا جہاد بھی خدا کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے۔[1]

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھی اور بغیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کئے ہوئے مجلس سے اٹھ گئی تو اس قوم کی مثال مُردار گدھے کی سی ہے۔ اور اُس قوم پر افسوس ہے۔[2]

بہرکیف ذکر خداوندی ایک نہایت ہی افضل ترین عبادت ہے یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ ہر وقت ذکر قلبی اور ذکر لسانی میں مشغول رہتے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی ذکرِ خداوندی سے غافل نہیں رہتے کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

یک لحظہ دلا! غافل ازاں ماہ نہ باشی ۔۔۔ شاید کہ نگاہے کند۔ آگاہ نہ باشی

یعنی اے دل ایک لمحہ کے لئے بھی تو خدا کی یاد سے غافل مت رہا کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ پر کسی وقت نگاہِ کرم فرمائے اور تو اپنی غفلت کی وجہ سے اُس وقت آگاہ نہ رہے۔ نہ معلوم کس وقت اُس کی نظرِ کرم تیری طرف توجہ فرمائے۔ لہٰذا ہر وقت اس کا ذکر کرتے رہو اور اُس کا دھیان رکھو!

سَر پر ہُدہُد

شیخ تقی الدین مصری فن قرأت و تجوید کے بہت ہی بلند پایہ امام تھے۔ اور انتہائی خوش الحان بھی تھے اور نمازوں میں اس قدر سکون اور خضوع و خشوع کے ساتھ کھڑے رہتے تھے کہ گویا کوئی ستون کھڑا ہے ان کا ایک عجیب واقعہ منقول ہے جس کو انکی کرامت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ وہ یہ کہ ایک دن یہ نمازِ فجر میں سورۂ نمل پڑھنے لگے جب اس آیت پر پہنچے کہ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝ تو کئی مرتبہ اس آیت کو تلاوت کیا اور لوگوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ آکر آپکے سَر پر بیٹھ گیا اور قرأت سُننے لگا۔ یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہو گئے جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو وہ پرندہ "ہُدہُد" تھا۔[3]

---

[1] مشکوٰۃ شریف صد ۱۹۹ [2] ایضاً صد ۱۹۸ [3] روح البیان ج ۷، صد ۹۹

عُمر بھر روزہ دار

جلیل القدر مُحدّث "ابن ابی ذئب" اپنی علمی جلالت اور حق پر استقامت کے جوہر کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت میں بھی اس قدر مشہور و ممتاز تھے۔ کہ ان کی عبادتیں ان کی کرامتوں کے سوا کچھ بھی نہیں کہلا سکتی ہیں۔ درسِ حدیث کے علاوہ دن رات کے تمام اوقات قسم قسم کی عبادتوں میں بسر فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر اُن سے کہدیا جاتا کہ کل ہی قیامت آنے والی ہے تو جتنی عبادت کرتے تھے اس سے زیادہ نہیں کر سکتے تھے۔ عمر بھر روزہ دار رہے اور اس قدر فقر و فاقہ اور مفلسی کی زندگی بسر کرتے تھے کہ ان کا حال پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ جَو کی روٹی اور زیتون کا تیل ان کی غذا تھی۔ اور ایک کُرتا ایک چادر کے سوا کوئی لباس نہیں رکھتے تھے۔ اسی میں جاڑا گرمی گذار دیتے تھے۔ لاکھوں محدثین کے اُستاد تھے۔ اور عُمر بھر حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۹ھ میں اُناسی برس کی عُمر پا کر وفات پائی۔ [۱]

تبصرہ اللہ اکبر! جَو کی روٹی اور روغن زیتون غذا، اور ایک کُرتا ایک چادر لباس، فقر و فاقہ کی زندگی اُس پر دل و دماغ کی طاقت کا یہ عالم کہ لاکھوں حدیثیں زبانی یاد رکھتے تھے۔ اور عمر بھر تمام رات تہجد گذار اور تمام دن روزہ دار رہتے تھے۔ پھر روزانہ درسِ حدیث کا شغل بھی رکھتے تھے۔ اس عظیم رُوحانی طاقت کو دیکھ کر اس حقیقت کی نقاب کُشائی ہو جاتی ہے کہ جو مقدس عُلماء جذبۂ اخلاص کے ساتھ علمِ دین کی خدمت کرتے ہیں۔ اور تقویٰ و تقدس کی زندگی بسر کرتے ہیں اور عبادت و ریاضت میں بھی جدّ و جہد کرتے رہتے ہیں تو مولیٰ عزّ و جل باوجود غذاؤں کی کمی اور عُسرت و تنگ دستی اور فقر و فاقہ کی زندگی کے انھیں ایسی بلند پایہ رُوحانی طاقت عطا فرما دیتا ہے کہ وہ اپنے بے مثال کارناموں اور عظیم شاہکاروں سے بڑے بڑے پہلوانوں اور طاقت و قوت کے پہاڑوں کو دریائے حیرت میں غرق کر دیتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی اور عبادت و ریاضت سے جو روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے وہ دواؤں اور غذاؤں کی جسمانی طاقتوں سے لاکھوں درجے بڑھ کر ہوا کرتی ہے۔ اور رُوحانی طاقتوں سے جو عظیم الشان کارنامے انجام پاتے ہیں

---

[۱] تبصرہ تاریخ بغداد ص ۲۱

جسمانی طاقتوں کو اُن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی مضمون کو ڈاکٹر اقبال نے ہیکر شعر میں اسطرح دکھلایا ہے کہ

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر ۔۔۔ کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری"

مولانا جلال الدین مانکپوری

یہ مشہور بزرگ شیخ حسام الدین مانکپوری کے جد بزرگوار ہیں۔ بہت ہی جیّد عالم دین، مرد بزرگ، نہایت ہی صابر اور انتہائی متقی اور عابد تھے۔ ان کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد جب تک لوگ بیدار رہتے۔ یہ سو جاتے تھے۔ اور جب لوگ سو جاتے تھے تو یہ اُٹھتے اور رات صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔ ہر روز اکتالیس بار سورہ یٰس پڑھا کرتے تھے۔ اور چاشت کی نماز کے بعد سے طلبار کو دینی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے۔ نہایت ہی خوشخط تھے۔ اور کتابت کی اُجرت سے گذر اوقات فرماتے تھے۔ قرآن شریف لکھ کر دہلی بھیجتے تھے اور پانچ سو ٹنکہ ہدیہ مل جاتا تھا۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کبھی بلا وضو قلم کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ اور جب ملک میں لوٹ مار ہوا کرتی تھی تو گوشت کھانا چھوڑ دیتے کہ شاید گوشت لوٹ کے جانوروں کا ہو۔[1]

تبصرہ سبحان اللہ! کتنی مقدس زندگی تھی ان قدسی صفت بزرگوں کی۔ کہ توجہ اللہ دینی کتابوں کا درس دیتے تھے اور قرآن مجید کی کتابت کی اُجرت سے اپنے اہل وعیال کا خرچ چلاتے تھے۔ دن بھر تو حدیث و فقہ کی تعلیم اور قرآن مجید کی کتابت میں مصروف رہتے۔ اور رات بھر نوافل اور سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت کا شغل رہتا۔ ان بزرگوں کی مبارک زندگی اور ان کے اوقات کی خیر و برکت کا کیا کہنا؟ بلاشبہہ یہ نفوس قدسیہ بڑی پاکیزہ اور نورانی زندگی گذار کر دنیا سے تشریف لے گئے۔ یقیناً ان مردانِ خدا کی تنہا ذات بے شمار صفات قدسیہ کا ایک قابلِ دید مرقع تھی۔ خوب کہا ہے کسی حق شناس نے کہ ؎

ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انھیں خلوت گزینوں میں

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۸۴

چالیس حج

مشہور اور نامور محدث حضرت وکیع بن الجراح جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت ہی والہانہ عقیدت رکھنے والے شاگرد رشید ہیں۔ جن کا تذکرہ میں نے اپنی کتاب "اولیاء رجال الحدیث" میں بھی تحریر کیا ہے۔ یہ اپنے علم و فضل کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت میں بھی اپنے وقت کے فرد فرید تھے۔ آپ نے چالیس حج کئے۔ اور "آبادان" کے جہاد میں چالیس دن تک مجاہدانہ شان کے ساتھ مقیم رہے اور جہاد کے اِن چالیس دنوں میں روزانہ ایک ختم قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ چالیس دنوں میں چالیس ختم پورے ہو گئے۔ اپنی زندگی میں چالیس ہزار درہم خیرات کئے۔ اور چالیس ہزار حدیثوں کی روایت فرماتے رہے اور عمر بھر کبھی پیٹھ لگا کر نہیں سوئے۔ سفرِ حج سے واپس ہوتے ہوئے ۱۹۹ھ میں عراق کے راستے میں وصال فرمایا۔[1]

تبصرہ | ایک عالمِ دین کا درسِ حدیث کے مشغلہ کے ساتھ ساتھ اس قدر قسم قسم کی عبادتوں میں دن رات مشغول رہنا پھر سفرِ حج اور جہاد بھی کرتے رہنا۔ یقیناً یہ آجکل کے کم ہمت لوگوں کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ کراماتی زندگی بجز توفیقِ ربانی کے ممکن بھی نہیں جن نفوسِ قدسیہ پر خداوندِ عالم کا فضلِ عظیم ہو جاتا ہے وہی ان سعادتوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ یہ محدثین کرام اور علمائے سلف یقیناً فضلِ خداوندی کے مظہر ہیں کہ مولیٰ عزّوجل نے اپنی توفیق سے نوازا ہے کہ ان کے اسلامی کارناموں، اور ان کی عبادتوں اور ریاضتوں کو دیکھ کر عقلِ انسانی دنگ اور اپنے فہمِ ناقص کی نارسائی پر کفِ افسوس ملنے لگتی ہے۔ ایسے بہت سے محدثین کرام اور فضلائے عظام گزرے ہیں جن کی عبادتوں اور ریاضتوں کی کثرت کو کرامت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

مگر افسوس کہ آجکل ان نفوسِ قدسیہ کا وجود دنیا سے تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ آج کل ہم علما کرام کہلانے والوں کا تو یہ حال ہے کہ نمازِ پنجگانہ باجماعت کی بھی پابندی نہیں کرتے۔ نوافل کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ مولیٰ عزوجل اپنا فضل فرمائے اور ہم بدبختوں کو اپنے ان محبوب بندوں کے صدقے

---

[1] مستطرف ج ۱ ص ۱۳۸ و طبقات شعرانی

میں توفیقِ خیر رفیق کی کرامتوں سے سرفراز فرمائے کہ ہم اپنے سلف صالحین کی پیروی کر کے دولتِ دارین اور نعمتِ کونین کی سعادتوں سے سرفراز ہوں۔ ورنہ اس دور میں تو علماء و صوفیا کے احوال کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر اقبال کے قول کی تصدیق کرنی ہی پڑتی ہے جس کو انھوں نے بڑی صاف گوئی کیساتھ کہا ہے کہ ؎

صوفی کی طریقت میں فقط مستیِ احوال — مُلا کی شریعت میں فقط مستیِ گفتار
شاعر کی نوا مُردہ و افسردہ و بے ذوق — افکار میں سرمست۔ نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مُجاھد نظر آتا نہیں مجھ کو — ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستیِ کردار

کرامات

قطرے کو کریں دریا ذرّوں کو مہ و انجم

اللہ رے! مستوں کی "کرامات" کا عالم

کبوتروں کی تسبیح

شیخ ابو عمرو جو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مُریدین میں بڑے ہی باکمال بزرگ ہوئے ہیں انکو توجہ الی اللہ اور بیعت کا واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک رات بستر پر لیٹے لیٹے پانچ کبوتروں کی تسبیح سُنی ایک کبوتر نے پڑھا کہ سُبْحٰنَ مَنْ عِنْدَہٗ خَزَائِنُ کُلِّ شَیْءٍ وَمَا یُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ یعنی پاک ہے وہ ذات جس کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور وہ اُس کو ایک معیّن مقدار کے ساتھ نازل فرماتا ہے۔ دوسرے کبوتر نے یہ تسبیح پڑھی کہ سُبْحٰنَ مَنْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر اُس کو ہدایت دی۔ تیسرے نے یہ پڑھا کہ سُبْحٰنَ مَنْ بَعَثَ الْاَنْبِیَاءَ حُجَّۃً عَلٰی خَلْقِہٖ وَفَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے انبیا علیہم السلام کو اپنی مخلوق پر دلیل بناکر بھیجا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے افضل بنایا چوتھے نے یوں تسبیح کی کہ کُلُّ مَا فِی الدُّنْیَا بَاطِلٌ اِلَّا مَا کَانَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ یعنی دُنیا کی ہر چیز باطل ہے بجز اُن چیزوں کے جو اللہ اور اُس کے رسول کے لئے ہوں۔ پانچویں نے یہ صدا سُنائی کہ یَا اَھْلَ الْغَفْلَۃِ قُوْمُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ یُعْطِی الْجَزِیْلَ وَیَغْفِرُ الذَّنْبَ الْعَظِیْمَ یعنی اے غافلو! اپنے رب کے لئے قیام کرو۔ وہ بڑی بڑی نعمتیں دیتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

شیخ ابو عمرو ان کبوتروں کی تسبیحات کو سُن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ بیہوش ہو گئے۔ پھر جب ان کے ہوش و حواس درست ہوئے تو ایک دم ان کی دُنیائے دِل میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا اور دُنیا سے نفرت و بیزاری پیدا ہو گئی۔ اور اُسی وقت انھوں نے یہ عزم کر لیا کہ میں اب اپنے کو کسی شیخ وقت کے سپرد کر دوں گا۔ اور ذکر و فکر اور یاد الٰہی میں اپنی بقیہ زندگی گذار دوں گا۔ چنانچہ فوراً ہی اُن کے پاس ایک بہت ہی باوقار شیخ تشریف لائے۔ اور انھوں نے بتایا کہ میں "خضر" ہوں اور ابھی ابھی حضرت غوث اعظم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا تو حضرت ممدوح نے مجھ سے فرمایا کہ اے خواجہ خضر! اس وقت ایک بندۂ خدا کو جذب الٰہی نے اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ لہٰذا آپ تشریف لے جاکر اُس کو میرے پاس لائیے تاکہ

اُس کو میں خدا تک پہنچنے کا راستہ بتاؤں۔ حضرت خواجہ خضر کی گفتگو سن کر شیخ ابو عمرو کا جذبۂ شوق عشق کی حد تک پہنچ گیا، اور وہ بغداد کے سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ خضر نے اپنی کرامت سے تھوڑی ہی دیر میں اُنکو بغداد حضرت غوث اعظم کی درگاہِ معلّٰی میں پہنچا دیا۔ جس وقت ابو عمرو بارگاہ غوثیت میں حاضر ہوئے تو ان کے دیکھتے ہی حضرت غوث اعظم نے فرمایا کہ مَرْحَبًا بِمَنْ جَذَبَهُ مَوْلَاهُ بِاَلْسِنَةِ الطَّيْرِ وَجَمَعَ لَهٗ كَثِيْرًا مِّنَ الْخَيْرِ یعنی خوش آمدید! اے وہ شخص کہ جس کو اُس کے مولیٰ نے پرندوں کی زبان سے نغمۂ حق سنا کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور اُس کے لئے خیر کثیر جمع فرما دیا[1]

تبصرہ اس عبرت خیز حکایت کے دامن میں بڑے بڑے نتائج کے گوہر آبدار اور بڑی بڑی عبرتوں کے دُرِ شہوار بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند موتیوں کا آپ بھی نظارہ فرما لیجئے!

(۱) شیخ ابو عمرو کو بڑے بڑے محدّثین کی درسگاہوں اور بڑے آتش بیان مقرّرین کے وعظوں سے خدا شناسی اور معرفت الٰہی کا وہ جذبہ نہیں ہوا جو پانچ کبوتروں کی تسبیحات سے پیدا ہو گیا۔ کہ ایک دم ان کے دل کی دنیا ہی بدل ہو گئی۔ اور اُن کے ظاہر و باطن میں ایسا عظیم انقلاب برپا ہو گیا کہ آن کی آن میں "جذبۂ الٰہیّہ" نے انھیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور ان کے دل و دماغ کے ہر ہر گوشے گوشے میں ربانی کشش کا ایسا برقی کرنٹ پیدا ہو گیا۔ اور خداوند قدوس کی محبت و معرفت کی بجلیاں اس طرح ان کے ذرّاتِ وجود میں کوندنے لگیں کہ اُن کے بدن کا بال بال زبانِ حال سے پکار اٹھا کہ ؎

دِل ہے خیالِ یار کا محشر لئے ہوئے — قطرہ ہے بے قرار سمندر لئے ہوئے
میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں — رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے خنجر لئے ہوئے

یہ درحقیقت حضرت حق جل مجدہٗ کی توفیق کا ایک بہت روشن جلوہ ہے۔ اُس رحیم و کریم مولیٰ کے لطف و کرم کا یہی خیال ہے کہ جب وہ چاہتا ہے تو غیب سے کوئی ایسا سامان پیدا فرما دیتا ہے کہ آن کی آن میں مفلس و قلاش بندہ تمام جہان کے وبال اور دُنیا بھر کے جنجال سے آزاد ہو کر دم زدن میں اس کے وصال کی دولتِ لازوال سے مالا مال اور اس کے فیضانِ جود و نوال سے نہال ہو جاتا ہے۔ اور خدا کی اس شانِ کرم اور اُس کی ذرہ نوازی کو دیکھ کر فرطِ حیرت سے اُسکی قدرت کو یاد کرتے ہوئے بے اختیار

[1] روح البیان ج ۵ ص ۱۶۴

اس طرح اس کی عظمت و کبریائی کا خطبہ پڑھنے لگتا ہے کہ ؎

تو اگر چاہے تو ذرے کو بھی صحرا کر دے اور اِک قطرۂ بے مایہ کو دریا کر دے
ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ قدرت کا تری کن کہہ کے تو کونین کو پیدا کر دے

برسوں کی عبادت و ریاضت شب بیداری، گریہ وزاری، کوئی چیز بھی بغیر اُس کی توفیق اور اُس کے کرم کے اُس کے جامِ محبت کے آبِ حیات کے لئے خضرِ راہ نہیں بن سکتی۔ بہت سے مردانِ عبادت گذار اور زاہدانِ شب زندہ دار اس حسرت و تمنا میں برسوں سر رگڑ رگڑ کر مر گئے کہ یارِ حقیقی کے جلووں کی ایک جھلک نظر آجائے مگر توفیقِ ربانی نے جب ان کی دستگیری نہیں فرمائی تو انھیں وصالِ یار کی شرابِ طہور کے چھلکتے جام میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ملا۔ اور وہ "العطش العطش" پکارتے ہوئے پیاسے ہی دنیا سے چلے گئے۔ اس لئے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عبادات و ریاضات مجاہدات و مراقبات گو خداوند ذوالجلال کے وصال کے لئے وسائل و ذرائع ضرور ہیں۔ مگر وصالِ یار کا حقیقی دار و مدار توفیقِ پروردگار اور اُس کے فضل و کرم کا دریائے ناپیدا کنار ہی ہے۔ خدا کی قسم بے اُسکی توفیق اور بغیر اس کے فضل و کرم کے کوئی شخص ہرگز ہرگز کبھی خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شخص کو اس حقانی حقیقت کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

منقول ہے کہ بادشاہ بغداد برسوں سے یہ تمنا رکھتا تھا کہ حضرت بہلول دانا علیہ الرحمہ سے ملاقات کرے مگر اس مستِ الست کے استغنار و بے نیازی کی ٹھوکر سے ہمیشہ بادشاہ کی عظمتِ شہنشاہی پامال ہی ہوتی رہی اور کبھی بھی آپنے دربارِ شاہی میں قدم رکھنا گوارا نہیں فرمایا۔ آخر ایک دِن ایسا اتفاق درپیش ہو گیا کہ آپ شاہی محل والے روڈ سے گذر رہے تھے۔ بادشاہ نے محل کی چھت سے آپ کو دیکھ لیا۔ فوراً ہی کمند ڈال کر آپ کو ایک دم محل کی چھت پر کھینچ لیا۔ بادشاہ نے آپ سے دریافت کیا کہ بہلول بابا! یہ بتلایئے کہ آپ خدا تک کس طرح پہنچے؟ آپنے فرمایا کہ "جس طرح آپ کے پاس پہنچ گیا" بادشاہ نے پوچھا کہ میرے پاس آپ کس طرح پہنچے، تو آپنے جواب دیا کہ "جس طرح میں خدا تک پہنچا"۔ بادشاہ نے

اس جواب سے حیران ہو کر عرض کیا کہ حضور! میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ آپ نے فرمایا کہ اے بادشاہ! میرا مطلب یہ ہے کہ اگر میں خود آپ کے پاس پہنچنا چاہتا تو میں نہا دھو کر، لباس فاخرہ پہن کر دربان کی عنایتوں کا مرہونِ منت بنتا، محل تک پہنچتا۔ عرضی پیش کرتا۔ پھر گھنٹوں بلکہ پہر دن تک انتظار کرتا پھر بھی کچھ ضروری نہیں کہ میں آپ کے پاس پہنچ ہی جاتا۔ ممکن ہے کہ آپ میری درخواست کو ٹھکرا دیتے۔ لیکن جب آپ نے مجھے بلانا چاہا تو ایک منٹ میں کمند ڈال کر مجھے اپنے دربار میں بلا لیا بس یہی حال خدا تک پہنچنے کا ہے۔ کہ بندہ برسوں عبادت و ریاضت میں رہ کر سجدے میں سر رگڑ رگڑ کر وصالِ خداوندی کا طلبگار ہوتا ہے۔ ہزاروں مجاہدات کر ڈالتا ہے مگر خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن خداوند کریم جب خود کسی بندے کو اپنے قرب و وصال کی دولت سے نوازنا چاہتا ہے تو بس آنِ واحد میں اس کے دل کے اندر ایک جذبۂ حق پیدا فرما کر بندے کو خود اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور بندہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

(۲) اس حکایت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ چرندوں اور پرندوں کی صدائیں بالکل مہمل اور بے معنی آوازیں نہیں ہیں بلکہ ہر چرند و پرند اپنی اپنی زبانوں میں خداوند سبوح و قدوس کی تسبیحات کا وِرد کرتا رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان ان کی صداؤں کی تسبیحوں اور ان کے اوراد و وظائف کو نہیں سمجھ سکتا۔ مگر یہ ایمان رکھنا لازم ہے کہ چرندوں اور پرندوں کی بولیاں محض ایک لغو و مہمل شور و غوغا نہیں ہیں بلکہ یہ تسبیحاتِ خداوندی کے پُرکیف نغمات ہیں جو ان مستانِ شرابِ محبت کی زبانوں سے نکل رہے ہیں۔ ہرگز ہرگز کبھی ان پرندوں اور چرندوں کی آوازوں کو حقارت کے ساتھ نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی اس نصیحت کو پیشِ نظر رکھ کر عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ ؎

گفتم ایں شرطِ آدمیت نیست　　　مرغ تسبیح خوان و من خاموش

یعنی آدمی کی آدمیت کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں ہے کہ پرند تو خدا کی تسبیح پڑھے اور میں خاموش رہوں۔

اور خداوند قدوس کے اس فرمان پر ہمیشہ ایمان رکھنا چاہیئے کہ "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ" یعنی ہر چیز خدا کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح پڑھتی ہے لیکن تم انسان ان کی تسبیحوں کو سمجھ نہیں سکتے۔

لیکن اگر کسی بندے پر مولیٰ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو جاتا ہے تو وہ اُن بندوں کو اُن کی تسبیحات سمجھا دیتا ہے۔ اَور وہ نہ صرف انھیں سُن لیتے ہیں بلکہ اسکو سمجھ کر اس قدر متاثر بھی ہو جاتے ہیں کہ پہلے تو دنیائے ہوش و خرد سے بے نیاز ہو کر مدہوش اَور بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ پھر ایسے ہوش میں آتے ہیں کہ انھیں خدا کے سوا کسی کا ہوش نہیں رہ جاتا۔ انھیں صرف خُدا ہی خُدا یاد رہتا ہے اور سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس حکایت میں شیخ ابو عمرو کا حال ہوا۔ یہی مضمون ہے جس کو حضرت سعدیؒ نے ایک معنی خیز شعر میں کتنے اچھے انداز میں پیش فرمایا ہے کہ ؎

کسانیکہ وحدت پرستی کنند به آواز دولاب مستی کنند

یعنی جو لوگ وحدتِ الٰہی کے پرستار ہو جاتے ہیں وہ چرخی کی "چرخ چوں" "چرخ چوں" کی آواز پر بھی مست ہو جایا کرتے ہیں کیونکہ اس آواز میں بھی انھیں کسی عبرت خیز تسبیح ربانی کے کیف آور نغمات کی مست کرنے والی دُھن سنائی دیتی ہے۔ جس کے کیف و سرور سے اُن کے دنیائے دل زیر و زبر ہو جایا کرتی ہے۔ اَور وہ جذبۂ حق سے سرشار ہو کر خدا سے واصل اور ماسوا اللہ سے غافل ہو جاتے ہیں اَور ان کا ایک ہی نعرہ ہوتا ہے جس کی ہیبت و جلالت سے سارا عالم دہلنے اور لرزنے لگتا ہے کہ ؎

یکے دان و یکے بین و یکے گوے یکے خواہ و یکے خوان و یکے جوے

یعنی بس ایک ہی ذات کو جانو۔ ایک ہی ذات کو دیکھو ایک ہی ذات کی بات کرو۔ ایک ہی ذات کو چاہو۔ ایک ہی ذات کو پڑھتے رہو۔ حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ پر یہی حال طاری ہو گیا تھا تو انھوں نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنے حال کو اس طرح لباسِ مقال پہنایا کہ ؎

ان آنکھوں کو جب سے بصارت ملی ہے سوا تیرے کچھ میں نے دیکھا نہیں ہے

اَور اصغر گونڈوی مرحوم نے انھیں باخدا بزرگوں کے حال کی ترجمانی فرماتے ہوئے اس حقیقت کو

اپنے ایک شعر کے قالب میں ڈھال دیا ہے کہ ؎

جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے ردائے لالہ و گل پردۂ مہ و انجم

(۲) اس حکایت سے اس حقیقت کا بھی انکشاف ہو گیا کہ سیکڑوں میل دور ابو عمرو کے دل میں خدا شناسی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اور انھوں نے اپنے کو ابھی کسی شیخ کامل کے سپرد کرنے کا صرف دل میں ارادہ ہی کیا تھا۔ کہ ان کے دل کے تمام خیالات اور اُن پر گذرے ہوئے تمام حالات بغداد میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر ظاہر و منکشف ہو گئے۔ اور آپ نے حضرت خواجہ خضر کو اُن کے پاس بھیج کر انھیں دربار غوثیت میں طلب فرما کر منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ اولیاء اللہ کی چشم بصیرت کی حدِ نگاہ کی کیا منزل ہوا کرتی ہے؟ طویل صحراؤں گھنے جنگلات، گہرے سمندروں، اونچے پہاڑوں، گھٹاٹوپ تاریکیوں کے کوئی حجابات بھی اولیاء اللہ کی حق شناسی اور حقیقت بیں نگاہوں کے سامنے رکاوٹ بن کر دیکھ لینے سے حاجب و مانع نہیں ہو سکتے۔ تمام عالم اور جہاں بھر کے کوائف و احوال آٹھوں پہر اُن کے پیش نظر رہتے ہیں۔ اور وہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے کائنات ملک و ملکوت کا معاینہ اور مشاہدہ فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ خود حضرت غوث اعظم نے اپنے قصیدۂ غوثیہ میں ارشاد فرمایا

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللہِ جَمْعًا کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھ لیا۔ جس طرح کوئی رائی کے دانے کو دیکھ لے اور میرا یہ مشاہدہ اور معائنہ صرف کبھی کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ میں ہمیشہ اور لگاتار اسی طرح دیکھتا رہتا ہوں۔

بسحان اللہ! اللہ والوں کی نگاہ معرفت اور چشم بصیرت کا کیا کہنا؟ دیکھتے سب ہیں مگر کہاں ہمارا دیکھنا؟ اور کہاں اللہ والوں کا دیکھنا؟ واللہ بڑا فرق ہے۔ بخدا بے انتہا تفاوت ہے کیوں نہ ہو؟ یہ ایک بڑی سچی حقیقت ہے کہ ؎

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن "ملا" کی اذاں اور "مجاہد" کی اذاں اور

کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

حلال مُرغ حرام مُرغ

منقول ہے کہ حضرت مخدوم جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار شریف کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں زیارت گاہِ خلائق ہے سیر و سیاحت فرماتے ہوئے چین کی سرحد کے قریب ایک قصبہ میں کسی امیر کے مہمان ہوئے۔ امیر نے بغرض امتحان دو مرغ مُسلّم تیار کرایا۔ ایک حلال کمائی کا اور دُوسرا حرام کمائی کا۔ تمام کھانوں کے کھانوں کے ساتھ دونوں مُرغ بھی دستر خوان پر رکھے گئے۔ آپ ہر کھانے میں سے تناول فرماتے رہے۔ مگر مُرغ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ امیر نے جب بار بار اصرار کیا کہ حضور والا مُرغ مُسلّم بھی ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ تو آپ نے حلال کمائی کا مرغ مسلّم اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا اور حرام کمائی والا مرغ امیر اور اس کے ہم نوالہ وہم پیالہ لوگوں کی طرف بڑھا دیا اور فرمایا کہ درویش صرف لقمہ حلال کھاتے ہیں۔ اس واقعہ سے امیر اپنے دل میں بہت نادم ہوا۔ اور یہ حقیقت آفتاب بن کر اُس کے دل میں چمک اُٹھی۔ کہ اللہ والوں کی حق بیں نگاہوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔ وہ انسانوں کے دِل میں چُھپے ہوئے خیالات و خطرات کو بھی اس طرح دیکھ لیا کرتے ہیں جس طرح عام لوگ چودھویں رات کے چاند کو دیکھا کرتے ہیں [1]

ہم لوگ غوغائی ہیں

ایک مرتبہ حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ قصبہ جائس ضلع رائے بریلی میں قیام فرما تھے۔ آپ پر چشتی نسبت کا غلبہ تھا۔ اس لئے آپ کے اصحاب "ذکر جہری" زور شور سے کرتے تھے۔ قصبہ کے ایک فقیہ عالم مولانا غلام الدین نے ذکر کا شور سُن کر فرمایا کہ "یہ غوغائی لوگ کہاں سے آگئے" اس کے بعد مولانا صاحب ممدوح ایک بزرگ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اتفاق سے اُس مجلس میں حضرت مخدوم سمنانی قدس سرہٗ بھی اپنے اصحاب و مُریدین کے ساتھ رونق افروز تھے

[1] تذکرۂ مخدوم ص ۳۱

مولانا صاحب نے صاحبِ مجلس بزرگ سے حاضرین کے تعارف کی درخواست کی۔ تو قبل اس کے بزرگ صاحب کوئی جواب دیں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ "ہم لوگ غزغائی ہیں۔" مولانا صاحب ایک پوشیدہ بات کو جو مکان کی کوٹھری میں زبان سے نکل گئی تھی۔ حضرت مخدوم کی زبان سے سُن کر مارے ندامت کے شرم سے پانی پانی ہو گئے۔ اور دست بستہ معذرت کرنے لگے۔[1]

تبصرہ ان دونوں واقعات میں کتنی صاف اس حقیقت کی تجلی ہے کہ اولیاء اللہ کی بصیرت اور قلبی بینائی کی روشنی سے نہ محسوسات مخفی رہتے ہیں نہ معقولات۔ جن کی نگاہیں لوحِ محفوظ کے رموز و اسرار تک رسائی رکھتی ہیں۔ ان کے دلوں کی بینائی کی توانائیوں سے بھلا عالمِ شہادت کی کونسی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ واقعی اللہ والوں کے سمع و بصر، بینائی و نظر، علم و ادراک، بصارت و بصیرت عام انسانی حواس اور اُن کے علوم و معارف سے بہت بالاتر ہیں۔ ان ہی باخدا بندوں کے احوال و مقامات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک مومنِ کامل کو خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صید زبوں افرشتہ و حور کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو

خلیفہ مہدی اور امام موسیٰ کاظم

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نورِ نظر حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کو بادشاہِ بغداد خلیفہ مہدی نے بغاوت کا الزام لگا کر قید کر دیا۔ آپ صبر و سکون کے ساتھ جیل خانہ کے اندر عبادت و ریاضت میں مصروف و مشغول رہے۔ اچانک ایک رات مہدی نے یہ خواب دیکھا کہ حضرت مولائے کائنات جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ آیت تلاوت فرما رہے ہیں کہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ۔ یعنی کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں؟ کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو۔

خلیفہ مہدی حضرت شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ کی زبانِ فیض ترجمان سے یہ آیت سُن کر تڑپ گیا اور

[1] تذکرہ مخدوم صـ ۳۴

اپنے اس خواب سے چونک کر اس نے رات ہی میں اپنے دربان "ربیع" کو بلایا۔ ربیع گھبرایا ہوا آیا تو دیکھا کہ خلیفہ مہدی نہایت خوش الحانی کے ساتھ یہی آیت تلاوت کر رہا ہے۔ ربیع کے آتے ہی خلیفہ مہدی نے اُس سے اپنا خواب بیان کیا اور حکم دیا کہ ابھی ابھی اسی وقت تم حضرت امام موسیٰ کاظم کو قید خانے سے رہا کر کے میری خواب گاہ میں لاؤ۔ چنانچہ فوراً ربیع روانہ ہو گیا اور حضرت امام ممدوح کو خلیفہ مہدی کی خواب گاہ میں پہنچا دیا۔ خلیفہ نے حضرت امام کا استقبال کیا۔ اور انتہائی گرم جوشی کے ساتھ معانقہ کر کے اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اور عرض کیا کہ میں نے ابھی ابھی خواب میں حضرت اسد اللہ الغالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور یقیناً حضرت مولائے کائنات نے مجھے تنبیہ فرمائی ہے کہ میں نے آپ کو قید کیوں کر رکھا ہے؟ لہٰذا آپ مجھ سے یہ عہد فرمائیے کہ آپ میرے خلاف یا میری اولاد کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے۔ تو ابھی ابھی آپ کو رہا کرتا ہوں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ امیر المومنین! بغاوت میرا کام نہیں اور میں بالکل ہی بے قصور ہوں۔ یہ سنتے ہی خلیفہ مہدی نے حکم دیا کہ اے ربیع! تین ہزار دینار حضرت امام کی خدمت میں نذرانہ پیش کرو اور ان کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ مدینہ منورہ ان کے اہل و عیال کے پاس بھیج دو۔ چنانچہ ربیع نے جلدی جلدی رات ہی میں سارا انتظام کر دیا۔ اور صبح ہوتے ہوتے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔[۱]

تبصرہ | اس تاریخی حکایت میں حضرت شیر خدا اور حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت اور خداداد تصرفات کے جو جلوے نظر آ رہے ہیں وہ کسی اہل فہم پر پوشیدہ نہیں۔ کیوں نہ ہو کہ مولائے کائنات کی ذات والا صفات سرچشمہ ولایت اور منبع تصرفات ہے۔ بلاشبہ آپ سید الواصلین ہیں۔ اور آپ کی آل امجاد یقیناً آپ کے کمالات کی صحیح وارث اور آپ کے جانشین ہیں۔ اللہ اکبر! بالکل حق کہا کسی حق شناس شاعر نے کہ ؎

علی کا گھر بھی وہ گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ
جہاں پیدا ہوا، شیر خدا معلوم ہوتا ہے

ایک عبرت انگیز خواب

حافظ حدیث "عبد الرحمن بن مندہ" کا ان علماء حق میں شمار ہے جو بد مذہبوں اور باطل فرقوں کے حق

---

[۱] مستطرف ج ۲ ص ۲۷

میں برقی خاطف تھے۔ اور بلا خوف کلمۂ حق کہتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ابوالقاسم زنجانی کعبہ مکرمہ کے پاس علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ اس دَور پر فتن میں اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کے ذریعے اسلام کی حفاظت فرمائی۔ ایک عبدالرحمن بن مندہ دوسرے عبداللہ بن محمد انصاری کہ یہ دونوں گمراہیوں کی خوفناک آندھیوں میں بھی استقامت کا پہاڑ بنے ہوئے ڈٹے رہے۔ اور گمراہ فرقوں کے دل بادل لشکروں سے تنہا زبانی و قلمی جہاد فرماتے رہے!

"ابوطالب بن طباطبا" کا بیان ہے کہ میں عبدالرحمٰن بن مندہ سے غائبانہ بغض رکھتا تھا۔ اور ان کو ہمیشہ گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک دِن ناگہاں میں نے خواب میں امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو دیکھا۔ کہ اُن کے ہاتھ میں ایک شخص کا ہاتھ ہے جو نیلے رنگ کا جُبہ پہنے ہوئے ہیں اور کوئی زور زور سے یہ کہہ رہا ہے کہ اے ابوطالب دیکھ لے۔ یہ امیرالمومنین حضرت عمر ہیں جو عبدالرحمن بن مندہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ ابوطالب کہتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر حضرت امیرالمومنین کو سلام کیا۔ تو انھوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اور انتہائی ناگواری کے ساتھ اپنی پُرجلال آواز سے فرمایا کہ تم ان کو گالیاں کیوں دیا کرتے ہو؟ ابوطالب کہتے ہیں کہ میں اس خواب سے چونکا اَور خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو کر اٹھا اور فوراً ہی عبدالرحمن بن مندہ کی زیارت کے لئے اصفہان روانہ ہو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ عبدالرحمن بن مندہ نیلا جُبہ پہنے ہوئے ہو بہو وہی شخص ہیں جن کا ہاتھ میں نے خواب میں حضرت امیرالمومنین کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔ میں نے جیسے ہی پہنچ کر انھیں سلام کیا تو انھوں نے وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا اَبَا طَالِبْ! کہہ کر جواب دیا۔ میں حیران رہ گیا۔ کہ آخر انہیں میرا نام کس طرح معلوم ہو گیا؟ پھر میں ابھی کچھ بولنے بھی نہیں پایا تھا کہ انھوں نے یہ فرمایا کہ اے ابوطالب! جس چیز کو اللہ تعالیٰ اَور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے حرام فرما دیا ہے۔ کیا ہم میں کسی کی مجال ہے کہ کوئی اُسکو حلال کر سکتا ہے؟ میں نے انھیں خدا کی قسم دلاتے ہوئے گڑگڑا کر اُن سے معافی مانگی۔ اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں نے تمہاری سب بے ادبیوں کو معاف کر دیا۔[1]

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۴۰

تبصرہ اِس رقّت انگیز اور عبرت خیز حکایت میں جہاں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حافظ عبد الرحمٰن بن مندہ کے تصرفات اور کرامتوں کا نور نظر آتا ہے۔ وہاں اس واقعہ سے اس معاملہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جو علمائے حق دین کی نصرت و حمایت میں گمراہ فرقوں کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ اُن پر بزرگان دین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دامنِ امداد و اعانت ہر وقت سایہ فگن رہتا ہے۔ اور یہ علما مجاہدین اس قدر سلف صالحین کے محبوب اور پیارے ہوتے ہیں۔ کہ اُن سے بغض و عناد رکھنے والا اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو بزرگوں کی نظر میں اس قابل نہیں رہتا کہ اس کا سلام بھی اُن کے دربار میں مقبول ہو۔ چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ "ابو طالب بن طباطبا" کا سلام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی بنا پر قبول نہیں فرمایا کہ وہ عبد الرحمٰن بن مندہ جیسے حق پرست اور حقانی عالم کو گالیاں دیا کرتے تھے اور اُن سے بغض و عناد رکھتے تھے!

اس واقعہ میں اُن جاہل اور بے ادب مسلمانوں کے لئے بہت بڑا تازیانۂ عبرت ہے۔ جو بلا وجہ علمائے حق کے خلاف طعن و تشنیع اور زبان درازیاں کرتے رہتے ہیں انھیں ہوش میں آجانا چاہئے کہ وہ بزرگانِ سلف کی مقدس نگاہوں میں کہیں اتنے ذلیل اور قابل نفرت نہ ہو جائیں۔ کہ ان کا سلام بھی ان کے لئے قابل قبول نہ ہو اور یاد رکھئے کہ جو اللہ والوں کی نظر سے گر گیا۔ خدا کی قسم یقین فرمایئے وہ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم ہو گیا۔ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ یعنی مولا عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص کسی ولی سے دشمنی رکھے اس کے لئے میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ توبہ نعوذ باللہ! خداوند کریم بزرگانِ دین کی نگاہِ قہر و غضب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ بخدا یہ وہ زہر ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔ واللہ۔ یہ وہ تلوار ہے جس کی کوئی ڈھال نہیں کیا آپ نے یہ نہیں سنا ہے کہ ؎

نگاہ مردِ مومن برق عالم سوز ہوتی ہے
اگر گر جائے یہ بجلی تو دُنیا خاک ہو جائے

چھپے درویش

حضرت ابو سعید خراز کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے حرم کعبہ میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے بدن

پر بس اتنا ہی کپڑا تھا کہ ناف سے گھٹنے تک بدن چھپا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر میرے قلب میں کچھ نفرت اور گھن پیدا ہوئی۔ اور میں نے اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا تو اُس نے فوراً ہی میری طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی کہ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ فَاحۡذَرُوۡہُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دِلوں کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے لہٰذا اُس سے ڈرو۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ یہ آیت اُس کی زبان سے سُن کر میں بے حد شرمندہ ہوا اور دل ہی دل میں توبہ واستغفار کرنے لگا۔ تو اُس نے میری طرف دیکھ کر یہ آیت تلاوت کر دی کہ وَھُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے[۱]

تبصرہ یہ برہنہ درویش یقیناً کوئی صاحبِ کشف بزرگ تھے جنہوں نے اپنے حال اور کمال کو چھپانے کے لئے یہ ہیئت بنائی تھی۔ ایسے بہت سے خاصانِ خدا ہیں کہ ان کی ظاہری شکل وصورت سے اُن کے بلند حال اور اعلیٰ کمال کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی لوگ چھپے درویش کہلاتے ہیں۔ اور ان کا حال گدڑی میں لعل جیسا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رُبَّ اَشۡعَثَ اَغۡبَرَ مَدۡفُوۡعٍ بِالۡاَبۡوَابِ لَوۡ اَقۡسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ یعنی بہت سے ایسے بندگانِ خدا ہیں جن کے بال اُلجھے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں۔ جن کو لوگ (حقیر سمجھ کر) اپنے دروازوں سے دھکا دے کر بھگا دیتے ہیں لیکن خداوندِ ذوالجلال کے دربار میں ان کی مقبولیت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر وہ کبھی بڑی سے بڑی بات کی قسم کھا لیں تو خداوندِ کریم ضرور ان کی قسم کو پوری فرما دیتا ہے۔ ظاہری آنکھوں سے ان بزرگوں کے مقام وحال کا کمال نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور باطنی آنکھیں ہر شخص کے پاس موجود نہیں۔ اس لئے یہ لوگ پہچانے نہیں جاتے اور یہ لوگ خود بھی اپنے لباس وخوراک اور اپنے طرزِ زندگی کی سادگی اور ظاہری بے ڈھنگا پن ظاہر کر کے اپنے حال کو چھپائے رہتے ہیں۔ مگر یہ لوگ اس قدر قوی جذبہ اور روحانی طاقت کے مالک ہوتے ہیں کہ اگر جلال میں آجائیں تو ایک نگاہ ڈال کر عالم ملک میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیں۔ اور اُن لوگوں پر خداوندِ کریم کا اتنا پیار ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ مقبولیت کی ایسی منزلِ بلند پر فائز ہوتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کسی پہاڑ کے ٹل جانے کی یا کسی سمندر کے خشک ہو جانے کی بھی دعا مانگ لیں تو مولیٰ عزوجل ضرور اپنے کرم سے ان کی دعاؤں کو قبول فرما کر ان کی تمناؤں اور مُرادوں کو پوری فرما دیتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی

---

[۱] متطرف ج ۲ ص ۸۶

نے انھیں کمبل پوش خاک نشینوں کے تصرفات وکرامات اور ان کی روحانی طاقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

یعنی میں یوں تو تمہارے دیکھنے میں میکدہ کا ایک فقیر ہوں۔ لیکن جب مجھ پر شراب وحدت کا نشہ اور جذباتِ الٰہیہ کی مستی سوار ہو جاتی ہے تو اس وقت مجھے دیکھو کہ آسمان میرا ناز اٹھاتا ہے اور ستاروں پر میرا حکم چلتا ہے۔ اور حدیث شریف کے فرمان کے ساتھ ساتھ برہا برس کا یہ تجربہ بھی ہے کہ یہ میلے کچیلے پراگندہ بال اور شکستہ حال فقرا جب جلال میں آجاتے ہیں تو ایسے ایسے کمال دکھلا دیتے ہیں کہ عقلِ انسانی دریائے حیرت واستعجاب میں غرقاب ہو جاتی ہے۔ اور یہ حقیقت بالکل عُریاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے کہ ؎

بشر خود اپنی طاقت سے ہلا سکتا نہیں ذرہ
جو ہو جذب یقیں پیدا تو پتھر موم ہو جائے

لہٰذا ضروری ہے کہ کسی پراگندہ بال اور خستہ حال درویش کو ہرگز ہرگز کبھی نفرت وحقارت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ ان خاک نشینوں کی اگر ہو سکے تو کچھ خدمت کرے۔ ورنہ کم سے کم اتنا ضرور خیال رکھے کہ ان کی کوئی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس کملی کے اندر کون شہنشاہ اور اس گدڑی کے اندر کیسا لعل اور اس غبار میں کیسا شہسوار چھپا ہوا ہے؟ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

کشف القلوب

شیخ الحرم سعد بن علی زنجانی بہت سے ممالک کے محدثین سے تحصیلِ علم کر لینے کے بعد مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے۔ یہ بہت ہی پرہیزگار اور عبادت گذار عالم حدیث تھے۔ اور ان کی مقبولیت اور خلقِ خدا کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ یہ جب حرم شریف میں داخل ہوتے تھے تو لوگ کعبہ معظمہ کا طواف چھوڑ کر ان کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ اور "حجر اسود" سے زیادہ لوگ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔

جب مکہ مکرمہ پر رافضیوں کا قبضہ ہو گیا تو یہ اپنے مکان کے اندر چھپ کر حدیثوں کا درس دیا کرتے تھے۔ اور مکان کے اندر ہی عبادت مصروف رہا کرتے تھے۔ ان کو خداوند عالم نے "کشف القلوب" کی کرامت سے نوازا تھا۔ چنانچہ یہ حاضرین مجلس کے قلبی خطرات، اور دلی خیالات کو اپنے کشف سے جان لیا کرتے تھے۔ "مرو" کا باشندہ ایک شخص جس کا نام ابوالمظفر تھا۔ اس کو آپ سے بے حد عقیدت ہو گئی اور اس نے یہ عزم کر لیا کہ میں کبھی اپنے وطن نہیں جاؤں گا۔ اور تمام عمر "سعد بن علی" کی خدمت و کفش برداری میں گذار دوں گا۔ لیکن اسی رات میں یہ خواب دیکھا کہ اس کی ماں سر کھولے ہوئے، پراگندہ بال اور پریشان حال کھڑی ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ اے بیٹا! میں تیری جدائی ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ ابوالمظفر کہتے ہیں کہ میں خواب سے بیدار ہو کر سخت الجھن اور ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا اور سعد بن علی کی خدمت میں مشورہ کے لئے چل دیا۔ لیکن حرم میں ان کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم تھا کہ باوجود انتہائی کوشش کے بھی ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔ جب وہ حرم سے نکلے تو میں ان کے پیچھے چلا۔ جب وہ اپنے مکان کے قریب پہنچے تو ایک دم مڑ کر مجھ سے فرمایا کہ اے ابوالمظفر! تیری بڑھیا ماں نہایت بے چینی اور بیقراری کے ساتھ تیرا انتظار کر رہی ہے۔ یہ فرمایا اور مکان میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ ابوالمظفر اپنا ارادہ فسخ کر کے اپنے وطن چلے گئے۔[1]

تبصرہ شیخ الحرم سعد بن علی زنجانی کسی خانقاہ کے پیر یا پیرزادہ، یا کسی درگاہ کے سجادہ نشین، یا کسی قبرستان کے فقیر، یا بابا نہیں تھے۔ بلکہ ایک باکمال محدث، اور علم حدیث کے مدرس اور پابند شرع عالم دین تھے۔ لیکن خدمت حدیث اور علم دین کے انوار سے خداوند قدوس نے ان کے نورانی سینہ کو اتنا مصفیٰ اور ان کے قلب منور کو اس قدر مجلّٰی فرما دیا تھا کہ یہ "کشف القلوب" کی کرامات سے سرفراز ہو گئے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں کی پوشیدہ خطرات و خیالات اور دور دراز مقامات کے کوائف و حالات ان کی نظروں کے سامنے اس طرح پیش نظر رہتے تھے کہ گویا یہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ نورانی واقعہ ان فقیروں اور باباؤں کی بند آنکھیں کھول دینے کے لئے ایک عبرت آموز تازیانہ ہدایت سے کم نہیں۔ جو اکثر یہ راگ الاپتے رہتے ہیں۔ کہ صاحبان کشف و حال تو صرف

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۴۸

فقرا اَور درویشوں ہی میں ہوتے رہے ہیں اور ہوا کرتے ہیں۔ علما تو صاحبانِ قال ہوتے ہیں اور ہمیشہ قال اقوال کی بحثوں میں الجھے ہوتے ہیں۔ انھیں ولایت کے احوال و معارف اور کشف و کرامت سے کیا تعلق ؟ اَور لطف یہ کہ یہ اقوال اُن باباؤں اَور مصنوعی فقیروں کے ہیں جو گانجہ، بھنگ کے رسیا تارکِ صوم صلوٰۃ اور تمام حدود و قیودِ شرع سے آزاد بن کر درگاہوں میں سجادہ نشین بنے بیٹھے ہیں اور اُن بزرگانِ سلف کے ناموں پر مُفت کی روٹیاں کھا رہے ہیں۔ جو علوم شریعت و معارفِ طریقت کے مجمع البحرین تھے اور جن کے تقویٰ و تقدس اَور علم و عمل نے اُمّت مسلمہ کو لاتعداد فیوض و برکات کی دولتوں سے مالا مال کیا تھا۔ مگر آج اُن نورانی مسندوں پر ایسے لوگ براجمان ہیں جو سراسر الحادی ظلمتوں کے پیکر، اَور قسم قسم کی بدعات اَور بداعتقادیوں کے مرقع، اَور طرح طرح کی بداعمالیوں کے مجسمہ ہیں۔ جن کے بارے میں ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے اَور کتنی بہترین تشبیہ دی ہے کہ،

ہاتھ آئی وراثت میں انھیں پیر کی گدی ۔۔۔ زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

کاش جاہل مسلمان ان گندم نما جَو فروش باباؤں کے دامِ تزویر سے نجات پا جاتے جو اس غلط فہمی کی عظیم و عمیق دَلدل میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ہمیں سجادہ نشین کے اعمال و افعال سے کیا مطلب ؟ ہم تو گدی کے ماننے والے ہیں۔ اس گدی پر جو بھی بیٹھے وہ ہمارا مُرشد، وہ ہمارا پیشوا، وہ ہمارا بزرگ ہے کوئی ایسا نہیں جو ان عقل کے کچّے اور گانٹھ کے پکّے جہلا کو یہ سمجھا دے کہ گدی سے گدی نشین کو بزرگی نہیں ملتی بلکہ گدی نشین کی بزرگی سے گدی کو بزرگی ملا کرتی ہے۔ اگر کسی بڑے سے بڑے بزرگ کی گدی پر بھی اگر کوئی نا اہل بیٹھ جائے تو وہ ہرگز ہرگز بزرگ نہیں ہو جائیگا۔ اَور کوئی بزرگ اگر کسی مسند پر بھی نہ بیٹھے ہوں بلکہ وہ کسی جنگل یا ویرانے میں اگر کوئی ٹوٹی چٹائی یا فرشِ خاک پر بھی بیٹھ جائیں تو بلاشبہ وہ ٹوٹی چٹائی فرشتوں کی بوسہ گاہ، اور وہ فرشِ خاک رشکِ عالمِ پاک بن جائیگا کیونکہ مسند نشین کی عظمت و بزرگی سے مسند کو عظمت و بزرگی ملا کرتی ہے۔ کیوں نہ ہو ؟ سچ فرمایا کسی عارف حال بزرگ نے کہ ؎

مَست جو ظرف اٹھالے وہی پیمانہ بنے ۔۔۔ جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی میخانہ بنے

پھر اس حکایت میں یہ جملہ بھی بہت ہی نصیحت آموز ہے کہ جب سعد بن علی حرم شریف میں آتے تھے تو حاضرینِ حرمِ الٰہی حجرِ اسود سے زیادہ ان کے مقدس ہاتھوں کو بوسہ دینے کے لئے بے قرار نظر آتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے زمانہ کے دین دار مسلمانوں کو اپنے عُلما کے ساتھ کتنا والہانہ جذبۂ عقیدت تھا۔ اور علماءِ حق سے اُن کی وابستگی اور شیفتگی کا کیا عالم تھا؟ کیوں نہ ہو کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمان اپنی دین داری میں آجکل کے مسلمانوں سے ہزاروں درجے بڑھے ہوئے تھے۔ اور جن کو دین سے تعلق اور لگاؤ ہوگا۔ وہ لازمی طور پر علماءِ دین کے عقیدت مند اور مُحب ہوں گے۔ اور آجکل کے مسلمانوں کے دلوں کی دنیا میں چونکہ دین داری کا چراغ تقریباً بجھ چکا ہے اس لئے ان کے دلوں سے علماءِ دین کے وقار و عزت اور ان کی محبت و عقیدت کا بھی جنازہ نکل گیا ہے۔ ہائے افسوس! آجکل کے نام نہاد مسلمانوں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ ؎

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

صاحبِ ہدایہ کی کرامت

شیخ برہان الدین محمود چھ سات برس کے بچے تھے اور اپنے والدِ محترم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ یکایک راستہ میں صاحبِ ہدایہ مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری آ گئی ... دیا۔ شیخ برہان الدین محمود کے والد ان کو عین راستے پر کھڑا کر کے خود کسی گلی میں چلے گئے۔ جب صاحبِ ہدایہ کی سواری قریب پہنچی تو شیخ برہان الدین محمود نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ صاحبِ ہدایہ نے بڑی تیز نگاہوں سے اس چھ سات برس کے بچے کو دیکھا کہ ایک بچہ بیچ راستے میں کھڑا ہو کر نہایت ہی مودبانہ سلام کر رہا ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے سواری روک کر حاضرین سے فرمایا کہ "خدا مجھ سے یہ بات کہلوا رہا ہے کہ یہ بچہ اپنے زمانے کا "علامہ" ہوگا۔" شیخ برہان الدین محمود یہ بشارت سُن کر چند قدم صاحبِ ہدایہ کے ساتھ چلے۔ پھر صاحبِ ہدایہ نے یہ فرمایا کہ "خدا مجھ سے یہ کہلوا رہا ہے کہ "یہ بچہ ایسے بلند مرتبہ پر فائز ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر حاضری دیں گے۔" چنانچہ صاحبِ ہدایہ کی اس پیشین گوئی کا اس طرح

ظہور ہوا کہ شیخ برہان الدین محمود اپنے دور کے اکابر علما میں ممتاز۔ اور جامع شریعت و طریقت ہوئے اور سلطان غیاث الدین بلبن آپ کا معتقد اور آپ کی مجلس کا حاضر باش ہوا۔ اور آپ اس قدر صاحب کرامت ہوتے۔ اور قبول خلائق کی ایسی بلند ترین منزل پر پہنچے کہ آپ کی قبر شریف جو حوض شمسی دہلی کے مشرقی جانب میں ہے۔ لوگ بکثرت اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ اور فرطِ عقیدت سے لوگ آپ کی قبر انور کو "تختۂ نور" کہتے ہیں۔ اور آپ کی قبر کی مٹی لوگ اپنے بچوں کو اس لئے کھلاتے ہیں کہ ان پر علم کے دروازے کھل جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی قبر پاؤں کی جانب سے کئی بار شکستہ ہوتی اور از سر نو تعمیر ہوتی رہی[1]

تبصرہ مولانا برہان الدین صاحبِ ہدایہ مرغینانی کو کون نہیں جانتا۔ آپ کی کتاب "ہدایہ شریف" فقہ حنفی کی وہ مایۂ ناز کتاب ہے کہ تمام دُنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی اور تمام دُنیا کے مدارس میں یہ کتاب داخلِ درس ہے۔ اس حکایت سے اندازہ لگایئے کہ صاحبِ ہدایہ کو علم شریعت کے کمال کے ساتھ ساتھ خداوند عالم نے کس قدر کشف و کرامات کی بلند منزل پر بھی فرمایا تھا۔ کہ آپ نے ایک سات برس کے بچے کی صورت دیکھ کر اس کے شاندار مستقبل کو علی الاعلان بیان فرما دیا۔ جو سو فیصدی صحیح ثابت ہوا۔ اب کون بدنصیب ایسا ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ طبقۂ علما میں کوئی شاہ ولایت اور صاحبِ کرامت ہوا ہی نہیں۔ صاحبِ ہدایہ عالم دین نہیں تھے تو کیا کسی تکیہ میں بھنگ گھوٹنے والے فقیر یا کسی قلندر کی گدی پر گانجہ پینے والے بابا تھے؟

برادرانِ ملت! حقیقت تو یہ ہے کہ ولایت قربِ خداوندی کی ایک خاص منزل کا نام ہے اور قربِ خداوندی کی سب سے زیادہ اہل وہی لوگ ہیں جن کے سینوں میں خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علمِ نبوت کا نور ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنا قرب خاص اپنے محبوب کے علم و عمل کے خادموں کو نہیں عطا فرمائے گا تو کیا اُن جاہل گانجہ، بھنگ پینے والوں کو عطا فرمائے گا۔ جو محبوب خدا کے علم نبوت سے اتنے محروم اور کورے ہیں کہ انھیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ استنجا کرنے کا سُنّت طریقہ کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ جس کو بھی ولایت کے شرف سے سرفراز فرماتا ہے

[1] اخبار الاخیار ص ۵۳

علم نبوت کی روشنی سے بھی ضرور اسکے سینے کو منور فرما دیتا ہے۔ اگر وہ کسی مدرسہ میں لکھ پڑھ کر علم شریعت نہیں جانتا تو مولیٰ تعالیٰ علم لدنی کے طور پر اسکو علم شریعت سکھا دیتا ہے۔

چنانچہ تاریخی تجربہ شاہد ہے کہ بہت سے ایسے خاصانِ خدا جو ولایت سے قبل علم دین سے بالکل ہی کورے تھے۔ منصب ولایت پر سرفراز ہونے کے بعد خداوند قدوس نے ان کو علم دین کی اتنی عظیم اور کثیر دولتوں سے مالا مال فرمادیا کہ بڑے بڑے علماء جب مشکل سے مشکل ترین مسائل لے کر اُن کی خدمتوں میں حاضر ہوئے تو اُن بزرگوں نے چند اشاروں میں اُن مسائل کو اسطرح حل کر دیا کہ علماء ان کے علوم کی گہرائیوں کو دیکھ کر حیرت و استعجاب کے دریا میں غرق ہو گئے۔ اور اس کے سوا کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یعنی یہ خدا کا فضل ہے اور خدا جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے اور اللہ کا فضل بہت ہی بڑا ہے۔

چنانچہ حضرت شیبان راعی جو ایک اُمّی ولی تھے اُن کی خدمت میں حضرت امام شافعی ہو کر اسطرح باادب بیٹھا کرتے تھے۔ جس طرح مکتب میں ایک بچہ اپنے اُستاد کے سامنے بیٹھا کرتا ہے اور "شیبان راعی" سے وہ اُن مشکل مسائل کو حل کراتے تھے جو انکی مجتہدانہ نگاہوں سے بھی اوجھل رہا کرتے تھے۔ اسی طرح مشہور ہے کہ شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ جو کسی مدرسہ میں پڑھے ہوئے نہیں تھے مگر عُلماء فرنگی محل لکھنؤ جب اُن سے مشکل مسائل دریافت کرتے تھے تو اُن کا جواب سُن کر حیران رہ جاتے تھے۔ اور یہ کہہ کر واپس ہوا کرتے تھے۔ کہ بلاشبہ اس کو "علم لدنی" کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ سچ ہے کہ جن برگزیدہ ہستیوں کو عشق الٰہی کا جذبہ حاصل ہو گیا۔ تمام علوم و معارف خود بخود کشاں کشاں ان کے دامنوں میں پناہ لیتے ہیں۔ بلکہ ان کے قدموں پر نثار ہوتے رہتے ہیں کیا خوب کہا شاعر مشرق نے کہ

عشق سراپا یقیں، اور یقیں فتح باب | علم ہے "ابن الکتاب" عشق ہے "اُم الکتاب"

مشکل کشا کا روضہ

شیخ محمد ترک نارنولی علیہ الرحمہ کا اصلی وطن تُرکستان ہے۔ آپ ہندوستان تشریف لائے۔ اور

نارنول میں قیام فرمایا۔ مشہور ہے کہ آپ خواجہ عثمان ہارونی کے مرید ہیں۔ قصبہ نارنول کے عوام آپکو "پیر ترک" یا "ترک سلطان" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپنے کفار کے ہاتھوں سے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور آپکا مزار شریف زیارت گاہ خلائق ہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کو بادشاہ نے زبردستی دہلی سے نکلوا دیا۔ اور ٹھٹھہ کی جانب نکل جانے کا حکم دے دیا۔ آپ نارنول کے راستہ سے ٹھٹھہ جا رہے تھے۔ جب نارنول قریب آگیا تو آپ سواری سے اتر پڑے اور شیخ محمد ترک کے مقبرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مراقبہ میں چلے گئے۔ جب مراقبے سے سر اٹھایا تو ارشاد فرمایا "کہ جس شخص کو کوئی مشکل درپیش ہو اور وہ اس روضہ کی طرف متوجہ ہو تو امید ہے کہ اس کی مشکل آسان ہو جائے گی"۔ یہ سن کر ایک بے باک نے کہا کہ حضرت! آپ تو خود اس وقت ایک بہت بڑی مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں حضرت نے فرمایا کہ ہاں۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اس مزار کی برکت سے میری مشکل آسان فرما دے گا۔ چنانچہ آپ نارنول سے دو تین منزل آگے نہ گئے ہوں گے کہ بادشاہ کی موت کی اطلاع ملی اور آپ واپس دہلی چلے گئے۔[1]

تبصرہ شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کتنے بلند پایہ عالم دین اور زہد و تقویٰ کے امام تھے۔ اس کو کون نہیں جانتا؟ آپ شیخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ اور آپکے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ دہلی محمد تغلق جب آپ کا دشمن ہوگیا تو طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے لگا۔ ایک مرتبہ محمد تغلق بادشاہ نے آپ کے یہاں چاندی سونے کے برتنوں میں اس نیت سے کھانا بھیجا کہ اگر آپ اس سلطانی دعوت کے کھانے سے انکار کریں گے تو آپ کو سزا دینے کا ایک بہانہ مل جائے گا۔ اور اگر آپنے ان سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھا لیا تو وہ ایک فعل حرام کے مرتکب ہو جائیں گے۔ پھر دوسروں کو حرام کاموں رو کنے اور منع کرنے کے قابل نہ رہیں گے۔ حضرت نے دسترخوان پر سے ایک پیالہ اٹھایا۔ اور کچھ اس میں سے نکال کر اپنے ہاتھ پر رکھ کر کھایا اس طرح بادشاہ محمد تغلق کا سارا منصوبہ ہی درہم برہم ہوگیا۔ اور وہ خائب و خاسر رہ گیا۔ محمد تغلق بڑا ہی ظالم اور علماء حق

[1] اخبار الاخیار ص ۵۴

کا انتہائی دشمن تھا۔ اور اسی ظالم نے آپ کو دہلی سے شہر بدر بھی کرایا تھا۔

بہر کیف یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے کمال کے باوجود یہ فرمایا کہ جو شخص کسی مشکل کے وقت شیخ محمد ترک کے روضہ کی طرف متوجہ ہو گا اُمید ہے اسکی مشکل حل ہو جائیگی۔ اس طرح آپنے ایک بزرگ کو "مشکل کشا" کہا۔ اور یہ عقیدہ رکھا کہ ان صاحبِ مزار کی برکت سے میری مشکل بھی حل ہو جائے گی۔ چنانچہ حل ہو گئی کہ جلد ہی ظالم بادشاہ ہلاک ہو گیا۔ اور آپ ترک وطن اور جلا وطنی کی مصیبتوں سے نجات پا گئے۔ بحمدہٖ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کا بھی یہی عقیدہ و عمل ہے کہ بزرگانِ دین کے مزاراتِ طیبہ کی برکتوں سے خداوند کریم مشکلات حل فرما دیتا ہے اور بلائیں ٹال دیتا ہے۔ دیوبندی مکتبۂ خیال کے لوگ جو ہم سُنیوں کو قبر پرست، بدعتی اور مشرک کہا کرتے ہیں انھیں غور کرنا چاہیئے کہ اُن کے تیروں سے کون کون سے بزرگوں کے تقویٰ و تقدس مجروح ہو رہے ہیں۔ اور اُن کے اندھا دُھند فتووں کی تیر اندازی سے کیسے کیسے بزرگان زخمی اور مقتول ہو رہے ہیں؟ ہم ان اناڑیوں سے اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ ؎

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دِل گیر کو
کیسے تیر انداز ہو؟ سیدھا تو پھینکو تیر کو

باطنی نظر

حضرت خواجہ حسن افغان علیہ الرحمہ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید خاص تھے اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ حسن صاحبِ ولایت اور بہت بڑے بزرگ تھے۔ یہی خواجہ حسن افغان ایک دفعہ کسی گلی سے گذرتے ہوئے ایک مسجد میں پہنچے۔ مؤذن نے تکبیر کہی اور جماعت ہونے لگی۔ آپ بھی جماعت میں شریک ہو گئے۔ جب نماز پوری ہو گئی اور سب مسجد سے چلے گئے تو آپ نے امام صاحب سے فرمایا کہ اے خواجہ! تم نے نماز شروع کی اور میں تمہارے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ تم یہاں سے دہلی پہنچے وہاں سے غلام خرید

کر واپس آئے۔ پھر ان غلاموں کو خراسان لے گئے۔ اور وہاں سے چل کر ملتان آئے۔ اور میں تمہارے پیچھے سرگرداں و پریشان پھرتا رہا۔ آخر یہ کیسی نماز ہے؟ ؎

تبصرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ حالتِ نماز میں آپ تمام مقتدیوں کی حرکتوں اور ان کے خضوع و خشوع کی حالتوں کو دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ پچھلی صفوں میں کسی نمازی سے کوئی نامناسب حرکت سرزد ہو گئی تو نماز سے فارغ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَمَا وَاللّٰہِ لَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا سُجُوْدُکُمْ یعنی خبردار! خدا کی قسم لوگوں کا رکوع و سجود میری نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہتا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ لَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا خُشُوْعُکُمْ یعنی تمہارا رکوع و سجود ہی نہیں بلکہ تمہارے دلوں کے اندر چھپا ہوا تمہارا خضوع و خشوع بھی میری نظروں سے چھپا ہوا نہیں رہتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُن امتیوں کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں فنافی الرسول کا درجہ رکھتے ہیں۔ اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کے طفیل میں کبھی کبھی اس کرامت سے سرفراز فرماتا ہے کہ اُن پر بھی حالتِ نماز میں ایسی تجلّی ربّانی ہوتی ہے کہ وہ سراپا نور بن جاتے ہیں۔ اور تمام حجابات ان سے اس طرح اُٹھ جاتے ہیں کہ وہ حالتِ نماز میں امام اور مقتدیوں کے قلبی خطرات اور دلی خیالات کو اپنی نگاہِ بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ حسن افغان علیہ الرحمۃ بھی اُن ہی بزرگوں میں سے تھے جو فنافی الرسول ہو کر اس کرامت کی بلند منزل پر فائز ہوئے تھے۔ اگلے زمانے میں ایسے بزرگانِ دین گذرے ہیں جن سے ایسی کرامتوں کا صدور ہوا۔ اس دور کا مسلمان تو اتباعِ سنّت و پیروی شریعت ہی سے منحرف و برگشتہ ہو چکا ہے۔ پھر بھلا ان کو باطنی نظر، روحانی طاقت، روحانی بصیرت، اور روشن ضمیری کی کرامت کہاں سے نصیب ہو سکتی ہے؟ اس دور کے مسلمانوں کو تو دیکھ کر بے اختیار زبان پر یہ شعر آ جاتا ہے کہ ؎

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری

اے کشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری

نجیب الدین متوکل

شیخ نجیب الدین متوکل حضرت بابا شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرّہٗ کے بھائی اور خلیفہ ہیں انکا لقب متوکل ہے۔ یہ ستر برس شہر میں رہے مگر کوئی ظاہری ذریعہ معاش نہ ہونے کے باوجود ان کے عیال و اطفال نہایت عیش و خوشی کی زندگی بسر کرتے رہے اور یہ اپنے مولیٰ کی یاد میں اس قدر مستغرق رہتے تھے کہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ آج کون سا دن ہے؟ اور یہ کون سا مہینہ ہے؟ اور یہ درہم کتنے کا ہے؟ ایک دفعہ عید کے دن آپ کے گھر میں بہت سے درویش جمع ہو گئے۔ اتفاق سے اس روز آپ کے گھر میں خورد و نوش کا کوئی سامان نہیں تھا۔ آپ بالاخانے پر جاکر یادِ مولیٰ میں مشغول ہو گئے اور اپنے دل میں یہ کہتے تھے کہ خداوند! آج عید کا دن ہے اور میرے بچے اور مہمان بھوکے ہیں آپ اسی خیال میں تھے کہ اچانک ایک مرد چھت پر چلا آ رہا ہے۔ اس نے کھانوں سے بھرا ہوا ایک خوان پیش کیا اور کہا کہ اے نجیب الدین! تمہارے توکل کی دھوم ملاءِ اعلیٰ میں مچی ہوئی ہے اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم ایسے خیال میں مشغول ہو؟ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں نے اپنی ذات کے لئے یہ خیال نہیں کیا بلکہ اپنے یاروں کے لئے اس خیال کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ غالباً یہ مردِ بزرگ حضرت خضر تھے۔ حضرت نجیب متوکل باوجود اپنی کرامت و بزرگی کے انتہائی منکسر مزاج و متواضع تھے۔ آپ کے تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز ایک فقیر بہت دور سے آپ کی ملاقات کے لئے آیا۔ اور آپ سے پوچھا کر کیا نجیب الدین متوکل (توکل کرنے والا) آپ ہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ جی ہاں۔ میں ہی ہوں نجیب الدین "متاکل" (یعنی بہت زیادہ کھانے والا)۔[1]

تبصرہ وقتِ ضرورت بالکل اچانک کھانا پانی وغیرہ ضروریاتِ زندگی کا حاضر ہو جانا یہ بہت سے بزرگوں سے کرامت کے طور پر وقوع میں آیا ہے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفیہ میں جہاں کرامت کی چند مثالوں کا بیان ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ بوقتِ ضرورت کھانے پانی کا حاضر ہو جانا یہ بھی کرامت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ بزرگانِ دین کے خداداد تصرفات و کرامات کا کیا کہنا؟ یہ ایسے مقبولانِ

[1] اخبار الاخیار ص ۶۹

بارگاہِ خداوندی ہوتے ہیں کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات اَور دل میں سوچا ہوا خیال پورا ہو کر رہتا ہے اَور یہ ایک اتنی سچی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ؎

جو جذب کے عالم میں نکلے لبِ مومن سے
وہ بات حقیقت میں تقدیرِ الٰہی ہے

ہر جمعرات کو زیارتِ رسول

حضرت علامہ سید یوسف بن سید جمال الحسینی بہت ہی جلیل القدر عالم تھے۔ آپ نے قاضی نصیر الدین بیضاوی کی کتاب "لُب الالباب" کی ایک بہت ہی طویل و بسیط شرح لکھی جو "یوسفی" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح آپ نے "منار" کی بھی شرح فرمائی ہے جس کا نام "توجیہ الافکار" ہے آپ منطق و فلسفہ میں مولانا جلال الدین رُومی کے شاگرد ہیں جو "شمسیہ" اَور "مطالع" کے شارح مولانا قطب الدین رازی کے تلامذہ میں سے ہیں۔

آپ کے بزرگ مشہد سے آکر ملتان میں متوطن ہو گئے تھے اَور آپ سلطان فیروز شاہ کے زمانے میں ملتان سے دہلی آئے۔ اور سلطان موصوف نے آپ کی علمی قابلیت سے متاثر ہو کر اپنے شاہی مدرسہ میں آپ کو مدرس مقرر کر دیا۔ اور آپ برسوں مسند تدریس و افادہ پر رونق افروز رہے۔ آپ کی ایک بڑی خاص کرامت یہ ہے کہ آپ ہر جمعرات کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔[1]

تبصرہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے کسی اُمتی پر اتنا بڑا کرم فرمانا کہ آٹھویں دن اپنی زیارت سے مشرف فرما دینا یہ ایک اُمتی کی اتنی بڑی سعادت عظمیٰ ہے کہ کروڑوں نعمتیں اس پر قربان ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء حق پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا پیار ہے؟

برادرانِ ملت! اس سلسلہ میں کہ علماء حق حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پیارے ہوتے ہیں۔ میں زندگی بھر ایک مجذوب کی بات کو فراموش نہیں کر سکتا جس کو سُن کر میرے بدن میں ایک ایسی جھرجھری پیدا ہو گئی کہ میرے بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا تھا۔ ۱۳۶۷ھ کا واقعہ ہے جب کہ میں

[1] اخبار الاخیار ص ۱۵۶

دارالعلوم شاہِ عالم احمدآباد کی ملازمت کے دوران مدرسہ کی کوئی عمارت نہ ہونے کے باعث محلہ چھیپاواڑہ کی مدرسہ والی مسجد کے اندرونی حصہ میں شمالی دیوار پر ٹیک لگاکر بخاری شریف کا درس دے رہا تھا۔ عین درس کے وقت میں حضرت شاہ عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں چکر لگانے والا ایک فرسودہ حال فقیر میلے کچیلے لباس میں اچانک میری درسگاہ میں آگیا۔ اور میرے سامنے بیٹھ کر مجھے بڑے غور سے اور بڑی تیز نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ اسکی آنکھوں میں سُرخی تھی اور بہت ہی بھدے طریقہ سے آنکھوں میں کاجل لگائے ہوئے تھا۔ مجھے اسکی اس ہیئت پر بڑا تعجب ہوا۔ اور ہنسی بھی آگئی۔ چنانچہ ہنستے ہوئے میں نے دریافت کیا کہ شاہ صاحب! کیا دیکھ رہے ہو؟ خیریت تو ہے؟ یہاں آپ کیسے تشریف لائے؟ اس نے جواب دیا کہ "تم حسینوں کے دیدار کے لئے آگیا ہوں"۔ میں نے ہنس کر کہا کہ شاہ صاحب! میں تو کوئی حسین نہیں ہوں، ایک کالا کلوٹا آدمی ہوں۔ یہ سُن کر وہ فقیر بڑے جوش میں تڑپ کر بولا کہ میری نظروں سے پُوچھو کہ تم کتنے حسین اور پیارے ہو؟ تم تو رسول اللہ کے پیارے ہو۔ اسی لئے تو میں تمہارے دیدار کے لئے آیا ہوں۔ مجذوب فقیر کے ان کلمات کو سن کر میری ہنسی ایک دم غائب ہوگئی اور ان کلمات کا میرے قلب پر اتنا اثر ہوا کہ میرا بدن کانپ اٹھا اور رونگٹے کھڑے ہوگئے اور مجھ پر ایسی رقت طاری ہوگئی کہ میری آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔ پھر میں نے اس شخص سے خوف کھاتے ہوئے یہ دریافت کیا کہ آپ کے لئے چائے منگالوں؟ تو اُس نے کہا کہ نہیں۔ میں صرف تمہارے ہاتھ سے پانی پینا چاہتا ہوں۔ میں نے مسجد کے مٹکے سے ایک چمبو پانی منگا کر پیش کر دیا۔ اور وہ پانی پی کر اٹھ کھڑے ہوئے اور چل دیئے۔ مگر مجھ پر گھنٹوں ایک ایسی کیفیت طاری رہی کہ میں اس کی تعبیر کے لئے کوئی لفظ نہیں پاتا ہوں۔ مجھے یقین ہوگیا کہ ضرور یہ کوئی مجذوب ہے جس کے کلام میں اس بلا کی تاثیر ہے کہ اسکے ایک جملے سے میرا بدن لرز اُٹھا۔ اور میں نے عزم کر لیا کہ حضرت شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں اطمینان کے ساتھ اس شخص سے ملاقات کرونگا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد پچاسوں مرتبہ میں نے درگاہ شریف میں اُس شخص کو تلاش کیا۔ مگر وہ نظر نہیں آیا۔ اور آج تک نہیں ملا۔ میں نے اپنے

ذہن میں یہ تصور قائم کرلیا کہ شاید میرے درس حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ خوشی ہوئی ہوگی۔ اور اس مجذوب پر اس کا انکشاف ہوا ہوگا۔ اس لئے وہ مجھے یہ سنانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد سے ہمیشہ میری یہ تمنا رہی کہ مولیٰ عزّوجل تمام عمر مجھے درسِ حدیث کی خدمت کا شرف عطا فرماتا رہے۔ اور کاش میرے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خوش ہو جائیں تو پھر میں یقیناً کونین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو کر مقبول بارگاہِ الٰہی ہو جاؤں گا اور اگر وہ ایک بار مجھے اپنے دیدار پُر انوار کی نعمتِ بے بہا سے نوازیں تو واللہ میری خوش نصیبی کی معراج ہو جائے اور اگر یہ کہتے ہوئے کہ ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

میں اُن پر نثار ہو جاؤں تو پھر میرے ملک سعادت کا بادشاہ بلکہ شہنشاہ ہو جانے میں کون شک کر سکتا ہے؟ کیا خوب فرمایا مولانا حسن بریلوی نے علیہ الرحمۃ نے کہ ؎

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضور تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْل

ایک کراماتی تسبیح

شاہ احمد شرعی بڑے ہی متبحر عالم اور تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع تھے۔ صاحب کشاف نے اہل سنت وجماعت پر طعن کرتے ہوئے کہے تھے آپ نے اُن کا جواب لکھا ہے۔ بہت ہی صاحبِ کمالات تھے۔ ان کے شاگرد رشید عبد الغنی سنیتی کا بیان ہے کہ جب میں ان کی خدمت میں پڑھتا تھا اس وقت ان کی عمر چھیانوے ۹۶ سال تھی۔ مگر وہ تیر اندازی میں ایسے نشانہ باز تھے کہ ایک دن تیر اندازی کر رہے تھے۔ ایک تیر نشانہ پر لگا۔ کہنے لگے اگر تم لوگ کہو تو جس تیر کو چھوڑوں اسکو پہلے تیر کے منہ میں بند کر دوں۔ چنانچہ دو تین تیروں کو اس طرح چھوڑ کر دکھایا۔ پھر کہنے لگے کہ تیر

ضائع ہوتے ہیں اور اسراف ہوتا ہے۔ ورنہ میں سارے تیروں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیتا۔

آپ علم دعوت میں بھی یکتائے دہر تھے۔ ہر جمعہ کو اس علم کی قوت تصرف سے بادشاہ کو اپنے پاس بُلا لیتے تھے اور مسلمانوں کی حاجت روائی کراتے تھے۔ آپ کے پاس ایک تسبیح تھی جس کے پہلے دانہ کو حرکت دینے سے بادشاہ کو آپ کی ملاقات کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ اور دوسرے دانہ کے ہلانے سے بادشاہ روانگی کا عزم کر لیتا تھا۔ پھر سوار ہو جاتا تھا یہاں تک کہ عدد معیّن کے پورا ہونے پر بادشاہ آپ کی خدمت میں آموجود ہوتا تھا۔ ایک دن آپ وضو کے لئے گئے کہ آپ کے غلام نے اس تسبیح کے دانوں کو پھرانا شروع کر دیا۔ چنانچہ دانوں کی معین تعداد پوری ہوتے ہی بادشاہ ناگاہ آپ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ آپ اس وقت طہارت خانے میں تھے۔ حیران ہو گئے کہ کیا سبب ہے کہ آج بادشاہ خلاف معمول کیوں چلا آیا؟ پھر معلوم ہوا کہ غلام نے تسبیح کے دانوں کو اتفاقی طور پر پھرا دیا تھا۔ اور بادشاہ کے آنے کا یہی سبب ہوا۔

چندیری آپ کا وطن تھا اور ۹۲۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔[1]

تبصرہ | دور ماضی کے علماء سلف کا یہ ذوق تھا کہ وہ مختلف علوم میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی فن میں بھی کمال حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ بہت سے اکابر علماء کی سوانح حیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی شہسواری میں یکتائے زمانہ تھا تو کوئی تیراندازی و نشانہ بازی میں فرید دہر تھا بعض شمشیر زنی اور بنوٹ کے فن میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے تو کچھ لوگ اعلیٰ درجے کے تیراک تھے۔ اسی طرح بعض علماء خطاطی و خوشنویسی کے ماہر ہوئے۔ اور بعض نے نجاری اور لوہاری کے فن میں کمال حاصل کیا۔ الغرض دور سابق کے علماء ریاضت اور فن سپہ گری اور مختلف صنعتوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اسی لئے ان بزرگوں کی تندرستی و صحت اور جسمانی طاقت قابل رشک ہوا کرتی تھی۔ اور کسی نہ کسی صنعت میں کمال حاصل ہونے کی وجہ سے ہنرمند ہوا کرتے تھے۔ نہ کسی امیر و مالدار کے دست نگر ہوا کرتے تھے۔ مگر آجکل تو علماء اور عوام دونوں کا ذوق اسقدر بدل گیا بلکہ بگڑ گیا کہ فن سپہ گری، بنوٹ وغیرہ اور صنعت و حرفت کو علماء کرام کے لئے ایک بہت بڑا عیب شمار کیا

[1] اخبار الاخیار ص ۲۲۶

جانے لگا۔ چنانچہ اس زمانے میں وہی مولوی بڑا محترم سمجھا جاتا ہے جو کبھی ایک قدم بھی پیدل نہ چلے اور دن رات مسند پر سر جھکائے اور نگاہیں نیچی کئے ہوئے بیٹھا رہے اور چند کتابیں پڑھ لینے کے بعد کسی مسجد یا مدرسہ کی نوکری، یا وعظ گوئی یا پیری مریدی کے سوا اور کسی کام کا نہ رہے۔

مگر میں ہمیشہ اس بد ذوقی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا رہا۔ اور جب تک دم میں دم ہے اور ہاتھ میں قلم ہے میں اس کے خلاف بولتا اور لکھتا رہوں گا۔ کہ فن سپہ گری، شمشیر بازی، بندوق چلانا، ورزش کرنا، لاٹھی پھرانا اور بنوٹ کی مشق کرنا ہرگز ہرگز طبقۂ علماء کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ نہ عقلاً و شرعاً و اخلاقاً علماء کے لئے یہ کوئی معیوب بات ہے۔ اسی طرح کوئی صنعت و حرفت سیکھ کر رزقِ حلال حاصل کرنے کے لئے کسی کاریگری کو اپنا پیشہ بنا لینا ہرگز ہرگز اہلِ علم کے لیے عار یا عیب کی چیز نہیں۔ لہٰذا نوجوان علماء کو میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ورزش اور فن سپہ گری ضرور سیکھیں اور محنت و مشقت کے عادی بن کر سپاہیانہ زندگی بسر کریں۔ اور علمِ دین کے ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی صنعت و حرفت بھی ضرور سیکھ لیں۔ تاکہ صحت و تندرستی بھی قائم رہے۔ اور کسب معاش میں کسی نوکری یا گداگری کے محتاج نہ رہیں۔ اور اس معاملہ میں ہرگز ہرگز جاہلوں کے طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کریں۔ بلکہ اپنی محنت و گرم رفتاری اور اپنی خود اعتمادی و خودداری کا ایسا جوہر دکھائیں کہ جہّال کی نظروں میں علماء کا وقار و اقتدار انتہائی بلندی سے بلند تر ہو جائے اور علماء کا عمل و کردار قابلِ تقلید و لائقِ اعتبار کارنامہ شمار کیا جانے لگے۔ شاعرِ مشرق نے جوانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے کیا خوب پیغامِ عمل دیا ہے کہ ؎

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

ناچیز جہانِ مہ و پروین ترے آگے
وہ عالم مجبور ہے، تو عالم آزاد

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُردم ہے اگر تو، تو نہیں خطرۂ افتاد

کپڑا خود بخود بنتا رہا

شیخ احمد نہروانی علیہ الرحمہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ بہت ہی باکمال

اور صاحب حال بزرگ تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ بہت کم کسی کو پسند فرماتے تھے لیکن شیخ احمد نہروانی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر شیخ احمد کی اپنے رب کے ساتھ مشغولیت کو وزن کیا جائے تو دس صوفیوں کی مشغولی کے برابر ہوگی۔ آپ کا پیشہ کپڑے کی بنائی تھی۔ شیخ نصیر الدین محمود فرماتے ہیں کہ شیخ احمد نہروانی جب کرگھہ پر کپڑے کی بنائی کرتے تھے تو کبھی کبھی ان پر ایسا حال طاری ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے آپ سے غائب ہو جایا کرتے تھے۔ اور کام کرنا بند کر دیتے تھے مگر کپڑا خود بخود بنتا جاتا تھا۔ ایک دن آپ کے پیر قاضی حمید الدین ناگوری آپ کی ملاقات کے لئے آئے۔ بوقت رخصت فرمانے لگے کہ اے شیخ! یہ کام کب تک کرتے رہو گے؟ یہ کہہ کر وہ تو چلے گئے مگر شیخ احمد اسی وقت میخ کسنے کے لئے اٹھے۔ آپ کا ہاتھ میخ پر لگا اور ٹوٹ گیا۔ شیخ احمد فوراً یہ بول اٹھے کہ اس بوڑھے یعنی قاضی حمید الدین نے میرا ہاتھ توڑ ڈالا۔ اس واقعہ کے بعد شیخ احمد نے بافندگی کا پیشہ بالکل ترک کر دیا۔ اور ہمہ تن اللہ سے لو لگالی۔ آپکی قبر شریف بدایوں میں ہے۔[۱]

تبصرہ بافندگی یعنی کپڑے کی بنائی کرنے والے طبقے میں بڑے بڑے بلند پایہ علماء اور اکابر اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ محدثین، صوفیا، فقہاء وغیرہ باکمالوں کا کوئی طبقہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں کپڑا بننے والے نہیں رہے۔ کپڑا بننے والے کو عربی میں "نساج" کہتے ہیں۔ اکابر و اعلام امت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ سیکڑوں اکابر ملت "نساجی" یعنی کپڑے کی بنائی کا پیشہ کرتے رہے۔ طبقۂ اولیاء میں مسلم الثبوت باکرامت بزرگ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہ بھی نساج یعنی کپڑا بننے کا کام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا رومی نے آپ ہی کے بارے میں یہ شعر تحریر فرمایا ہے کہ ؎

گر نہ علمِ حال فوق قال بودے کے شدے — بندہ اعیانِ بخارا "خواجۂ نساج" را

یعنی اگر علم حال علم قال سے بڑھ کر نہ ہوتا تو بھلا بخارا کے بڑے بڑے شرفاء لوگ ایک کپڑا بننے والے خواجہ (عزیزان علی رامیتنی) کے غلام بن سکتے تھے؟

الغرض علماء اور اولیاء ہر قوم اور ہر پیشہ کرنے والوں میں ہوتے رہے اور قیامت تک ہوتے

[۱] اخبار الاخیار ص۵۳

رہیں گے۔ علم نبوت اور کرامت ولایت یہ خداوند کریم کا فضلِ عظیم ہے۔ اور فضل خداوندی کسی خاص نسل یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ اللہ عزّوجل جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمان جہاں بہت سی ہندوانہ رسوم کے وبال میں گرفتار ہو گئے۔ اور ہنود کی تہذیب و تمدن کے مشرکانہ رنگ میں رنگین ہو گئے۔ ان ہی ہندوانہ اور مشرکانہ رسوم بد میں سے یہ خیال بھی ہے کہ مسلمانوں میں "اونچ نیچ" کے طبقات قائم کر کے مسلمانوں نے اسلامی مساوات کے خوبصورت محل کو ڈائنامیٹ سے اُڑا دیا۔ اور بعض جائز پیشوں کو فرضی طور پر ذلیل پیشہ قرار دے کر اس پیشہ والوں کو ذلیل و حقیر سمجھنے لگے۔ اور ہر موقع پر حقارت کے ساتھ ان کا تمسخر اور مذاق اُڑانے لگے۔ مثلاً کپڑا بننے والوں کی پوری قوم کو عرفی شرفا حقیر قرار دے کر ہمیشہ اُن کا مذاق اڑاتے رہے اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھتے رہے۔ اور طرح طرح کے فرضی قصوں اور ذلت آمیز القاب گھڑ گھڑ کر اس قوم کے ساتھ تمسخر اور ٹھٹھا کرتے رہے۔ حالانکہ تاریخی شواہد اور احادیث و آیاتِ قرآنیہ انھیں ہمیشہ جھنجوڑ جھنجوڑ کر متنبہ کرتی رہیں کہ خبردار تم کسی قوم کا مذاق نہ اڑاؤ اور ان کو بُرے القاب سے نہ یاد کرو۔ قرآن مجید میں حق تعالیٰ کا فرمان کتنا واضح اور کس قدر عبرت خیز و نصیحت آمیز ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ (حجرات) ترجمہ! اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اڑائے عجب نہیں کہ وہ ان ہنسی اڑانے والوں سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اڑائیں کچھ بعید نہیں کہ وہ ان ہنسی اڑانے والیوں سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرو۔ اور نہ ایک دوسرے کے بُرے نام رکھو۔ کیا ہی بُرا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

برادرانِ ملت! ملاحظہ فرمایئے کہ ان آیات بینات میں حضرت حق جل مجدہ نے کسی قوم کی ہنسی اُڑانے کو حرام فرمایا۔ اور کسی قوم یا کسی شخص کے لئے بُرے بُرے القاب اور خراب خراب نام رکھنے اور طعنہ زنی کرنے کو ناجائز قرار دیا۔ اور ایسا کرنے والوں کو فاسق کہا۔ اور جو لوگ اپنے اس بُرے کرتوت سے توبہ نہ کریں ان کو ظالم فرما کر اُن کی مذمت فرمائی۔ لہٰذا دورِ حاضر کے عُلماء کرام کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے ان ہندوانہ خیالات کا شدید رد کر کے مسلمانوں کی اصلاح کریں کہ وہ ہرگز ہرگز کسی مسلمان کی قومی حیثیت سے ہرگز ہرگز نہ ہنسی اُڑائیں نہ انھیں ذلیل و حقیر سمجھیں۔ ورنہ بلاشبہہ وہ فاسق و ظالم ٹھہریں گے۔ بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کو ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھ کر اسلامی مساوات اور ایمانی اخوت کے پرچمِ حقانیت کو سربلند کرتے رہیں۔ اور ہر مومن کا اکرام و احترام کر کے ساری دُنیا کو اس نورانی تصور سے آشنا کریں کہ اسلام میں عزت و احترام اور بزرگی و اکرام کا دارومدار تقویٰ اور پرہیز گاری پر ہے۔ اور ہرگز ہرگز اسلام میں بزرگی و احترام کسی خاص نسل یا قوم یا رنگ و وطن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے کہ: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (حجرات) ترجمہ "اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (آدم و حوّا) سے پیدا کیا۔ اور تمھاری چند شاخیں اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ بہت زیادہ جاننے والا خبردار ہے۔

مسلمانو! دیکھ لو اس آیت نے سورج سے زیادہ اس حقیقت کو روشن کر دیا کہ مسلمانوں کی کوئی قوم قومی حیثیت سے نہ ذلیل ہے نہ کوئی قوم قومی حیثیت سے عزت دار ہے۔ بلکہ اسلام میں عزت و احترام اور بزرگی و اکرام کا دارومدار تقویٰ اور پرہیز گاری پر ہے۔ جو جس قدر زیادہ متقی و پرہیز گار ہوگا بلاشبہہ وہ اسی قدر قابلِ احترام اور عزت دار ہوگا۔ مگر افسوس کہ جہلا تو جہلا

بعض علماء، اور صوفیہ بھی اس کالی بھنور اور خطرناک دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جن کو اکثر یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ فلاں شخص چونکہ فلاں ذات اور فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے لہذا وہ کمین و ذلیل ہے اور فلاں شخص چونکہ فلاں ذات اور فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے لہذا وہ شریف اور عزت دار ہے۔ اس طرح قوم مسلم کو شریف و رزیل دو طبقوں میں تقسیم کر کے ان لوگوں نے مساواتِ اسلام کے مضبوط و مستحکم قلعہ پر ایسی خوفناک بمباری کی ہے کہ اسلامی محل کی بنیادیں متزلزل، اور اخوتِ ایمانی کی بنیان مرصوص اور دیوارِ محکم کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور ہندوؤں کی طرح مسلمانوں میں بھی نیچی اونچی ذاتیں پیدا کر کے ان لوگوں نے مسلمانوں میں افتراق و اختلاف اور انتشار و تکرار کا ایسا بیج بو دیا کہ قیامت تک کے لئے اس کے خار دار جنگلوں کا صفایا دشوار نظر آرہا ہے اور اس جنگ و جدال کے خاتمہ کی صورت ہی پیدا ہو رہی ہے افسوس صد ہزار افسوس! سچ کہا ڈاکٹر اقبال نے کہ ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

قلم محفوظ

شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کو ہندوستان میں اگر عمارتِ ملت کا ستونِ محکم، اور محل سنیت کا رکن اعظم کہہ دیا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہوگا جو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور عالم آشکار ہے۔ آپ کے بزرگ جد اعلیٰ "محمد ترک بخاری" علیہ الرحمہ سلطان محمد علاء الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور آپ کی نسل میں بے حد برکت ہوئی۔ مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔

"شیخ اولیا" آپ کی تاریخ ولادت کا مادہ ہے۔ بیس برس کی عمر سے پہلے ہی آپ تمام علوم عقلیہ و ۹۵۸
نقلیہ میں ماہر علوم و فنون ہو گئے۔ اور اس کے بعد قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ پھر حرمین شریفین کی
زیارت سے سرفراز ہوئے۔ اور علمار حرمین شریفین کے علمی فیوض و برکات اور حضور سرور کائنات
صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بے شمار بشارات سے مشرّف ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور باون برس
تک اپنے فرزندوں اور دوسرے طالبان علوم کی تعلیم و تربیت اور کتابوں کی تصنیف و تالیف
میں مصروف رہے۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد ایک سَو ہے۔ خاص کر فنِ حدیث میں
مشکوٰۃ شریف کی دو شرحیں "لمعات" اور "اشعۃ اللمعات"۔ اور سیرت میں آپ کی کتاب
"مدارج النبوت" آپکے ایسے انمول علمی شاہکار ہیں کہ تمام دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ فنِ
شاعری میں بھی آپکا بہت ہی بلند پایہ مقام ہے۔ ہزاروں اشعار آپ کے فکر سخن کا نتیجہ ہیں۔
قادری مشرب تھے۔ اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کمال عقیدت رکھتے تھے۔ آپ
کی تمام تصانیف سے حُبِّ رسول کا مقدس جذبہ اس طرح جلوہ ریز ہوتا ہے کہ آپ کی تصنیفات
کے مطالعہ سے روحِ ایمانی میں ایک پُرکیف بالیدگی، اور ایک خاص قسم کا ایمانی سرور پیدا ہوتا ہے
جو علمار اہلسنّت کی روحانی تسکین اور قلبی اطمینان کا بڑا ہی انمول سامان ہے۔ ۱۰۵۲ھ میں آپ
کا وصال ہوا۔ اور فخر العالم سے آپ کی تاریخ رحلت نکلتی ہے۔ مزار مبارک پرانی دہلی میں حوضِ ۱۰۵۲ھ
شمسی سے ایک فرلانگ جانب مغرب ہے۔ شاندار گنبد بنا ہوا ہے۔
۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں پنجابی شرنارتھیوں نے آپ کے گنبد کا دروازہ توڑ ڈالا۔ فقیر راقم الحروف
کئی بار مزار مقدس کی زیارت سے مشرّف ہو چکا ہے۔ اور ایک بار دورانِ مراقبہ میں ایک
بشارت بھی قلب پر منکشف ہوئی تھی۔ جو بحمدہٖ تعالیٰ حرف بحرف پوری ہوئی۔

تبصرہ ایک مرتبہ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں حضرت محدّثِ اعظم مولانا سیّد محمد صاحب
قبلہ کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مولانا شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ کا تذکرہ شروع
ہوا۔ تو حضرت ممدوح نے آپ کے فضائل بیان فرماتے ہوئے آپ کے بارے میں اعلحضرت

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل فرمایا جس کی ایمان افروز کیفیت اور روحانی لذت کو میں تمام عمر فراموش نہیں کر سکتا۔

حضرت محدث اعظم نے ارشاد کہ ایک دفعہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز کی مجلس میں مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی باکرامت تصنیفات کا ذکر آگیا۔ تو اعلیٰحضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ محقق کی کرامتوں میں سے ایک بڑی نمایاں کرامت یہ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ نے آپ کو "قلم محفوظ" عطا فرمایا تھا۔ کہ آپ کی تصانیف میں عمر بھر آپ سے کبھی قلمی لغزش نہیں ہوئی۔ اور آپ کی پوری تصنیفات میں کہیں آپ کو قلم سے کوئی ایسی خطا نہیں سرزد ہوئی جو قابل گرفت ہو۔ یہ مولیٰ تعالیٰ کا آپ پر بہت ہی بڑا فضل ہے!

سبحان اللہ! اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز جیسا علوم و فنون کا جبل راسخ اور مملکتِ نقد و تحقیق کا سلطانِ اعظم جس کے محاسنِ تصانیف کا مداح اور اس کے قلم کی حفاظت کا شاہد عدل ہو۔ اسکے علم و فضل کی وسعت، اور اس کے قلم محفوظ کی عظمت کا کیا کہنا؟ اللہ اکبر! کیا خوب کہا شاعر مشرق نے کہ،

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہوگئی بیدار
شمشیر کے مانند ہے بُرّندہ و بُرّاق

اس کی نگہِ شوق پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق

اس مردِ حق سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندہ آفاق ہے وہ صاحبِ آفاق

تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
وہ پاکیٔ فطرت سے ہوا محرمِ اعماق

قبر قبلہ حاجات

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک سال بصرہ میں بالکل بارش نہیں ہوئی اور شدید قحط پڑ گیا۔ کئی بار لوگ نماز استسقاء بھی پڑھ چکے لیکن دعا کی مقبولیت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ پھر میں اور عطاء سُلمی اور ثابت بُنانی اور یحییٰ بکّار اور محمد بن واسع اور ابو محمد سختیانی وغیرہ بہت سے صالحین اور مکتبوں کے بچے نمازِ استسقاء اور دعا خوانی کے لئے عیدگاہ میں نکلے۔ مگر دوپہر تک کچھ بھی دعا کا اثر

ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ صرف میں اَور ثابت بُنانی عیدگاہ میں رہ گئے اَور رات کا اندھیرا ہوگیا۔ اتنے میں ایک غلام حبشی، اون کا جُبہ پہنے ہوئے عیدگاہ میں داخل ہوا اُور دو رکعت نماز پڑھ کر اُس نے اس طرح دعا مانگی کہ الٰہی! تو کب تک اپنے بندوں کو اپنے در سے نامُراد واپس کرتا رہے گا؟ کیا تیرے خزانوں میں کچھ کمی آگئی ہے؟ یا اللہ! میں تجھ کو اس محبت کی قسم دلاتا ہوں تو تجھ کو میری ذات سے ہے۔ کہ تو ابھی ابھی فوراً بارش بھیج دے۔ حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہی ایسی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی کہ گویا آسمان نے اپنی مشکوں کے منہ کھول دیئے۔ میں فوراً ہی اُس غلام کے پاس پہنچا اَور میں نے اُس سے کہا کہ تجھے ان کلمات کے کہنے سے شرم نہیں آئی؟ تجھے کیا معلوم کہ خداوند تعالیٰ کو تیری ذات سے محبت ہے؟ اس غُلام نے کہا کہ اجی تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو وہ مجھے پیدا کیوں فرماتا؟ بلاشبہہ اس کو مجھ سے محبّت ہے۔ اَور مجھ کو اس سے محبت ہے۔ لیکن میری محبت ایسی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے اُس کے کلمات وکرامات سے متاثر ہو کر اس کے مالک سے اُسکو بیس درہم میں خرید لیا اَور اپنے گھر لایا۔ جب میں نے اُس کا نام دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میرا نام "میمون" ہے۔ پھر وہ غلام مجھ سے کہنے لگا کہ اے میرے مولیٰ آپنے کس لئے مجھے خریدا ہے؟ میں تو کسی مخلوق کی خدمت کے لائق ہی نہیں ہوں۔ میں نے کہا کہ اے میرے آقا! میں نے آپ کو اس لئے نہیں خریدا ہے کہ آپ میری خدمت کریں بلکہ میں نے تو آپ کو اس لئے خریدا ہے کہ میں آپ کی خدمت کرسکوں۔ اس نے کہا کہ یہ کس لئے؟ میں نے کہا کہ کیا آپ سے کل میری عیدگاہ میں ملاقات نہیں ہوئی تھی؟ غُلام نے چونک کر کہا کہ کیا آپنے مُجھے نماز پڑھتے اور دعا مانگتے ہوئے دیکھ لیا تھا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! میں نے ہی آپ سے کچھ سوال وجواب بھی کیا تھا۔ یہ سُن کر وہ غلام ایک دم مسجد کی جانب چل پڑا اَور دو رکعت نماز پڑھ کر اُس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اَور یہ کہنے لگا۔ کہ الٰہی! میرے اَور تیرے درمیان ایک راز تھا جس کو تو نے غیر پر ظاہر فرمادیا۔ تو میں تجھ کو قسم دلاتا ہوں کہ اَب زندگی میں میرے لئے کوئی لطف اَور مزہ نہیں ہے۔ لہٰذا تو ابھی ابھی فوراً ہی مجھے وفات دیدے۔ یہ کہہ کر

وہ سجدے میں گر گیا۔ اور پھر سر نہیں اٹھایا۔ جب میں نے اسکے بدن کو حرکت دینا چاہا تو وہ مُردہ ہو کر بالکل ہی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اور اس کا سیاہ چہرہ اتنا روشن اور منور ہو گیا تھا کہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ پھر اچانک ایک جوان دروازے میں کفن لے کر آیا۔ سلام کیا۔ اور تعزیت کے کلمات کہہ کر کفن پیش کیا۔ پھر ہم لوگوں نے اُس غلام کو غسل دے کر اسی کفن میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔ زندگی بھر میں کبھی میں نے اتنا اچھا کفن نہیں دیکھا تھا۔ مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ فَبِقَبْرِہٖ نَسْتَسْقِی الْاٰنَ وَنَطْلُبُ الْحَوَائِجَ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی آج تک ہم لوگ اس کی قبر مبارک کو وسیلہ بنا کر خداوند تعالٰے سے بارش کی دعا مانگتے اور اپنی حاجتیں طلب کرتے رہتے ہیں۔[۱]

تبصرہ حکایت مذکورہ بالا سے صاف صاف ظاہر ہے کہ حضرت مالک بن دینار جیسے علم و عمل کے آفتابِ عالم تاب کا یہی عقیدہ تھا کہ اہل اللہ کی قبریں مقبولیت دعا کے لئے بڑا ہی خاص مقام ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اس اللہ والے حبشی غلام کی قبر کے پاس خداوند تعالیٰ سے بارش اور دوسری حاجتوں کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ اس خصوص میں ہم نے جلد اوّل میں بھی چند حکایات تحریر کی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ والے اس قدر خدا کے پیارے ہوتے ہیں کہ ان کی ہر ہر چیز اللہ کو پیاری ہوتی ہے اور ان کی ہر ادا پر رحمتِ خداوندی کو پیار آجاتا ہے۔ جو ان کے منہ سے نکل جاتا ہے خداوند تعالیٰ اُن کی ہر بات پوری فرما دیتا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ یعنی بہت سے ایسے بندگانِ خدا ہیں جن کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں۔ اور لوگ انھیں حقیر سمجھ کر اپنے دروازوں سے دھکا دے کر نکال دیتے ہیں۔ لیکن بارگاہ خداوندی میں ان کی محبوبیت و مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھا جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اُن کی قسموں کو پوری فرما دیتا ہے۔ چنانچہ آپنے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت "میمون" نے خدا کو اس کی محبت کی قسم دلا کر بارش کی دُعا مانگی تو فوراً ہی خداوند عالم نے بارش بھیج دی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ منجانب اللہ ایسے سیف زبان ہوتے ہیں کہ اگر یہ لوگ مٹی کو سونا کہہ دیں تو منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں مٹی سونا بن جاتی ہے۔ اور اگر یہ لوگ آگ کو پانی اور پانی کو آگ کہہ

[۱] استطرف ج ۱ ص ۱۴۶

دیں تو دم زدن میں آگ پانی اور پانی آگ ہو جائے ۔ اللہ والوں کی خداداد روحانی طاقت کا کیا کہنا؟
سبحان اللہ ؎

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں؟

خداوند تعالیٰ کے نام خط

حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ چکے تھے ایک مرتبہ لوگوں نے اُن سے دریافت کیا کہ حضرت ابراہیم خواص کی خدمت میں سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز جو آپ نے دیکھی ہو اسکو بیان کیجئے ۔ حذیفہ مرعشی نے فرمایا کہ ہم چند دنوں تک مکہ مکرمہ کے راستے میں بے آب و دانہ بھوکے پیاسے رہ گئے ۔ پھر ہم کوفہ شہر میں داخل ہو کر ایک ویران مسجد میں پہنچے ۔ تو حضرت ابراہیم خواص نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے حذیفہ! میں تمہارے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھتا ہوں ۔ میں نے عرض کیا کہ جی حضور! بجا ہے واقعی مجھے بڑی شدید بھوک لگی ہے ۔ یہ سُن کر حضرت ابراہیم خواص نے فرمایا کہ اچھا تم قلم دوات اور کاغذ لاؤ ۔ میں نے فوراً ہی سارا سامان حاضر کر دیا تو حضرت ابراہیم خواص نے کاغذ پر یہ عبارت تحریر فرمائی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم انت المقصود بکل حال والمشار الیہ بکل معنی

پھر آپ نے ان اشعار کو پڑھا کہ ؎

(۱) اَنَا حَامِدٌ اَنَا شَاکِرٌ اَنَا ذَاکِرٌ
اَنَا جَائِعٌ اَنَا ضَائِعٌ اَنَا عَارِیْ

(۲) هِیَ سِتَّةٌ وَاَنَا الضَّمِیْنُ لِنِصْفِهَا
فَکُنِ الضَّمِیْنَ لِنِصْفِهَا یَا بَارِیْ

(۳) مَدْحِیْ لِغَیْرِكَ لَهَبُ نَارٍ خُضْتُهَا
فَاجِرْ عُبَیْدَكَ مِنْ لَهِیْبِ النَّارِ

ترجمہ: (۱) میں حمد کرنے والا، میں شکر کرنے والا ۔ میں ذکر کرنے والا ۔ میں بھوکا ۔ میں برباد، میں ننگا ہوں

(۲) میری یہ چھ صفتیں ہیں ۔ ان میں سے آدھی تین کا تو میں کفیل ہوں باقی تین آخری کا تو کفیل بن جا ۔

(۳) میں تیرے غیر کی مدح کروں ۔ یہ ایسا ہی ہے کہ میں آگ کے شعلے میں داخل ہو جاؤں لہٰذا تو اپنے حقیر

بندے کو آگ کے شعلے سے پناہ دے!

حذیفہ مرعشی کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم خواص نے یہ پرچہ لکھ کر مجھے دیا اور فرمایا کہ تم یہ خط لے کر جاؤ۔ اور راستے میں خدا کے سوا کسی دوسرے کا خیال تمہارے دل میں نہ آئے۔ اور سب سے پہلا شخص جو تمہیں ملے اسکو یہ خط دے دینا۔ چنانچہ میں یہ خط لیکر چلا۔ اور پہلا شخص جو مجھ سے ملا وہ ایک مرد تھا جو خچر پر سوار تھا۔ میں نے اُس کو پرچہ دیا۔ تو وہ خط پڑھ کر رو پڑا اور بولا کہ اس پرچہ کا لکھنے والا کس حال میں ہے اور کہاں ہے؟ میں نے کہا وہ بزرگ فلاں مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہ سُن کر اُس نے مجھے چھ سو درہم کی ایک تھیلی دی۔ اور چل دیا۔ میں تھیلی لے کر چند قدم چلا ہی تھا کہ ایک شخص ملا۔ میں نے اس سے اس خچر سوار کے بارے میں دریافت کیا۔ تو اس نے بتایا کہ یہ ایک نصرانی ہے میں تھیلی لے کر حضرت ابراہیم خواص کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور پورا قصہ سنا دیا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تم ان درہموں کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ تھیلی دینے والا ابھی یہاں آئے گا۔ چنانچہ ایک گھنٹے کے بعد واقعی وہ نصرانی اپنے خچر پر سوار ہو کر آگیا۔ اور مسجد کے دروازے پر اپنی جوتیاں اتار کر مسجد میں داخل ہوا۔ اور حضرت ابراہیم خواص کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور آپکے سر اور ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھنے لگا۔ نصرانی کی زبان سے کلمہ اسلام سُن کر حضرت ابراہیم خواص کو اتنی خوشی ہوئی کہ ان کی آنکھوں سے گریہ شادی کے آنسو نکل پڑے اور انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے اور اس کا شکر ہے کہ تجھ کو اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی ہدایت فرمائی۔ [1]

ناچنے والا ولی ہو گیا

دریائے نیل میں کشتی چلانے والے ایک ملاح کا بیان ہے کہ ایک دن ایک بہت ہی نورانی چہرے والے بزرگ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا تم مجھے اللہ کے نام پر دریا کے پار اُتار دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! وہ بزرگ میری کشتی پر سوار ہو گئے۔ اور میں نے انھیں دریا کے پار اتار دیا۔ جب

[1] مستطرف ج ۱ ص ۱۴۷

وہ کشتی سے اُترنے لگے تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمھیں ایک امانت سونپتا ہوں۔ کیا تم اس کو قبول کروگے؟ میں نے کہا کہ جی حضور! میں ضرور قبول کر لوں گا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ کل تم فلاں درخت کے پاس ظہر کے وقت آنا تو تم کو وہاں میری لاش ملے گی۔ تم مجھ کو غسل دینا اور میرے سرہانے جو کفن تم کو ملے اس کو مجھے کفن پہنا کر اُسی درخت کے نیچے مجھے دفن کر دینا اَور میری گدڑی اَور عصا اور مشک کو اپنے پاس رکھنا۔ اَور جو شخص ان چیزوں کو طلب کرنے کے لئے تمہارے پاس آئے۔ اُس کو یہ سب سامان دے دینا۔ ملّاح کا بیان ہے کہ میں ان بزرگ کی وصیّت کو بھول گیا۔ اَور بجائے ظہر کے عصر کے وقت مجھے خیال آیا تو میں اُس درخت کے پاس حاضر ہوا تو واقعی ان بزرگ کو مردہ حالت میں پایا۔ میں نے وصیت کے مطابق ان کو جو کفن پہنایا۔ اُس میں مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے جوں ہی ان کا جنازہ تیار کیا۔ ایک دم ناگہاں ایک طرف سے انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت آگئی اَور میں نے ان لوگوں کے ساتھ نماز جنازہ ادا کر کے اُسی درخت کے نیچے انھیں دفن کر دیا اَور اپنے گھر آکر رات میں سو رہا۔ صبح سویرے ہی ایک جوان جو ناچنے گانے والے بھانڈ کا لڑکا تھا۔ میرے پاس آیا نہایت ہی باریک کپڑا پہنے ہوئے۔ ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی اور بغل میں ستار دبائے میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سلام کیا۔ اَور میں نے اُس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اُس نے مجھ سے دریافت کیا کہ فلاں بن فلاں تم ہی ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ میں ہی ہوں۔ اُس نے کہا کہ پھر تو تمھارے پاس امانت ہے مجھے دے دو۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ تمھیں اس کی خبر کیوں کر ہو گئی؟ اُس نے کہا یہ نہ پوچھئے میں نے کہا کہ یہ تو تم کو بتانا ہی پڑے گا۔ میرا اصرار سن کر اس نے کہا کہ بھائی! میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ میں گزشتہ رات ایک شادی میں ساری رات ناچتا اور گاتا رہا۔ جب صبح کو اذان فجر ہوئی تو میں ناچ ختم کر کے سو گیا۔ اچانک ایک شخص میرے پاس آیا اَور مجھ کو جھنجھوڑ کر جگایا اَور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں ولی کو وفات دے دی ہے اَور تجھ کو اس کا قائم مقام بنا دیا ہے۔ لہٰذا تو فلاں ملّاح کے یہاں جا کر اُس وفات پانے والے ولی کے تبرکات وصول کرے۔ جن کو وہ بزرگ تیرے لئے بطور امانت ملّاح کے پاس رکھ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ ملّاح نے بیان کیا کہ میں نے ان بزرگ کا تفویض

سامان حسبِ وعدہ و وصیت بھانڈ کے لڑکے کو دے دیا۔ لڑکے پر سامان ہاتھ میں لیتے ہی ایک انقلابی کیفیت نمودار ہوگئی۔ اس نے باریک کپڑوں کو اتار کر میری کشتی میں پھینک دیا۔ اور کہا کہ تم میرے ان کپڑوں کو جسے چاہو بطور صدقہ دے دینا۔ اور خود اُن بزرگ کی گدڑی پہن کر اور عصا و مشک لے کر چل دیا۔ ملاح کا بیان ہے کہ میں اس بھانڈ کے لڑکے کی خوش نصیبی اور اپنی محرومی کا خیال کرکے رونے لگا۔ یہاں تک کہ رات آگئی۔ اور میں روتے روتے سوگیا۔ تو مجھے اس رات خواب میں اللہ جل مجدہٗ کا دیدار ہوا۔ اور مجھ سے ربّ العزۃ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم پر یہ گراں گزرا، کہ میں نے اپنے ایک گنہگار بندے پر احسان فرما کر اُس کو اپنے دربار کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اے ملاح! یہ میرا فضل ہے اور میں اپنا فضل جس کو چاہتا ہوں عطا فرما دیتا ہوں۔[1]

دو عجیب و غریب مُردے

شیخ ابو علی مصری فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک مُردوں کو غسل دینے والا رہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم نے سب سے زیادہ عجیب و غریب جو مُردہ دیکھا ہو اس کا حال بیان کرو۔ یہ سُن کر غسال نے بیان کیا کہ ایک دن ایک بہت ہی خوبصورت اور خوش پوشاک نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا تم ہمارے ایک مُردہ کو غسل دے دو گے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! چنانچہ میں اس جوان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ ایک مکان کے دروازے پر مجھ کو کھڑا کرکے اندر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر میں ایک لڑکی مکان کے اندر سے نکلی جس کی صورت ہو بہو اس جوان سے ملتی جلتی تھی۔ اس نے مجھے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے اندر بلایا۔ میں نے اندر جا کر دیکھا کہ وہی جوان تخت پر مُردہ پڑا ہوا ہے۔ جو چند منٹ پہلے مجھ کو مکان سے بُلا کر لایا تھا۔ چنانچہ میں نے اسکو غسل دے دیا اور کفن پہنا کر خوشبو لگا کر فوراً ہی اس کا جنازہ تیار کر دیا۔ جنازہ تیار ہو جانے کے بعد وہی لڑکی جو مجھے مکان کے اندر بُلا کر لے گئی تھی جنازہ کے پاس آئی اور اس میت کی پیشانی چوم کر کہا کہ خبردار عنقریب ہی میں بھی تم سے ملنے والی ہوں۔ جب میں واپس لوٹنے لگا تو اس لڑکی نے میرا شکریہ ادا

[1] مستطرف ج ا ص ۱۴۷

اور یہ کہا کہ اگر تمھاری بیوی اچھی طرح مُردے کو غسل دینا جانتی ہو تو اس کو بھی ابھی ہمارے پاس بھیج دو۔ غسال کا بیان ہے کہ میں اس لڑکی کی بات سُن کر لرز گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ جوان کی طرح یہ بھی ابھی ابھی وفات پانے والی ہے۔ چنانچہ میں مکان پر آیا اور بیوی کو سارا ماجرا سُنا کر اس کو ساتھ لے کر اس لڑکی کے مکان پر گیا۔ اور دروازہ پر دستک دی۔ تو وہ لڑکی اندر سے بولی کہ بسم اللہ تمھاری بیوی مکان کے اندر آجائے۔ جب میری بیوی مکان کے اندر داخل ہوئی تو یہ دیکھا کہ وہی لڑکی قبلہ رُخ لیٹی ہوئی مردہ پڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ میری بیوی نے اُسکو غسل دیکر کفن پہنایا اور ان دونوں بھائی بہن کا جنازہ ایک ساتھ اُٹھایا گیا۔[1]

تبصرہ ان دونوں حکایتوں سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ بعض اولیاء کو خداوند کریم اس عظیم کرامت سے بھی سرفراز فرماتا ہے کہ انھیں اپنی وفات کا وقت وفات کی جگہ دفن کا مقام سب کچھ پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں سورہ لُقمٰن کے آخر میں خداوند قدوس نے فرمایا ہے کہ مندرجہ ذیل پانچ چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ قیامت کب آئے گی؟ بارش کب ہوگی؟ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے؟ آدمی کل کیا کمائے گا؟ آدمی کہاں مرے گا؟

حالانکہ بہت سے انبیاء و اولیاء اور فرشتوں نے اِن باتوں کی خبر دی ہے۔ چنانچہ ملاح کی حکایت میں آپنے ملاحظہ فرمایا کہ اُن بزرگ نے یہ بتایا کہ میں کل ظہر کے وقت مروں گا اور فلاں درخت کے پاس مروں گا۔ اسی طرح بارش کا وقت، اور حمل میں کیا ہے؟ اور آدمی کل کیا کرے گا؟ اور کہاں مرے گا؟ ان امور کی خبریں بکثرت انبیاء و اولیاء نے دی ہیں جن کا تذکرہ قرآن و حدیث اور تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ لہٰذا سورہ لُقمٰن کا یہ مطلب تو ہو سکتا نہیں کہ ان پانچ چیزوں کا علم کسی طرح بھی خدا کے سوا دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر آیت کا یہ مطلب ہوگا تو ان واقعات سے قرآن کریم کی تکذیب لازم آئے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سورہ لُقمٰن کی آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ ان پانچ چیزوں کا علم بغیر خدا کے بتائے ہوئے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہی پانچ چیزوں کے علم کے بارے میں خداوند قدوس نے سورہ جن میں ارشاد فرمایا کہ عٰلِمُ الْغَیْبِ

---

[1] مستطرف ج ا ص ۱۴۹

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی اللہ غیب کا جاننے والا ہے۔ تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ غرض یہ کہ سورۂ لقمٰن کی آیت کا یہی مطلب متعین ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ان پانچوں چیزوں کا علم کسی کو نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں میں سے جسے چاہے بتائے۔ چنانچہ سورہ لقمان کی آیت کا آخری جملہ کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۠ اس مطلب پر نہایت ہی واضح قرینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور بتلانے والا ہے!

دیوبندیوں کی طرح اس آیت کے یہ معنی لینا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی ان پانچ چیزوں کا علم کوئی نہیں جانتا یہ سراسر باطل و غلط اور سیکڑوں آیات و احادیث کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وھو الھادی الی الرشاد۔

پہاڑ ہلنے لگا

مشہور بزرگ عبداللہ ہروی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ابو قبیس پہاڑ پر تھے۔ دوران گفتگو میں حضرت فضیل نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی آدمی اپنے توکل میں سچا ہو تو اس کی یہ شان ہوگی کہ اگر وہ اس پہاڑ سے کہہ دے کہ تو "ہل جا" تو اس کے حکم دیتے ہی یہ پہاڑ لرزہ براندام ہوکر ہلنے لگے گا۔ عبداللہ ہروی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم حضرت فضیل کے منہ سے یہ لفظ کہ "تو ہل جا" نکلتے ہی ہم نے دیکھا کہ کوہ ابو قبیس ایک دم ہلنے لگا۔ اس وقت حضرت فضیل نے فرمایا کہ اے پہاڑ! خدا تجھ پر رحمت نازل فرمائے۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تو حرکت میں آکر ہلنے لگے۔ میں نے تو مثال کے طور پر تیری جانب اشارہ کر دیا تھا۔ یہ سن کر پہاڑ بالکل ساکن ہوگیا۔[1]

تبصرہ اس قسم کی کرامت بہت سے بزرگان دین سے منقول ہے کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکل گیا۔ وہ فوراً ہی عالم وجود میں آگیا۔ نمک کو یہ کہہ دیا کہ یہ شکر ہے تو نمک شکر بن گیا۔ اور شکر کو کہہ دیا کہ یہ نمک ہے تو شکر نمک بن گئی۔ خداوند تعالیٰ کا اپنے ان نیک بندوں پر اتنا پیار ہوتا ہے کہ اس کے

[1] مستطرف ج ۲ ص ۲۶۳

کرم کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اس کے محبوب بندے کی زبان سے نکلی ہوئی بات غلط اور جھوٹ ہو جائے۔ اس لئے وہ جو کہہ دیتے ہیں وہ ہو جایا کرتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ؎

جو جذب کے عالم میں نکلے لب مومن سے — وہ بات حقیقت میں تقدیر الٰہی ہے

حضرت فضیل بن عیاض کا پورا حال ہم نے اپنی کتاب اولیاء رجال الحدیث میں تحریر کیا ہے جو قابلِ مطالعہ ہے۔ اللہ والوں کے احوال و معارف کا تذکرہ پڑھ کر سینے کے صندوق اور دل کی تجوری میں وہ دولتِ بے بہا حاصل ہوتی ہے جو ایک مومن کے فلاحِ دارین کا بہت ہی بڑا سرمایہ ہے! اور خاصانِ خدا و درویشانِ باصفا کی خدمت سے کیا ملتا ہے؟ یہ نہ پوچھئے بس اتنی بات یاد رکھئے کہ ؎

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی — نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

قدرت اور عفو

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سمندر میں کشتی پر سوار تھے۔ ناگہاں خوفناک طوفان آگیا اور موجوں کے تھپیڑوں سے کشتی غرق ہونے لگی۔ کشتی پر سوار ہونے والے تمام مسافروں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا۔ اور سب زار و قطار رونے لگے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی کملی اوڑھ کر سو رہے تھے۔ جب مسافروں کی چیخ و پکار کی آواز سن کر بیدار ہوئے تو صرف اتنا کہا کہ یا اللہ! تو نے اپنی قدرت تو ہم کو دکھلا دی۔ اب اپنا عفو بھی دکھلا دے؟ آپ کے منہ سے یہ جملہ نکلتے ہی ایک دم طوفان ختم ہوگیا۔ اور سمندر بالکل ساکن ہوگیا۔[1]

تبصرہ عاشقانِ الٰہی کا اپنے یارِ حقیقی کے کرم پر ناز کرنے کا یہ منظر ملاحظہ فرمایئے۔ ذرا ابراہیم بن ادہم کی دعا کا انداز تو دیکھئے؟ احکم الحاکمین کے دربار میں یوں عرضی پیش کرتے ہیں کہ "یا اللہ تو نے اپنی قدرت تو ہم لوگوں کو دکھلا دی۔ اب اپنا عفو بھی تو ہم لوگوں کو دکھلا دے؟ سبحان اللہ! سبحان اللہ! اللہ والوں کے "ناز و نیاز" کا کیا کہنا؟ اس بلند منزل کا تو ہم عوام تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسی مضمون کو کسی صاحبِ حال نے زبانِ قلم سے یوں ادا کیا ہے کہ ؎

[1] مستطرف ج ۲ ص ۲۵۱

میں جو چاہوں تو بنا ڈالوں مقدر اپنا ___ مجھ کو آتے ہیں وہ انداز جبیں سائی کے

قبر سے کفن واپس

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک سائل جو بظاہر بھیک مانگنے والا فقیر مگر درحقیقت خدا رسیدہ بزرگ تھا مسجد میں آیا۔ اور لوگوں سے روٹی کے ایک ٹکڑے کا سوال کیا۔ مگر کسی نے بھی اسکو روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں دیا۔ اور وہ غریب بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرگیا۔ جب موذن نے مسجد میں اسکو مردہ پایا۔ تو لوگوں کو اس کی خبر دی۔ درویش کی موت کا حال سن کر لوگ جمع ہوئے۔ اور آپس میں چندہ کر کے درویش کے کفن دفن کا انتظام کیا۔ درویش کو دفن کر دینے کے بعد جب موذن مسجد میں گیا۔ تو یہ دیکھا کہ جو کفن درویش کو دیا گیا تھا وہ مسجد کی محراب میں پڑا ہوا ہے اور اُس کفن پر یہ عبارت تحریر کی ہوئی ہے کہ،

"تم لوگوں کا دیا ہوا کفن تمہارے پاس واپس لوٹایا جا رہا ہے۔ کیونکہ تم لوگ بدترین قوم ہو۔ تم سے درویش نے روٹی کا ایک ٹکڑا مانگا تھا۔ مگر تم لوگوں نے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ وہ بھوکا مر گیا۔ ہم اپنے دوستوں کو اپنے غیر کے سپرد نہیں کیا کرتے" [۱]

تبصرہ یہ حکایت نہایت ہی رقت انگیز اور عبرت خیز ہے۔ ایسے بہت سے گدڑی میں چھپے ہوئے لعل ہیں۔ جو بظاہر میلے کچیلے اور حقیر نظر آتے ہیں۔ مگر وہ بارگاہِ الٰہی میں محبوبیت کی ایسی بلند ترین منزل پر فائز ہوتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کو اپنے قربِ خاص کی عزت و عظمت کا تاجدار بنا دیتا ہے اور ان کے سینوں کو نورِ باطن کا سفینہ بنا کر انھیں ایسا مخزنِ انوار بنا دیتا ہے کہ ان کی ایک نگاہ سے ذرے رشکِ آفتاب و غیرتِ ماہتاب بن جاتے ہیں۔ اس لئے ان فرسودہ حال فقرا کو ہرگز ہرگز کبھی حقارت کی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ اگر ہو سکے تو ان کی کوئی خدمت کر دے۔ ورنہ کم سے کم اتنا خیال رکھے کہ ان لوگوں کی کوئی دل آزاری نہ ہونے پائے۔ بزرگوں نے سچ کہا ہے ؎

غبار آلودہ ہیں لیکن حقارت سے نہ دیکھ ان کو ___ کہ ان کی ٹھوکروں سے سلطنت بنتی بگڑتی ہے

---

[۱] مستطرف ج ۱ ص ۱۴۹

جبرئیل علیہ السلام نے پانی پلایا

حافظ الحدیث ابو محمد خلال نے اپنی کتاب "کرامات الاولیار" میں نقل فرمایا ہے کہ حسن بن صالح نے فرمایا کہ میرے بھائی علی بن صالح محدث نے اپنے وصال کے وقت رات میں بستر بیماری پر مجھ سے پانی مانگا میں اس وقت نماز میں تھا۔ اور میرے سوا کوئی دوسرا شخص مکان میں نہیں تھا۔ نماز پوری کر کے میں نے جلدی سے پانی پیش کیا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے تو ابھی ابھی پانی پی لیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کس نے آپ کو پانی پلا دیا؟ میرے سوا تو کوئی یہاں موجود نہیں ہے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تشریف لا کر مجھے پانی پلایا ہے اور یہ بشارت دی ہے کہ تم اور تمھارے بھائی اور تمھاری والدہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خداوند قدوس نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیا و صالحین اور شہدا کے ساتھ اتنا فرمایا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔[1]

تبصرہ خداوند عالم کا اپنے خاص بندوں پر بے انتہا فضل و کرم ہوتا ہے۔ بہت سے خاصان خدا کے پاس فرشتوں کو پروردگار عالم نے ان کی امداد و نصرت اور بشارت کے لئے بھیجا ہے۔ اور فرشتوں نے اولیار و علما اور مجاہدین کی بے شمار موقعوں پر قسم قسم کی معاونت اور امداد و اعانت کی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ مومن کامل اور صاحب دل کا مقام عظمت اور مرتبہ رفعت بہت بلند ہے۔ مگر افسوس کہ خود مومن سے مومن کا مقام پوشیدہ ہے۔ ورنہ کائنات عالم کی ہر چیز مومن کو اس کے منصب عزت کی یاد دلانے کے لئے ہر وقت یہ نغمہ ورد زبان رکھتی ہے۔

ہر شے مسافر ہر چیز راہی ۔۔۔ کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
تو مرد میداں، تو میر لشکر ۔۔۔ نوری حضوری تیرے سپاہی
کچھ قدر تو نے اپنی نہ جانی ۔۔۔ یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی
دنیائے دوں کی کب تک غلامی! ۔۔۔ یا راہبی کر، یا بادشاہی

[1] شرح الصدور ص ۳۴

کفن چور کی مغفرت

ایک کفن چور جو قبریں کھود کر کفن چرایا کرتا تھا۔ ایک صالحہ عورت کی نمازِ جنازہ میں اس لئے شریک ہوا، تاکہ اُس عورت کی قبر دیکھ لے۔ چنانچہ رات میں جب یہ کفن چور اس عورت کو قبر کھود کر کفن کھینچنے لگا تو اُس نیک بی بی نے فرمایا کہ سبحان اللہ! ایک بخشا ہوا انسان ایک بخشے ہوئے انسان کا کفن چھین رہا ہے۔ کفن چور نے کہا کہ اے اللہ والی! یہ تو میں مانتا ہوں کہ تیری مغفرت ہو چکی ہے۔ مگر یہ تو بتا کہ میری مغفرت کس طرح ہو گئی؟ تو اُس صالحہ بی بی نے فرمایا کہ جن لوگوں نے میرے جنازہ کی نماز پڑھی ہے سب کو خداوند تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ اور چونکہ تو بھی میری نمازِ جنازہ میں شریک تھا اسلئے یقیناً تو بھی مغفور ہے۔ یہ سُن کر کفن چور کے دِل پر عبرت کی ایسی چوٹ لگی کہ اس کا دِل بھر آیا اور وہ رو پڑا۔ پھر اس نے قبر کو بند کر کے سچی توبہ کر لی۔[1]

تبصرہ اُمتِ رسول کے صالحین پر خداوند قدوس کے فضل و کرم کا یہ بھی ایک بڑا تجلی افروز جلوہ ہے کہ جو مسلمان بھی ان مقبولانِ بارگاہِ الٰہی سے کسی طرح بھی وابستہ ہو جاتا ہے وہ بھی ارحم الراحمین کے رحم و کرم کا مستحق ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے مجرم اور پاپی قیامت کے دِن محض اس لئے بخش دیئے جائیں گے کہ وہ اولیاء اور شہداء اور صلحاء سے محبت کرتے تھے یا ان کی کوئی خدمت انجام دیتے تھے یہاں تک کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ایک گناہگار کی قیامت میں صرف اتنی ہی بات پر مغفرت ہو جائیگی کہ اس نے ایک مرتبہ کسی نیک بندے کو پانی پلا دیا تھا۔ یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بڑے ہی والہانہ انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ؎

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم　　　بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

یعنی میں نے یہ سُن لیا ہے کہ قیامت کے دِن بہت سے بدکاروں کو خداوند کریم نیکوکاروں کے طفیل میں بخش دے گا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! نیک بندوں سے تعلق بلاشبہ بڑی دولت ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خدا کے محبوب بندوں سے والہانہ عقیدت و محبت رکھے، اور جس قدر ہو سکے

[1] شرح الصدور ص۸۹

ان کی نصرت و خدمت سے سعادت دارین حاصل کرے!

رقت انگیز وعظ

سُلیم بن منصور فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد منصور بن عمّار کو خواب میں دیکھ کر یہ پوچھا کہ دربارِ خداوندی میں آپ کا معاملہ کیسا رہا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اپنا قرب عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے بدعمل بڈھے! تجھ کو معلوم ہے کہ میں نے کیوں تجھ کو بخش دیا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ اے میرے معبود۔ تو میرے رب نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ایک وعظ کی مجلس میں اپنی رقت انگیز تقریر سے حاضرین کو رُلا دیا تھا۔ اور اس وعظ میں میرا ایک ایسا بندہ بھی تھا جو تمام کبھی بھی خوفِ الٰہی سے نہیں رویا تھا مگر تمہارا وعظ سن کر وہ بھی رونے لگا۔ تو میں نے اس بندے کی گریہ وزاری پر رحم فرما کر اس کو اور تمام حاضرینِ مجلس کو بخش دیا۔ اسی لئے تمھاری بھی مغفرت ہوگئی۔[1]

تبصرہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن واعظین کا درجہ بہت ہی بلند و بالا اور عظمت والا ہے جو اپنی رقت انگیز و عبرت خیز تقریروں سے بندگانِ خدا کے قلوب میں رقت پیدا کرتے ہیں۔ اور خدا کی بارگاہِ عظمت سے بچھڑے ہوئے بندوں کو اپنے مواعظ کی کشش سے کھینچ کھینچ کر دربارِ الٰہی میں لاتے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ "اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" کی وہ خوش نصیب سعادت مند جماعت ہیں جن کے بارے میں خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی جو لوگ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں وہ فلاح پانے والے ہیں۔

مولیٰ عزّوجل ایسے نیک واعظین کے کلام میں ایک ایسی کشش اور جاذبیت پیدا فرما دیتا ہے کہ ان کے مُنھ سے نکلا ہوا ہر کلمۂ حق سامعین کے کانوں میں لفظ بن کر پہنچتا ہے مگر کراماتی تاثیر کا تیر بن کر ان کے دِل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے سنگدل اور قسیّ القلب انسان جذباتِ تاثر سے تڑپ تڑپ کر مرغِ بسمل بن جاتے ہیں جس کو دیکھ کر بڑے بڑے ملحد اور منکر بھی بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ۔

سخن میں سوزِ الٰہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کرے

[1] شرح الصدور ص ۱۱۸

تین سو حوریں

حُبَیش بن مُبَشّر نے بیان فرمایا کہ امام الحدیث یحییٰ بن مَعین کا جب مجھے خواب میں دیدار ہوا تو میں نے ان سے سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ کے دربار میں ان کی پیشی کا کیا انجام ہوا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اپنے قُربِ خاص سے نوازا۔ اور مجھے بار بار اپنی بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور دو مرتبہ اپنے دیدار سے مشرف فرمانے کے لئے اپنے دربار میں باریاب فرمایا۔ اور تین سو حوریں میرے نکاح میں آئیں

حُبَیش بن مبشّر کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ سب انعام و اکرام آپ کو کون سی عبادت کے بدلے میں عطا کیا گیا۔ تو انھوں نے اپنی آستین سے حدیثوں کے چند اوراق نکال کر فرمایا کہ ان حدیثوں کی وجہ سے

(یحییٰ بن معین کا تذکرہ ہماری کتاب اولیاء رجال الحدیث میں مطالعہ فرمایئے)

تبصرہ سبحان اللہ! محدّثین کرام جن کا سینہ احادیث نبویہ کا سفینہ اور جن کا دِل علوم نبوّت کا خزینہ ہے ان کے مدارج عُلیا اور فضائل عظمیٰ کا کیا کہنا؟ بلا شبہہ یہ لوگ وارث الانبیاء اور مقبولانِ بارگاہِ مصطفےٰ ہیں اور یقیناً یہ وہ اربابِ صفا ہیں جو دربارِ خُدا میں مظفر و منصور اور دونوں جہان میں ارحم الراحمین و خیر الغافرین کے مرحوم و مغفور ہیں۔ واقعی جن خوش نصیبوں کے سینوں میں علوم نبوت کی تجلیاں جلوہ فگن ہو جائیں اور مشکوٰۃ نبوت کے روشن چراغوں سے جس کا دِل پُرنور بلکہ نورٌ علیٰ نور ہو جائے وہ یقیناً اگر زبان قال سے نہیں تو زبان حال سے ضرور حالتِ وجد میں یہ کہتا پھرے گا کہ ؎

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اکثر کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانۂ دِل؟

کفن میں پرند

مشہور تابعی محدث میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں طائف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جنازہ میں حاضر تھا۔ جب نماز جنازہ کے لئے لوگ کھڑے ہوئے تو اچانک ایک سفید پرند آیا اور ان کے کفن کے اندر داخل ہو گیا۔ نماز کے بعد ہم لوگوں نے ان کے کفن میں ٹٹول ٹٹول

شرح الصدور ص ١٢٠

کر بہت تلاش کیا۔ مگر کچھ نہیں ملا۔ پھر جب ہم انھیں دفن کر چکے تو ایک غیبی آواز تمام حاضرین نے سُنی کہ کوئی یہ آیت پڑھ رہا ہے یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً یعنی اے اطمینان پانے والی جان تو اپنے رب کے دربار میں اس طرح حاضر ہو جا کہ تو خدا سے خوش ہے اور خدا تجھ سے خوش ہے [لے]

تبصرہ یہ سفید پرند یا تو ان کے اعمال صالحہ کا نور تھا۔ جو ان کی قبر شریف میں گیا۔ یا رحمتِ الٰہی کا سکینہ تھا جو عالم بالا سے پرند کی شکل میں اتر کر ان کے جسم منوّر پر جلوہ فگن ہو گیا۔ خاصانِ خدا کے لئے اس قسم کی بشارتیں دیکھنے والوں کے لئے عبرت و نصیحت کا سامان اور خاصانِ خدا کے لئے خداوند قدوس کے رضوان و غفران کا نشان ہیں۔ اور قدرت کی طرف سے اس حقیقت کا اعلان ہے کہ صالحین کی حیات و وفات دونوں ہی عام انسانوں کی زندگی اور موت سے بالاتر اور اعلیٰ ترین ہے۔ یہ دنیا میں رہے تو ایمانی عزت و وقار کے تاجدار بنے رہے اور جب دنیا سے گئے تو رحمتِ پروردگار طرح طرح سے ان پر اپنے فضل و کرم کے گوہر آبدار نثار کرتی رہی۔ اور انھیں اپنے فضل عظیم کے قرب و جوار کا سزاوار بناتی رہی۔ یہاں تک کہ ملاءِ اعلیٰ کے مقدس فرشتوں نے بھی اُن کے جنازے کو دیکھ کر زبان حال سے اپنے قدسی لہجے میں یہ ترانہ سُنا دیا کہ ؎

یہ وہ مرحوم ہیں جن کے لئے خود رحمتِ حق   لے کے اُتری ہے "حیاتِ ابدی" کا پیغام

نجات کا پروانہ

جلیل القدر محدث حضرت "رجاء بن حیوۃ" بیان فرماتے ہیں کہ مشہور تابعی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نزع کی حالت میں مجھ سے فرمایا کہ اے رجاء! میں اس وقت اپنے سامنے ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں۔ جو نہ انسانوں کے چہرے ہیں نہ جنوں کے۔ پھر آپ دائیں بائیں کروٹ بدلنے لگے اور یہ دعا مانگنے لگے۔ کہ یا اللہ! تو میرا رب ہے۔ تو نے مجھے کچھ باتوں کے کرنے کا حکم فرمایا تھا تو مجھ سے اس میں کوتاہی ہوئی اور تو نے چند باتوں سے مجھے منع فرمایا تھا تو مجھ سے تیری نافرمانی

[لے] مستطرف ج ۲ ص ۳۸۱

ہوئی۔ اب اگر تو مجھے بخش دے تو یہ تیرا احسان ہی احسان ہے اور اگر تو مجھے عذاب دے تو ہرگز ہرگز تو ظالم نہیں ہے۔ یا اللہ! تو سُن لے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو یکتا اور ایک ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے برگزیدہ رسول اور پسندیدہ نبی ہیں۔ انھوں نے تیرے پیغام کو پہنچا دیا۔ اور امانت کو ادا فرما دیا اور اُمت کی خیر خواہی فرمائی۔ اُن پر میری طرف سے سلام و رحمت ہو۔ ان کلمات کو کہا اور اسکے بعد فوراً روح پرواز کر گئی۔ حضرت رجار کہتے ہیں کہ اپنی حیات میں مجھ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ اے رجار! تم مجھے قبر میں اتار کر میرے کفن کو سرکا کر میرا چہرہ دیکھنا۔ اگر میرے چہرے پر کوئی خیر کا نشان دیکھو تو خدا کی حمد کرنا اور اس کا شکر بجالانا۔ ورنہ پھر یہ سمجھ لینا کہ عبدالعزیز کا بیٹا ہلاک ہو گیا۔ حضرت رجار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ان کی لحد میں سُلا کر جب وصیت کے مطابق کفن ہٹا کر ان کا چہرہ دیکھا تو مجھے ایسا نظر آیا کہ ان کے چہرے سے نور کی شعاعیں بلند ہو رہی ہیں اور جیسے ہی ہم ان کے دفن سے فارغ ہو گئے۔ ایک دم بارش شروع ہو گئی۔ پھر لوگوں کو ان کی قبر کے پاس ایک چادر ملی جس پر نورانی تحریر میں یہ لکھا تھا کہ،

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ امان لعمر بن عبد العزیز من النار"

یعنی عمر بن عبدالعزیز کے جہنم سے امان ہے۔[1]

تبصرہ غور فرمایئے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تابعی محدث اور خلفار بنو اُمیہ میں سب سے زیادہ عادل خلیفہ تھے۔ خداوندِ عالم نے ان کو کتنی بشارتوں سے نوازا۔ آپ کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب "اولیار رجال الحدیث" میں بھی تحریر کیا ہے۔ جو قابلِ مطالعہ ہے۔ کیوں نہ ہو کہ واللہ یہ لوگ علم و عمل، اور صلاح و تقویٰ کے وہ اونچے اونچے پہاڑ ہیں جن کی عظمتوں کی رفعت کو آسمانوں کی سربلندیاں بھی جھک جھک کر سلام کرتی ہیں۔ اور یہ وہ پاکباز و پاک دامن مردانِ خدا ہیں جن کے دامنِ تقدس کو فرشتے اپنا مصلّٰی بنانے کی تمنائیں کرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ ان خاصانِ خدا کی موت ایسی وجد آفریں موت ہے کہ ان کے بارے میں تم برملا ڈنکے کی چوٹ پر یہ ترانہ گا سکتے ہو کہ ؎

[1] مستطرف ج ۲ ص ۲۸۰

لحد میں ان کی وہ نوری حضور رہتا ہے
کہ وصلِ حق کا ابد تک سرور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن ان کا
مگر وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

دیدارِ رسول کا ایک منظر

حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ابنِ مُلجم خبیث کی تلوار سے شدید زخمی ہو کر نزع کی حالت میں تھے تو میں اس وقت وہاں حاضر تھی دیر تک بے ہوشی و غفلت کے بعد ناگہاں آپ چونکے اور ہوش میں آگئے اور بلند آواز سے فرمایا کہ "مَرْحَبًا" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ؕ لوگوں نے عرض کیا کہ اے مولیٰ! اس وقت آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور یہ میرے بھائی حضرت جعفر اور یہ میرے چچا حضرت حمزہ ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمانوں کے دروازے کھلے ہیں اور فرشتوں کی نورانی جماعت میرے پاس جنت کی بشارت لے کر اتر رہی ہے۔ اور یہ حضرت بی بی فاطمہ ہیں اور ان کے ارد گرد ان کی خدمت گذار حوریں کھڑی ہیں۔ اور یہ میرے جنتی محلات میری نظروں کے سامنے ہیں۔ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ یہ سب کچھ فرمایا۔ پھر آپ کا طائرِ روح فردوس اعلیٰ کے گلشن کی سیر کیلئے پرواز کر گیا۔[1]

تبصرہ | اللہ اکبر! فاتح خیبر علی حیدر اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب کے بارے میں کس قلم میں یہ تاب و توانائی ہے کہ کماحقہٗ آپ کے کمالاتِ ولایت و مقاماتِ کرامت کو دائرۂ تحریر میں لاسکے۔ ہزاروں کرامات آپ کے قدموں پر نثار اور لاکھوں بشارات آپ کے نقشِ پا پر تصدق۔ کیوں نہ ہو کہ آپ لاریب سید الاولیاء و سند الاصفیاء، تمام اُمت کے مولیٰ اور مشکل کشا ہیں۔ اور آپ کے فضل و کمال ولایت کے بارے میں تمام اولیاءِ اُمت کا یہ ایمانی نعرہ ہے کہ ؎

اللہ اللہ شہ حیدر کے فضائل کیا خوب
ان کے افضال و مناقب کا ہے قرآن گواہ

[1] مستطرف ج ۲ ص ۲۸۲

شیر کا کان پکڑنے والے

نامور محدث حضرت سفیان ثوری اور شیبان راعی دونوں ایک ساتھ حج کے لئے جا رہے تھے ایک تنگ راستے میں لوگوں نے دیکھا کہ ایک شیر راستہ روکے ہوئے کھڑا ہے۔ حضرت سفیان ثوری نے حضرت شیبان راعی سے فرمایا کہ اب کیا ہوگا؟ شیبان راعی نے فرمایا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ کہہ کر بے دھڑک آپ آگے بڑھے۔ اور شیر کا کان پکڑ کر زور زور سے موڑنا شروع کر دیا۔ اور شیر سر جھکائے کھڑا دم ہلاتا رہا۔ اور قافلہ والے انتہائی حیرت و تعجب سے اس منظر کو دیکھنے لگے جب بہت دیر تک یہ تعجب خیز تماشہ ہوتا رہا تو حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ شیبان راعی! اب بس کرو۔ یہ کیا شہرت کا دھندا کر رہے ہو؟ شیبان راعی نے یہ سن کر فرمایا کہ اے سفیان! اگر مجھے شہرت کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنا توشہ اسی شیر کی پیٹھ پر لاد کر مکہ مکرمہ تک لے جاتا۔[1]

تبصرہ سبحان اللہ! اولیاء اللہ کے تصرفات و کرامات اور ان کی خداداد روحانی طاقتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ یہ نفوس قدسیہ اپنے وجود کی عظمتوں کے ساتھ جب احکم الحاکمین کے دربار عالی میں پورے خضوع و خشوع کے ساتھ جھک کر سر بسجود ہو گئے تو خالقِ کائنات نے ان کے سروں پر سر بلندیِ حکومت کا ایسا تاج رکھ دیا کہ جن و بشر، شجر و حجر، پرندے، چرندے، درندے سب ان کے زیرِ فرمان ہو گئے۔ بالکل حق فرمایا بلبل شیراز جناب سعدی نے کہ ؎

توہم گردن از حکم داور مپیچ   کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یعنی اے مومن! تو خدا کے حکم سے گردن مت پھیر تو تیرے حکم سے دنیا کی کوئی چیز بھی گردن نہ پھیرے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ یعنی جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اسکا ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ! خدا جس کا ہو گیا۔ بھلا ساری خدائی کیوں نہ اسکی ہو جائیگی۔

مسلمانو! یہی وہ اللہ والے تھے جو خانقاہوں میں جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا کھا کر کمبلوں میں لپٹے ہوئے اپنی چٹائیوں پر بیٹھ کر کائناتِ عالم کے دلوں پر اپنی حکومت و بادشاہی کا سکہ بٹھائے رہتے تھے۔ اور

[1] روح البیان

اپنی نگاہوں کی گردش سے نظامِ عالم کو زیر وزبر کر دیا کرتے تھے اور ان کی روحانی طاقتوں کی ہیبتوں سے بڑے بڑے کرو فر والے تخت نشین بادشاہ لرزہ براندام ہو کر اس حقیقت کا بہ بانگ دہل اعتراف و اعلان کرنے پر مجبور ہوتے تھے کہ ؎

گو تاج شہنشاہی میں طاقت ہے خطر بھی ۔۔۔ اللہ کی تلوار ہے مومن کی نظر بھی

مگر افسوس کہ آج ان بزرگوں کی خانقاہوں میں بکثرت ایسے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال یہ کہہ دینے پر مجبور ہوئے کہ ؎

تھا جہاں مدرسۂ شیری و شاہنشاہی ۔۔۔ آج اُن خانقاہوں میں ہے فقط روباہی

نظر آئی نہ مجھے قافلہ سالاروں میں ۔۔۔ وہ "شبانی" کہ ہے تمہید "کلیم اللّٰہی"

ایک مُحدّث کا جنازہ

محدّث ابن عساکر ناقل ہیں حمص کے ایک شیخ کا بیان ہے کہ میں یہ خیال کر کے کہ صبح ہو گئی۔ مسجد میں چلا گیا۔ لیکن وہاں پہنچ کر مجھے پتہ چلا کہ ابھی کافی رات باقی ہے۔ جب میں قُبّہ کے نیچے پہنچا تو میں نے مسجد کے فرش پر کچھ سواروں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے ملاقات اور گفتگو کر رہے ہیں۔ دورانِ گفتگو میں لوگوں نے پُوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو؟ تو کچھ سواروں نے جواب دیا کہ کیا تم لوگ ہمارے ساتھ نہیں تھے؟ کیا تمہیں خبر نہیں؟ کہ خالد بن مَعدان محدّث کا وصال ہو گیا اور ہم لوگ ان کے جنازہ سے آ رہے ہیں۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ افسوس! کیا خالد بن معدان وفات پا گئے۔ ہم لوگوں کو تو اس کی اطلاع ہی نہیں ملی۔ شیخ حمص کہتے ہیں کہ میں ان سواروں کی گفتگو سنتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح کو میں نے یہ سارا ماجرا اپنے ساتھیوں سے بیان کیا تو لوگ سن کر حیران رہ گئے اور ہر ایک کو حضرت خالد بن معدان کی وفات کی خبر سے انتہائی حیرت تھی۔ کیونکہ سارے شہر میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن جب دوپہر کو شاہی ڈاک آئی تو حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہونے لگا کہ خالد بن معدان محدّث کا وصال ہو گیا۔[1]

تبصرہ | خالد بن معدان کے جنازے میں جو غیبی سوار حاضر ہو کر ان کی نماز جنازہ اور دفن کی سعادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ یہ لوگ یا تو رجال الغیب تھے۔ یا جنوں کی جماعت تھی۔ یا ملائکہ سیاحین کا مقدس گروہ تھا۔ بہر کیف اس واقعہ سے ہمیں روشنی ملتی ہے کہ علماء حق کے جنازوں پر حاضر ہونے والوں میں صرف انسانوں کا ہجوم نہیں ہوتا۔ بلکہ جن، رجال الغیب، صلحاء کی روحیں اور فرشتے بھی ان کی نماز جنازہ میں دور دور سے آکر شرکت کرنے کو اپنی سعادت تصور کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ ایک عالم ربانی کی شان بہت ہی بلند و بالا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک عالم کے لئے جن و انسان اور ہر مخلوق یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں دریاؤں کی گہرائی میں دعائے مغفرت کرتی رہتی ہیں۔ جب علماء حق کے لئے اس قدر قبول فی الارض کی بشارت آئی ہوئی ہے۔ تو ان کے جنازوں پر جنوں اور فرشتوں کی تشریف آوری میں کیا تعجب کی بات ہے؟

علماء حق علم نبوت کے مدرس و مبلغ ہیں۔ خداوند قدوس نے ان کو شریعت اسلام کا امین اور پیغمبروں کا جانشین بنایا ہے۔ ان کا مقدس وجود کائنات عالم کے لئے رحمت الٰہی کا سامان اور ان کا دنیا سے اٹھ جانا اہل عالم کے لئے ناقابل تلافی نقصان اور باعث حرمان و خسران ہے۔ مگر یہ ساری بشارتیں اور کرامتیں انھیں ان ہی علماء ربانیین کے لئے ہیں۔ جن کے قلوب علم نبوت کی روشنی سے منور ہیں۔ اور وہ ہر حال میں حق شناس، حق گو اور حق پرست ہیں۔ اور اپنے علم و عمل کے انوار سے امت رسول کے سینوں کو جگمگاتے رہتے ہیں۔ مگر افسوس، صد ہزار افسوس! کہ آج کل دنیا ان معارف و اعمال کے حق نما روشن میناروں سے روز بروز خالی ہوتی جارہی ہے۔ اور دور حاضر کی خانقاہوں کی طرح اس زمانے کے مدارس و مکاتیب بھی علوم نبوت کی روح سے تقریباً بالکل ہی بے بہرہ و تہی دست نظر آرہا ہے۔ غول کے غول ہر سال دستار بند ہو کر مولویوں کی جماعت مدارس اسلامیہ سے نکلتی ہے۔ مگر ان میں ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کے علم و معارف اور عمل و کردار میں، حسن بصری، امام غزالی، عارف رومی کی ادا اداؤں کی جھلک نظر آئے۔ بار بار نگاہیں ہر طرف اٹھتی ہیں مگر ایسے پاک باز پاک باطن علماء حق کے دیدار سے محروم رہتی ہیں اور آخر کار ناکام و نامراد ہو کر

نہایت ہی حسرت وافسوس کے ساتھ یہ شکوہ نما سوال کرنے لگتی ہیں کہ

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے! خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے!
منزلِ راہ رواں دور بھی دشوار بھی ہے کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے؟
بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین ووطن اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے؟

طاق پر درہم

میمون کردی فرماتے ہیں کہ میں نے عُروہ بن بزار کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے میمون! فلاں سقار کا میرے ذمّے ایک درہم باقی ہے۔ اور میرے مکان کے فلاں طاق پر ایک درہم رکھا ہوا ہے۔ تم وہ درہم اس سقار کو دے دو۔ میمون کُردی کا بیان ہے کہ جب صُبح کو میں بیدار ہوا۔ تو میں نے اس سقار سے دریافت کیا کہ کیا عُروہ بن بزّار کے ذمّہ تمھارا کوئی مطالبہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ جی ہاں! میرا ایک درہم ان پر رہ گیا ہے۔ پھر میں نے ان کے مکان میں داخل ہو کر طاق پر دیکھا تو واقعی ایک درہم پڑا ہوا تھا۔ وہ میں نے سقّار کو دے دیا۔[1] سبحان اللہ

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ امت مرحوم سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

ایک متوکل کی کرامت

حضرت حاتم اُصم رحمۃ اللہ علیہ بڑے عابد و متقی عالم دین تھے۔ کثیر العیال اور نہایت ہی مفلس تھے مگر قناعت و توکل میں یکتائے روزگار تھے۔ "اَصم" کے معنیٰ "بہرا" یہ در حقیقت بہرے نہیں تھے۔ مگر اس لقب سے اس لئے مشہور ہو گئے کہ ایک دن ایک عورت ان سے ایک مسئلہ پوچھنے آئی۔ اتفاق سے مسئلہ پوچھنے میں عورت کی زور سے ریاح خارج ہو گئی اور وہ بے چاری شرم کے مارے پانی پانی ہو گئی اور ندامت و حیا سے اس کا رُخ ہو گیا۔ آپ نے اُسکی خجالت و شرمندگی کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ تم نے کیا کہا؟ خوب زور سے چلا کر مجھ سے پوچھو۔ میں "اصم" ہوں۔ یعنی بہ نسبت دوسرے لوگوں کے کچھ اونچا سنتا ہوں۔

[1] شرح الصدور ص۱۱۶

یہ سن کر عورت کی شرمندگی دور ہوگئی۔ اسی دن سے آپ کا یہ لقب مشہور ہوگیا۔

آپ نے ایک دِن حج کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو بیوی اور اہل وعیال اور سب پڑوسیوں نے منع کیا۔ کہ گھر والوں کو فاقہ مستی میں چھوڑ کر حج کے لئے جانا مناسب نہیں ہے۔ لیکن آپ کی چھوٹی بچی نے کہا کہ کیوں تم لوگ ان کو ایک نیکی سے روک رہے ہو؟ یہ باپ ہی تو ہیں۔ ہمارے "رزاق" تو نہیں ہیں۔ رزق کا دینے والا تو خدا ہے۔ چنانچہ اس بچّی کی تقریر سُن کر سب نے آپ کو سفرِ حج کی اجازت دے دی۔ اور آپ فوراً ہی روانہ ہو گئے۔ اور یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہوگئی۔ کہ حاتم اصم بغیر اہل وعیال کو خرچ دیئے اور بغیر کوئی توشہ لئے حج کو روانہ ہو گئے۔ پڑوسیوں نے ان کے گھر والوں خصوصاً چھوٹی بچی کو خوب ملامت کیا۔ کہ کیوں اس حالت میں تم لوگوں نے جانے دیا؟ اسی حالت میں شہر کا امیر جو شکار کے لئے نکلا تھا اپنے لشکر سے بچھڑ کر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ پیاس سے بیقرار ہو کر اس گاؤں میں حاتم اصم کے دروازے پر آگیا۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے حاتم اصم کی بیوی نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو جواب دیا کہ میں شہر کا امیر ہوں۔ تم مجھے پانی پلاؤ؟ حاتم اصم کی بیوی نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا کہ الٰہی! تیری شان کا کیا کہنا؟ رات بھر تو ہم بھوکے رہے۔ اور دِن کو ہمارے دروازے پر شہر کا حاکم کھڑا پانی کا سوال کر رہا ہے۔ عورت نے ایک نیا مٹی کا پیالہ پانی سے بھر کر پیش کر دیا اور یہ عذر کیا کہ ہمارے پاس اس سے اچھا کوئی برتن نہیں ہے۔ حاکم شہر کو پانی میں بڑا مزہ آیا۔ اُس نے پوچھا کہ کیا یہ کسی رئیس کا گھر ہے؟ ساتھیوں نے کہا کہ نہیں یہ ایک عالم دین کا مکان ہے جن کا نام حاتم اصم ہے۔ حاکم شہر نے کہا کہ غالباً یہ اُنھیں حاتم اصم کا مکان ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مفلسی کے باوجود حج کو چلے گئے؟ ساتھیوں نے کہا کہ جی ہاں! یہ سن کر حاکم شہر نے کہا کہ جواں مردی کی بات نہیں ہے کہ ہم جیسے دولت مند ان جیسے غریبوں پر بار بنیں۔ حاکم شہر نے فوراً اپنی کمر کا پٹکا کھولا اور مکان کے اندر پھینک دیا پھر اُس کے ساتھیوں نے بھی اپنا اپنا پٹکا کھول کر گھر میں ڈال دیا۔ اور کہا کہ اے گھر والو! یہ سب پٹکے تم لوگوں کو عطا کئے گئے اور بہت جلد ہم ان کی قیمت بھیج کر تم سے ان پٹکوں کو خرید لیں گے۔ چنانچہ حاکم شہر نے اپنے گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچ کر ایک کثیر رقم بھیجی اور ان

پٹکوں کو خرید لیا۔ اس طرح حاتم اصم کے گھر والے دولت سے مالا مال ہو گئے۔

ادھر حاتم اصم کا یہ حال ہوا کہ آپ جس قافلہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے اتفاق سے امیر قافلہ بیمار ہو گیا۔ لوگوں نے کسی طبیب کو تلاش کیا مگر کوئی علاج کرنے والا نہیں ملا۔ امیر قافلہ نے حکم دیا کہ اگر قافلہ میں کوئی مرد صالح ہو تو اسکو بلاؤ۔ شاید اسکی دُعا سے مجھے شفا حاصل ہو جائے۔ لوگوں نے حاتم اصم کو بلایا۔ آپ نے امیر قافلہ کے لئے دُعا فرمائی اور وہ فوراً ہی شفایاب ہو گیا۔ امیر قافلہ نے خوش ہو کر حاتم اصم کے لئے سواری اور کھانے پینے اور تمام اخراجات سفر کا سامان کر دیا۔ حاتم اصم کو اس رات فکر دامن گیر ہو گئی کہ خداوند عالم نے میرے لئے تو غیب سے سارا سامان فرما دیا۔ مگر میرے بچوں کا کیا حال ہو گا؟ اسی فکر میں سو گئے۔ تو خواب میں یہ دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے حاتم اصم! جو اپنا معاملہ ہمارا معاملہ ہمارے ساتھ اچھا رکھتا ہے۔ ہم بھی اپنا معاملہ اس کے ساتھ اچھا ہی رکھتے ہیں۔ تم اہل و عیال کی فکر نہ کرو۔ تم سے پہلے ان کا انتظام ہو چکا ہے۔ حاتم اصم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور جب حج سے واپس لوٹے تو اپنی چھوٹی بچی کو گلے لگا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑی عمر کو دیکھ کر نظر عنایت نہیں فرماتا۔ بلکہ جس کی معرفت بڑی ہو اُس پر نظر عنایت فرماتا۔ اگرچہ اسکی عمر چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔[1]

تبصرہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مومن کی سب سے زیادہ کامیاب تدبیر اور مومن کا سب سے بڑھ کر طاقتور ہتھیار خدا پر توکل ہے۔ مولیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکو کافی ہے۔ اور قرآن مجید میں بار بار پروردگار عالم نے توکل کرنے والے بندوں کی مدح و ثنا بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ ○ یعنی اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیتوں اور حدیثوں میں بھی "متوکلین" کے فضائل و مناقب کا بکثرت بیان ہے۔

"توکل" کے معنی ہیں۔ خدا پر بھروسہ رکھنا۔ یعنی رنج و راحت نعمت و مصیبت، فقیری و امیری، تندرستی و بیماری، عزت و ذلت، غرض ہر حالت میں مومن یہ بھروسہ اور اعتماد رکھے کہ وہی ہو کر رہے گا جو کچھ خداوند قدوس چاہے گا۔ میں اور ساری دنیا لاکھ تدبیریں کر ڈالیں۔ مگر بغیر میرے مولیٰ

---

[1] مستطرف ج ۱ ص ۶۴

کی مرضی کے ایک ذرہ بھی نہیں ٹل سکتا۔ اور ساتھ ہی یہ مضبوط اعتقاد رکھے کہ میرا رب میرے ساتھ جو کچھ بھی کرتا ہے یا کرے گا۔ یقیناً اس میں میری بہتری اور بھلائی ہی ہوگی۔

جب توکل کے معنی یہ ہوئے کہ "ہر حال میں خدا پر بھروسہ رکھنا" تو یاد رکھئے کہ جس طرح ایک ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر ایک فقیر خدا پر توکل کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک حکومت کا تاجدار بھی اپنے تخت شاہی پر بیٹھ کر بھی توکل کی فضیلت حاصل کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک شہنشاہ تمام ذرائع و اسباب اور ہر قسم کی نعمت و دولت کا مالک ہونے کے باوجود اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ یہ ساری نعمتیں، تمام دولتیں، کل طاقتیں اسی وقت میرے کام آسکتی ہیں جب میرا مولیٰ چاہے گا۔ ان چیزوں پر ذرہ برابر اعتماد اور بھروسہ نہ رکھے۔ تو یقیناً وہ شہنشاہ ہونے کے باوجود "متوکل" ہے۔ اور اگر کوئی مسکین جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ مگر اس کا بھروسہ خدا پر نہیں ہے بلکہ وہ یہ اعتقاد و اعتماد رکھتا ہے کہ جب مجھے بھوک لگے گی تو میں دس گھروں میں چکر لگا کر اور بھیک مانگ کر ضرور ہی اپنا پیٹ بھر لوں گا۔ اس کا اعتقاد اور دھیان اس طرف نہیں ہے کہ بھیک مانگنے کے باوجود بھی مجھے روٹی اسی وقت ملیگی جب خدا مجھے روٹی دے گا۔ تو یقیناً یہ شخص مسکین اور بھکاری ہونے کے باوجود "متوکل" نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہاں! اس مقام پر ایک بڑا ہی خاص نکتہ یہ بھی ذہن نشین کرا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں بعض فقیری اور درویشی کا دعویٰ کرنے والے پیروں نے اپنے عمل و کردار سے توکل کی ایک ایسی غلط تصویر دنیا کے سامنے پیش کر رکھی ہے جو سراسر معنی توکل کے بالکل ہی خلاف ہے۔ اس دور میں بعض لوگوں نے توکل کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ کوئی کام دھندا اور کوئی کمائی نہ کرے۔ اور دن رات ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے اور مفت کی روٹیاں کھاتا رہے۔ اسکا نام توکل ہے۔ حالانکہ یہ توکل کا اتنا غلط تصور ہے۔ جو قرآن و حدیث کی تعلیم کے بالکل ہی خلاف ہے۔ کیونکہ خداوند عالم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کو رزق حلال کی طلب کیلئے جد و جہد اور کسب معاش کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ لہذا یاد رکھیئے کہ توکل کے لئے یہ ضروری ہے کہ عمل، جد و جہد اور اپنی طاقت بھر پوری پوری کوشش کر لینے کے بعد

خدا پر توکل رکھنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے دربارِ رسول میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اونٹ کے پاؤں میں رسّی باندھ کر توکل کر دوں یا اونٹ کو کھلا چھوڑ کر توکل کر دوں۔ کہ خدا اسکی حفاظت فرمائیگا۔ تو حضور علیہ الصّلاۃ والسلام نے کیا فرمایا؟ اسکو ذرا بالغور سنیئے ؎

گفت پیغمبر بہ آوازِ بلند ۔۔۔ بر توکّل پائے اشتر را ببند

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کرنے والے سے بہ آوازِ بلند یہ فرمایا۔ پہلے تم اونٹ کے پاؤں میں رسی باندھ لو۔ اور اپنی طاقت بھر اسکی حفاظت کی کوشش کر لو۔ پھر اس کے بعد خدا پر توکّل اور بھروسہ کرو۔ کہ وہی حفاظت کرنے والا ہے۔ اور بغیر اسکی حفاظت کے کوئی حفاظت کار آمد نہیں ہو سکتی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب بتلا رہا ہے کہ خدا پر توکّل کرنے کا حقیقی مفہوم یہی کہ بندہ اپنی پوری پوری عملی جد وجہد کرے پھر اس کے بعد خدا پر توکل کرے۔ کاہلی اور سُستی سے بے عمل بن کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے۔ اور پھر یہ کہے کہ میں نے خدا پر توکّل کر لیا ہے۔ یہ معنی توکّل کا مذاق اڑانا اور قرآن و حدیث کے مفہوم حق کو مسخ کر دینا ہے۔ توبہ۔ نعوذ باللہ منہ۔ لہٰذا خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ بندہ اپنی پوری پوری عملی جد وجہد اور سعی پیہم کر لینے کے بعد پھر خدا پر بھروسہ رکھے یہی "توکل" کا حقیقی مفہوم ہے۔ جو بلا شبہہ مومن کے لئے بہت ہی بڑا فتح و کامرانی اور فلاح و کامیابی کا سامان ہے۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے کتنے واضح اور صاف صاف لفظوں میں اس مضمون کو ارشاد فرمایا ہے کہ

گر توکّل می کنی دو کار کن ۔۔۔ کار کن پس تکیہ بر جبار کن

یعنی اگر تم توکل کرتے ہو تو دو کام کرو۔ پہلا کام تو یہ کہ تم اپنا کام کر لو۔ پھر دوسرا کام یہ ہے کہ اپنا کام پُورا کر لینے کے بعد بھروسہ حضرت جبّار پر رکھو جو سارے عالم کا پروردگار اور سب کا کارساز ہے!

مگر افسوس کہ اس دور کے مولویوں اور صوفیوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ۔۔۔ ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

حیاتِ جاودانی

حضرت ابوبکر بن خیّاط علیہ الرحمۃ سے منقول ہے۔ انھوں نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں یہ دیکھا کہ گویا میں قبرستان میں داخل ہوا ہوں اور تمام مُردے اپنی اپنی قبروں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے پھول رکھے ہوتے ہیں۔ اتنے میں اچانک میری نظر اٹھی تو میں نے دیکھا کہ حضرت معروف کرخی علیہ الرحمہ بھی اِن مُردوں کے درمیان ٹہل رہے ہیں۔ میں نے انھیں پہچان کر ان سے دریافت کیا کہ اے ابومحفوظ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ آپ کی تو وفات ہو چکی ہے۔ تو آپنے فرمایا کہ اس میں کیا شک کہ میرا انتقال ہو چکا ہے۔ لیکن کیا تم نے یہ شعر نہیں سُنا ہے۔ پھر انھوں نے یہ شعر پڑھ کر مجھے سُنایا کہ

مَوْتُ التَّقِیِّ حَیَاۃٌ لَا نَفَادَ لَھَا　　قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَّھُمْ فِی النَّاسِ اَحْیَاءٗ

"یعنی متقی کی موت ایسی زندگانی ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے ایک قوم ایسی ہے کہ مرنے کے بعد بھی لوگوں میں زندہ ہے۔"

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی مشہور بزرگ ہیں اور علم و عمل کے لحاظ سے اپنے دور کے عدیم المثال اور یکتائے دہر مقدس ہستی ہیں۔ انتہائی مستجاب الدعوات اور صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ اور زہد و ترک دنیا میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے مرض الموت میں یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو تم لوگ میرے اس کُرتے کو بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح میں ننگے بدن دنیا میں آیا تھا اسی طرح میں ننگے بدن دنیا سے جاؤں۔[1]

ایک سخی کی قبر

چند عرب ایک سخی کی قبر کی زیارت کے لئے گئے۔ اور قبر کے پاس ہی رات کو سو گئے۔ ایک شخص نے رات میں یہ خواب دیکھا کہ صاحب قبر اس سے فرما رہے ہیں کہ کیا تم اپنا اونٹ میری اونٹنی کے

[1] مستطرف ج ۱ ص ۱۲۲

بدلے بیچو گے؟ اس نے کہہ دیا کہ جی ہاں۔ چنانچہ سودا طے ہو گیا۔ اور بیع مکمل ہو گئی۔ پھر صاحب قبر نے میرے اونٹ کو ذبح کر دیا۔ ایسا خواب دیکھ کر یہ شخص چونک کر اٹھ بیٹھا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ واقعی اس کا اونٹ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اور تازہ تازہ خون بہہ رہا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے اٹھ کر اونٹ کی کھال اتاری۔ اور گوشت پکایا اور سب ساتھیوں نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر دوسرے دن جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو راستے میں ایک شتر سوار ملا اور اس نے خواب دیکھنے والے کا نام پکارا کہ تم میں فلاں بن فلاں کون شخص ہے؟ خواب دیکھنے والے نے کہا کہ وہ میں ہوں۔ تو اس نے کہا کہ فلاں شخص کے ہاتھ تم نے اپنا اونٹ ایک اونٹنی کے بدلے بیچا ہے؟ یہ سن کر خواب دیکھنے والے نے اپنا پورا پورا خواب بیان کر دیا۔ تو شتر سوار نے کہا کہ لیجئے صاحب قبر کی یہی وہ اونٹنی ہے جس کے بدلے اس نے تم سے تمھارا اونٹ خریدا ہے۔ میں اسی صاحب قبر کا بیٹا ہوں۔ اُس نے مجھ کو خواب میں یہ فرمائش کی ہے کہ میں نے فلاں بن فلاں کے ہاتھ اونٹنی اس کے ایک اونٹ کے بدلے فروخت کر دی ہے۔ اور میں نے اس اونٹ کو ذبح کر کے اسکی اور اس کے ساتھیوں کی دعوت کر دی ہے۔ لہذا اگر تم میرے بیٹے ہو تو فوراً میری اونٹنی اس شخص کو دے دو۔ چنانچہ میں یہ اونٹنی لیکر تمھاری تلاش میں نکلا ہوں۔[1]

تبصرہ مذکورہ بالا دونوں واقعات اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ صالحین وفات کے بعد اپنی قبروں میں بھی خداداد کراماتی قوتوں سے طرح طرح کے تصرفات فرماتے رہتے ہیں۔ اور اس آخری واقعہ سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ زندگی میں اللہ والوں کا جو محبوب مشغلہ ہوتا ہے وفات کے بعد بھی وہ اپنے اس محبوب مشغلہ میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ شخص اپنی دنیاوی حیات میں چونکہ بڑا ہی سخی اور مہمان نواز تھا تو وفات کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والے مہمانوں کی نہایت ہی شاندار مہمان نوازی فرمائی۔ سچ ہے کہ انسان کی فطری خصلتیں اور طبعی عادتیں، رنج و راحت، فقیری و امیری یہاں تک کہ موت و حیات کی حالت میں بھی نہیں بدلا کرتی ہیں۔ شفیق جونپوری مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

فقیری میں بھی اپنی شان سلطانی نہیں جاتی
غلامی ہے، مگر خوئے جہاں بانی نہیں جاتی

ایک حاجی کی دُعا

قاسم بن عثمان جو بہت ہی صاحبِ علم وعمل بزرگ تھے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے دیکھا کہ صرف ایک ہی دُعا پڑھتا تھا۔ بار بار یہی دُعا میں اُس کی زبان سے سُنتا تھا کہ اَللّٰھُمَّ قَضَیْتَ حَاجَۃَ الْمُحْتَاجِیْنَ وَحَاجَتِیْ لَمْ تُقْضَ یعنی اے اللہ! تونے سب محتاجوں کی حاجت پوری فرمادی اور میری حاجت نہیں پوری ہوئی۔ قاسم بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص سے یہ دریافت کیا کہ تم اس کلام کے سوا کوئی دوسری دعا دربار الٰہی میں عرض نہیں کرتے۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ تو اس نے بتایا کہ ہم سات آدمی ایک ساتھ جہاد میں گئے۔ اور ہم سبھی سب کفّار کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے۔ کافروں نے ہم ساتوں کو میدان میں لے جاکر قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے یہ نظر آیا۔ کہ آسمان میں سات دروازے کھُلے ہیں۔ اور ہر دروازے پر ایک حور کھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ جیسے ہی ہمارا ایک ساتھی کفّار کی تلوار سے شہید ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک حور فوراً ہی ہاتھ میں ایک رومال لئے ہوئے شہید کی روح کو لینے کے لئے زمین پر اُتر پڑی۔ اسی طرح میرے چھ ساتھی شہید کئے گئے۔ اور سب کی روحوں کو لینے کے لئے ایک ایک حور اترتی رہی۔ جب میرے قتل کی باری آئی تو کافر بادشاہ کے ایک مقرب درباری نے مجھ کو بادشاہ سے اپنی خدمت کے لئے مانگ لیا۔ اور میں قتل سے بچ گیا۔ تو میں نے سنا کہ ایک حور نے کہا کہ اے محروم! کیا بات ہو گئی کہ تو اس فضیلت سے محروم رہا؟ پھر آسمان کے سب دروازے بند ہو گئے۔ تو اے بھائی! میں آج تک اپنی اس محرومی پر ہر وقت افسوس کرتا رہتا ہوں اور میری دعا کا یہی مطلب ہے کہ اے اللہ! سب محتاجوں کی حاجت تونے پوری فرمادی مگر میری حاجت پوری نہیں ہوئی۔

قاسم بن عثمان نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان ساتوں خوش نصیبوں میں سب سے افضل یہی ساتواں ہے جو قتل سے بچ گیا۔ کیوں کہ اس نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا جو دوسروں نے نہیں دیکھا۔ پھر یہ زندہ رہا۔ اور انتہائی ذوق وشوق سے عمل خیر کرتا رہا۔[1]

[1] مستطرف ج ۱ ص ۱۴۲

تبصرہ حوریں، حوروں کے رومال، اور جنّت کی دوسری نعمتیں یہ عالمِ آخرت سے تعلق رکھتی ہیں ان چیزوں کو دنیا میں سر کی آنکھوں سے کوئی عام آدمی ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں البتہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اپنے انبیاء علیہم السلام کو بطریقِ معجزہ یا اپنے محبوب بندوں کو کرامت کے طور پر جنّت کی نعمتوں کا معائنہ و مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ بلا شبہ یہ اس مردِ مجاہد کی کرامت ہے کہ اُس نے حُوروں کو اس دنیا میں اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ سبحان اللہ! ایک اللہ والے مومنِ کامل کی نگاہ بصیرت و چشم معرفت کا کیا کہنا؟ کاش مومن کو اپنی عظمت و برتری کا احساس ہو جائے۔ تو اس کی ہر سانس خداوندِ قدوس کے تشکر و امتنان کی دولت سے مالا مال اور تمام عمر اس کی پیشانی عبودیت مسجودِ حقیقی کے سجدۂ شکر میں سجدہ ریز ہے۔ اسی سربلندی مومن کا احساس دلاتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے اپنے چار مصرعوں میں کیا خوب کہا ہے کہ ؎

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو — فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صید نظر فرشتہ و حور — کہ شاہین شہِ لولاک ہے تو

دربارِ رسول میں سلام

ابن ابی بلال خُزاعی جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو عبد الاعلیٰ محدّث ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اُن سے یہ فرمایا کہ اے ابنِ بلال! جب تم وفات کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونا تو میرا سلام عرض کر دینا۔ اور اگر ہو سکے تو مجھے اس کی اطلاع بھی ضرور دینا کہ میرا سلام بارگاہِ رسالت میں قبول ہوا یا نہیں۔ چنانچہ ابن ابی بلال کا وصال ہو گیا۔ اور وصال کے تیسرے دن ان کی بیوی اُمّ عبد اللہ نے انھیں خواب میں دیکھا تو انھوں نے فرمایا کہ اے بیوی! میں تو وفات پا ہی گیا۔ لیکن تمھیں دو باتوں کی اطلاع دیتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آج سے تیسرے دن میری بچّی کا بھی انتقال ہو جائیگا۔ اور دوسری بات یہ کہ تم عبد الاعلیٰ محدث کے پاس یہ اطلاع کرا دینا کہ میں نے آپ کا سلام حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں عرض

کر دیا۔ تو آپ کا سلام دربار رسالت میں شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوگیا۔ چنانچہ ابن ابی بلال کی بیوی نے اپنے بھائی "ابوالزاہریہ" کے ذریعے عبدالعلی محدث کے پاس یہ پیغام پہنچا دیا۔[۱]

تبصرہ یہ حکایت بہ بانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ عبدالاعلیٰ جیسے مایہ ناز محدث و علماء دین کا یہ عقیدہ تھا کہ مومنین صالحین وفات کے بعد حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شرفِ دیدار سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اور بارگاہِ رسالت میں سلام و کلام بھی عرض کرتے ہیں۔ اور ان کو خداوندِ عالم یہ طاقت بھی عطا فرماتا ہے کہ وہ دنیا والوں کو اپنا پیغام بھی ارسال کر سکتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر ان کا یہ اعتقاد نہ ہوتا تو وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دربار میں ہدیۂ سلام کیوں ایک وفات پانے والے کے ذریعے ارسالِ خدمت کرتے۔ اور پھر یہ بھی کہتے کہ تم مجھے مطلع کر دینا۔ کہ میرا سلام دربارِ رسالت میں مقبول ہوا یا نہیں؟ اور بلا شبہہ یہ عقیدہ حق اور یہ اعتقاد برحق ہے کیونکہ قرآن و حدیث کے انوارِ تجلیات سے یہ مسئلہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی موت و حیات عام انسانوں کی موت و حیات کے مثل نہیں ہے۔ بلکہ ان پاک نفوس کی موت درحقیقت ان کی حیات جاودانی کا دروازہ ہے۔ کہ یہ موت کے دروازے سے داخل ہو کر ایک عالمِ حیات کے باشندے بن جاتے ہیں جہاں موت کا گزر ہی نہیں ہوتا۔

مگر افسوس کہ آج ان نفوسِ قدسیہ کے وجود سے رفتہ رفتہ ملک خالی ہوتا جا رہا ہے۔ اور ایسی مقدس ہستیوں کا باوجود تلاش و جستجو کے بھی دُور دُور تک کہیں سُراغ نہیں ملتا۔ اسلئے اب تو بار بار زبان پہ یہ دعا آتی رہتی ہے کہ ؎

لا پھر اک بار وہی بادۂ و جام اے ساقی — ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی
کتنے ہی سال سے ہیں ہند کے میخانے بند — اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی — رہ گئے صوفی و مُلّا کے غلام اے ساقی

روشن ضمیری

جناب سید ایوب علی صاحب رضوی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد

[۱] شرح الصدور صہ ۱۱۵

رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی قدس سرہ العزیز سے دریافت کیا کہ "اسم اعظم" کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہر شخص کے لئے اسم اعظم جدا جدا ہے۔ ہر شخص کے نام میں جو حروفِ ابجد ہیں۔ ابجد کے قاعدہ سے ان حرفوں کے اعداد کا مجموعہ نکال کر اس عدد کے مطابق خداوند تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام یا دو نام اُس عدد کی دوگنی تعداد بڑھا کر پڑھا کریں۔ تو یہ باری تعالیٰ کا اسم مبارک اس شخص کے حق میں "اسم اعظم" کا کام کرے گا۔ مثلاً "ایوب علی" کے اعداد ۱۲۹ ہیں۔ اور "لطیف" کے اعداد ۱۲۹ ہیں۔ تو اگر ایوب علی صاحب روزانہ ۲۵۸ بار "یا لطیف" پڑھتے رہیں تو یہ اُن کے حق میں "اسم اعظم" ہے۔ پھر تمام حاضرین سے بلا تکلف یہ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا فلاں نام تمھارے لئے اسم اعظم ہے۔ فلاں نام تمھارے لئے اسم اعظم ہے۔ صرف برادرم "قناعت علی" کا اسم اعظم نہیں بیان فرمانے پائے تھے کہ عصر کی اذان ہوگئی۔ اور جلسہ برخاست ہوگیا۔ برادرم قناعت علی اپنی محرومی پر دل ہی دل میں افسوس کر رہے تھے اور بار بار یہ اُمید لگاتے تھے کہ شاید اب حضور فرمائیں۔ یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ اور حضور مسجد کی شمالی فصیل پر تشریف فرما تھے۔ اس وقت برادرم قناعت علی بالکل مایوس ہوگئے۔ اور ان کے دل میں یہ وسوسہ آگیا کہ آج پہلی مثال ہے کہ میں محروم رہا جاتا ہوں حضور نے اپنے نورِ بصیرت سے فوراً ہی اس وسوسہ کو معلوم فرما لیا۔ اور مصلّے پر کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ سے پہلے قناعت علی صاحب کی طرف رخ کر کے ارشاد فرمایا کہ سید صاحب آپ کے لئے اسم اعظم یا خالق یا اللہ ہے۔[1]

تبصرہ سبحان اللہ! اللہ اس نورِ فراست اور روشن ضمیری کا کیا کہنا؟ کہ ادھر دل میں وسوسہ آیا اُدھر انکشاف ہوگیا۔ اور دم زدن میں اُن کی اُمید و تمنا پوری ہوگئی۔ اسمیں شک نہیں کہ علماء حق کو خداوند عالم نے بڑی بڑی کرامتوں سے نوازا ہے۔ علماء حق اور صوفیاء برحق کا یہی وہ نورِ فراست ہے جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھ لیتا ہے۔ مگر افسوس کہ آجکل کے ہمارے جیسے علماء کہلانے والوں کے سینوں کے صندوق اور دلوں کی تجوریاں اس

[1] حیات اعلیحضرت صـ ۱۴۳

دولتِ بے بہا سے خالی ہو گئیں۔ اور ایسا منحوس دور آگیا کہ ڈاکٹر اقبال کو زمانے کا ماحول اور دورِ حاضر کا رخ دیکھ کر یہ کہہ دینا پڑا کہ ؎

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری — رہا صوفی، گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و جگر مانگ — نہیں ممکن امیری بے فقیری

لکڑی سونا ہو گئی

شیخ الحدیث محمد بن اسلم طوسی علیہ الرحمہ متوفی ۲۴۲ھ جن کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب "اولیاء رجال الحدیث" میں تحریر کیا ہے۔ بہت ہی بلند پایہ محدث ہیں۔ اور خلقِ قرآن کے مسئلہ پر دو برس تک قید و بند کی سختیاں اور کوڑوں کی سزائیں بھی برداشت فرماتے رہے۔ انتہائی متبع سنّت پابندِ شریعت بزرگ ہیں۔ عام طور پر لوگ انھیں طبقہ ابدال کے اولیا میں شمار کرتے تھے۔ اور ان کی کرامتیں دیکھا کرتے تھے۔ ان کی یہ ایک بڑی مشہور کرامت یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی کے قرضدار ہو گئے۔ یہودی نے بہت سخت تقاضا کیا۔ آپ اس وقت حدیثیں لکھنے کے واسطے قلمیں بنا رہے تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اس وقت تو میرے پاس قلم کے تراشوں اور چھلکوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جو تمھارا قرض ادا کروں۔ اگر تم چاہو تو ان تراشوں اور چھلکوں کو لے لو۔ یہودی یہ جواب سن کر مارے غصّہ کے طیش میں آگیا۔ لیکن اس نے جب اُن تراشوں کو دیکھا تو وہ بالکل خالص سونا بن چکے تھے۔ یہودی نے انھیں ہاتھ میں لے کر جو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور اسکو یقین ہو گیا کہ واقعی یہ قلم کے چھلکے سونا بن چکے ہیں۔ تو وہ بہت شرمندہ ہو کر آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ جس دین میں ایسے ایسے باکمال بزرگ ہوں اُن کی ایک نظر سے لکڑی سونا بن جاتے یقیناً وہ دین حق اور سچا ہے۔[1]

میں کب مروں گا؟

حضرت داؤد طائی کا حال بھی ہم "اولیاء رجال الحدیث" میں مفصل تحریر کر چکے ہیں۔ یہ

[1] ماخوذ از رسالہ استاذ

حضرت امام ابوحنیفہ کے بہت ہی مایۂ ناز شاگرد رشید ہیں۔ حضرت امام ممدوح نے پہلے ہی ان کے بارے میں فرما دیا تھا کہ داؤد طائی تم عبادت کے ہو کر رہ جاؤ گے۔ چنانچہ واقعی حضرت داؤد طائی عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار ہوئے۔ اور آپ سے بڑی بڑی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید اپنے قاضی القضاۃ حضرت امام ابویوسف کو ہمراہ لے کر ان کی ملاقات کے لئے آیا۔ اور آپ کے حقیقت افروز کلمات اور آپ کی مقدس زندگی سے انتہائی متاثر ہو کر اشرفیوں کی ایک تھیلی نذر کر کے عرض کیا کہ یہ مال حلال ہے اسکو آپ قبول فرمالیجئے۔ حضرت داؤد نے ارشاد فرمایا کہ میں تمام زندگی بادشاہوں اور امیروں کے نذرانوں سے پرہیز کرتا رہا ہوں اور ابھی میرے پاس اخراجات کے لئے اتنی رقم ہے جو میری زندگی بھر کے لئے کافی ہے۔ اور میں نے خدا سے دعا مانگی ہے کہ یا اللہ! میری رقم جس دن ختم ہو جائے اسی دن مجھے وفات دے دینا۔ اس لئے امیر المومنین کی نذر قبول کرنے سے معذور ہوں۔ یہ سن کر ہارون رشید پر سکتہ طاری ہو گیا۔ پھر حضرت امام ابویوسف نے آپکے خادم سے دریافت کیا کہ کل کتنی رقم انکے پاس ہے؟ تو اس نے بتایا کہ دس اشرفیاں۔ پھر آپنے پوچھا کہ ان کا روزانہ خرچ کتنا ہے؟ تو خادم نے بتایا کہ ایک دانق۔ حضرت امام ابویوسف خلیفہ بغداد کے ساتھ چلے آئے اور چند ماہ کے بعد ایک دن فرمانے لگے کہ غالباً آج حضرت داؤد طائی کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ جب لوگوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ واقعی اُسی دن آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ جب لوگوں نے حضرت امام ابویوسف سے دریافت کیا کہ آپ کو ان کی وفات کا علم کیونکر ہوا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مُجھے حضرت داؤد طائی کی دُعا مقبول ہونے کا یقین تھا۔ اور میں نے ان کی رقم اور خرچ کی مقدار کا حال ان کے خادم سے پوچھ لیا تھا۔ اور برابر حساب لگاتا رہا کہ کس دن ان کی ساری رقم خرچ ہو جائیگی۔ چنانچہ جب میں نے اپنے حساب سے یہ سمجھ لیا کہ آج ان کی رقم ختم ہو گئی ہو گی۔ تو میں نے کہدیا کہ آج اُن کی وفات ہو گئی ہو گی۔ کیونکہ انھوں نے یہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی! جس دن میرا سرمایہ ختم ہو جائے اُس دن مجھے دنیا سے اٹھا لینا۔ چنانچہ میرا حساب صحیح نکلا۔ اور اسی دن اُن کی وفات ہو گئی۔ ۱؎

۱؎ رسالہ آستانہ

تبصرہ مذکورہ بالا دونوں واقعات اولیاء اللہ کے تصرفات و کرامات کے جو جلوے نظر آ رہے ہیں وہ آفتابِ عالم تاب کی طرح روشن ہیں۔ علماءِ حق و فقہاء کی یہ کرامتیں عوام تو عوام بہت سے خواص بھی ان سے نا آشنا ہیں۔ چنانچہ عام طور پر لوگ حضرت خواجہ داؤد طائی کو ایک خانقاہی پیر یا صوفی سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اور علمِ حدیث و فقہ میں حضرت امام ابو یوسف و حضرت امام محمد و حضرت امام زفر کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ اور مایۂ ناز محدث و فقیہ اور نہایت ہی جید عالم، امام حدیث و فقہ ہیں۔ اب بھلا ان حقیقت افروز اور حق نما واقعات کی روشنی میں کون یہ کہہ سکتا ہے؟ کہ باکرامت اولیاء تو صرف فقیروں اور درویشوں میں ہوئے۔ علماء کی جماعت میں کوئی باکرامت بزرگ ہوا ہی نہیں۔ دیکھ لیجئے یہ سب آسمان ولایت کے روشن ستارے جماعت علماء ہی کے مقدس افراد ہیں۔ جن کے ذکرِ جمیل سے آپ کے گلشن ایمان میں بہار آ رہی ہے۔ کیوں نہ ہو۔ اگر نائبین مصطفےٰ کے سروں پر ولایت و کرامت کا تاج نہ رکھا جائیگا۔ تو پھر کون ہے جو اس اکرام و شرف سے نوازا جائے گا؟ اللہ اکبر! دورِ حاضر کے ان بے بصر اور بے خبر لوگوں کو کیا خبر؟ کہ

رسائی اہلِ دل کی ہے جہاں تک
خرد والے نہ پہنچیں گے وہاں تک

۱۸۶

مفرحات

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
نہیں آتا کبھی طوفانِ غم میرے سفینوں میں

خوش طبعی

دورِ حاضر کے بعض خشک مغز ملاؤں نے عوام پر اپنی تقدس آبائی کا سکہ بٹھلانے کے لئے اپنے قول و عمل سے عوام کو یہ باور کرادیا ہے کہ مزاح و تفریح اور خوش طبعی و خوش مزاجی علماء کی شان کے خلاف ہے چنانچہ اس زمانے میں سب سے زیادہ وہی مولوی عوام کے لئے جاذبِ نظر و پسندیدہ سمجھا جاتا ہے جو ہر مجلس میں اپنے چہرے پر سنجیدگی و وقار کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیچی نظر کئے خاموش "گدا" بنا بیٹھا رہے نہ کبھی ہنسے نہ مسکرائے۔ نہ کوئی تفریح و مزاح کرے۔ نہ کبھی کسی سے خوش طبعی کی بات کرے۔ مگر ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں "تفریحات" کے زیرِ عنوان بڑی صفائی کے ساتھ یہ تحریر کر دیا ہے کہ ایسا مزاح جس میں کذب نہ ہو، نہ کسی کی دل آزاری، نہ کوئی فحش کلامی ہو، نہ بے حیائی ہرگز ہرگز علماء کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے مزاح اور تفریحات خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اور صحابۂ کرام اور تابعین کی مقدس جماعتوں نے بھی اس قسم کی تفریحات میں حصہ لیا ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر محدثین و فقہا بھی کبھی کبھی تفریحات کرتے اور ہنستے ہنساتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس کے چند شواہد تو ہم جلد اول میں تحریر کر چکے ہیں۔ یہاں بھی بات آ گئی ہے تو چند مثالیں حاضر ہیں۔ تاکہ ان شواہد کی روشنی میں اس حقیقت کی نقاب کشائی ہو جائے کہ اس قسم کی جائز و مباح تفریحات نہ تو مذموم و معیوب ہیں نہ علماء کی شان کے خلاف۔ نہ یہ تقویٰ و تقدس کے منافی ہیں نہ اہلِ علم کے لئے عیب اور باعثِ عار۔

چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے مزاح لطیف منقول ہیں۔ جس کی چند مثالیں ہم جلد اول میں تحریر کر چکے ہیں۔ سرکارِ رسالت کا اور بھی تفریحی مزاح سُن لیجئے۔

ایک انصاری عورت دربارِ رسالت میں حاضر ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جاؤ اور اپنے شوہر سے ملاقات کرو۔ اُسکی دونوں آنکھوں میں سفیدی ہے۔ یہ سُنتے ہی وہ عورت گھبرائی ہوئی دوڑتی بھاگتی اپنے شوہر کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی۔ اور اپنے شوہر کی آنکھوں کو بغور

دیکھنے لگی۔ شوہر نے عورت کی گھبراہٹ اَور توحش و پریشانی کو تاڑتے ہوئے دریافت کیا کہ خیر تو ہے؟ تمھاری اس وحشت اور گھبراہٹ کا کیا سبب ہے؟ عورت نے کہا کہ مجھ سے ابھی ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے شوہر کے پاس فوراً ہی جاؤ۔ اس کی دونوں آنکھوں میں سفیدی ہے، میں یہ سُن کر گھبرائی ہوئی بھاگ کر آپ کو دیکھنے کے لئے آئی ہوں۔ یہ انصاری حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مزاج داں تھے۔ سمجھ گئے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے تفریح طبع کے لئے مزاح فرمایا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد بالکل بجا ہے دیکھ لو۔ میری آنکھ میں سفیدی بھی ہے اَور سیاہی بھی۔ پتلی سیاہ ہے اَور آنکھ کے ڈھیلے سپید ہیں یہ سن کر عورت کو اطمینان و سکون ہوا۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام تفریحاً میرے ساتھ دوڑے تو میں دوڑ میں حضور سے آگے نکل گئی۔ پھر چند برسوں کے بعد ایک مرتبہ میرا دوڑنے میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ مقابلہ ہوا تو چونکہ میرا بدن کچھ فربہ اَور بھاری ہو گیا تھا اس لئے دوڑ میں اَب کی مرتبہ میں پیچھے رہ گئی۔ اَور حضور مجھ سے آگے نکل گئے۔ پھر میرے شانے پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ یہ تمھاری اُس جیت کا بدلہ ہے۔

مشہور اَور بلند پایہ تابعی محدث حضرت ابراہیم نخعی سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا صحابہ کرام بھی ہنسی مزاح فرمایا کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ہاں باوجودیکہ ان صحابہ کے دِلوں میں مضبوط اور بلند پہاڑوں جیسا ایمانِ مستقیم تھا۔ پھر بھی یہ لوگ تفریح طبع کے لئے ہنسی اَور مزاح فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہ میں حضرت نعیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اس قدر مزاح پسند اَور ہنسنے والے صحابی کہ ان کے بارے میں عام طور پہ یہ مشہور تھا کہ یہ جنّت میں بھی ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔ اسی طرح عطا بن سائب کا بیان ہے کہ خیر التابعین اَور سند المحدثین حضرت سعید بن جُبیر تابعی جب وعظ بیان کرتے تھے تو لوگوں پر خوفِ الٰہی سے ایسی رقّت طاری ہو جاتی تھی کہ حاضرین زار و قطار رونے لگتے تھے۔ پھر اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ اخیر میں کوئی ایسا دلچسپ لطیفہ سنا دیا کرتے تھے

کہ ہم سب سامعین ہنسنے لگتے۔ اسی طرح دورِ تابعین میں ایک عالم جو اپنی پُرتاثیر تقریروں کی وجہ سے "تاج الوعظ" کے معزز لقب سے مشہور و ممتاز تھے۔ ایسا پُراثر وعظ بیان فرماتے تھے کہ حاضرینِ مجلس اُن کا وعظ سُن کر جوشِ تاثر میں روتے روتے نڈھال ہو جاتے تھے۔ پھر وعظ کے خاتمہ پر وہ کچھ ایسے نادر لطائف و ظرائف سُنا دیا کرتے تھے کہ لوگ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت علامہ ابن سیرین کی حدیث دانی و فقاہت، تقویٰ و تقدس تمام عالم میں مشہور ہے۔ ان کی جلالتِ علم اور عظمتِ عمل کا محدثین و فقہا کی دنیا میں ہر طرف ڈنکا بج رہا ہے۔ ان کے متعلق منقول ہے کہ مجمع عام میں کسی ہزل گو شاعر کا یہ شعر پڑھ کر اس قدر ہنستے اور ہنساتے رہتے کہ ان کے منھ سے لعاب بہنے لگتا تھا۔ وہ شعر یہ ہے کہ ؎

اُنْبِئْتُ اَنَّ فَتَاۃً کُنْتُ اَخْطِبُھَا
عُرْقُوْبُھَا مِثْلُ شَھْرِ الصَّوْمِ فِی الطُّوْلِ

یعنی لوگوں نے مجھ کو یہ خبر دی ہے کہ وہ نوجوان عورت جس کو میں نکاح کا پیغام دیتا تھا اس کی ایڑی رمضان کے مہینے کی طرح لمبی ہے۔[۱]

چنانچہ علامہ ابن جوزی نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "کتاب الاذکیار" میں فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب میں چند احمقوں کے لطائف اسی لئے تحریر کر دیئے ہیں کہ ہمیشہ خالی سنجیدہ ہی گفتگو سنتے سُنتے کبھی کبھی نفسِ انسانی اکتا جاتا ہے۔ تو اس کا علاج یہی ہے کہ چند دلچسپ لطائف و ظرائف اور تفریحی مضامین بھی پیش کر دیئے جائیں تا کہ سامعین کا دل تھوڑی دیر تفریح و مزاح سے بہل جائے۔ اور نفس کی کبیدگی اور تھکاوٹ دور ہو کر طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں جب حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب ہم آپ کے وعظ و تذکیر کی مجالس میں حاضر رہتے ہیں تو ہم پر خوف و خشیت خداوندی کا ایسا غلبہ رہتا ہے کہ گویا جنت و جہنم ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ لیکن جب ہم اپنی بیویوں اور بچوں کے

[۱] مستطرف ج ۲ ص ۲۴۲

پاس جاتے ہیں اور دنیاداری کے معاملات میں پڑ جاتے ہیں تو یہ حضوری کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔ اور ہم ہنسنے ہنسانے بھی لگتے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اسی حضوری کی کیفیت میں ہمیشہ رہتے تو فرشتے تم سے تمہارے بچھونوں پر آکر مصافحہ کرتے۔ لیکن ہونا چاہیے کہ گھڑی بھر ایسے رہو اور گھڑی بھر ایسے بھی رہا کرو۔ یعنی ہر وقت خوفِ خداوندی سے تم لوگ سنجیدہ اور غمگین ہی رہا کرو۔ یہ ضروری نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی خوش طبعی اور ہنسی مزاح سے اپنے قلب کو راحت بھی پہنچایا کرو۔ چنانچہ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمایا کہ "رَوِّحُوا قُلُوبَكُمْ بِطَرَائِفِ الْحِكَمِ" یعنی کبھی کبھی حکیمانہ دلچسپ لطائف سے اپنے قلوب کو راحت پہنچایا کرو۔ اسی طرح صحابہ کرام کا معمول تھا کہ جب احادیث بیان کرتے کرتے تھکاوٹ محسوس ہونے لگتی۔ اور قلب میں کچھ کبیدگی اور اکتاہٹ کے آثار نمودار ہونے لگتے تو تھوڑی دیر طبیعت کا ذوق بدلنے کے لئے شعر و شاعری کا مشغلہ شروع کر دیتے اور اشعارِ عرب سے دل بہلا لیا کرتے تھے۔ حضرت ابو الدرداء صحابی دورانِ درس میں کبھی کبھی کچھ تفریحات فرمایا کرتے تھے۔ اور ارشاد فرما دیتے تھے کہ میں ان بیکار باتوں پر اپنے نفس کو اس لئے آمادہ کرتا ہوں اور یہ لطائف اس لئے سنا دیا کرتا ہوں تاکہ تم لوگ کلامِ حق کو سنتے سنتے کہیں اکتا نہ جاؤ۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس و امام زہری و امام مالک بن دینار و امام شعبہ وغیرہ کا بھی طریقہ تھا کہ گھڑی بھر احادیث بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "حَمِّضُونَا" یعنی اب ہمیں ترشی چکھاؤ۔ اور پھر عرب کی داستانیں اور شعرائے عرب کا کلام سنانا شروع کر دیتے تھے۔[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عوام کے ذہنوں میں جو یہ راسخ ہو گیا ہے کہ تفریح و مزاح اور خوش طبعی و خوش مزاجی علماء کے لئے یہ بہت بڑا عیب ہے۔ یہ بالکل ہی غلط خیال ہے۔ اور بعض ملّائے مسجدی قسم کے مولوی صاحبان جو اپنے زہد و تقویٰ اور بزرگی و تقدس کا پروپاگنڈہ کرنے کے لئے ہر وقت تیوری چڑھائے ایسی صورت بنائے بیٹھے رہتے ہیں کہ گویا ابھی ابھی سو کر اٹھے ہیں یا دو چار لیموں ان کے منہ میں نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ ہر وقت خاموش بیٹھے بس فرشِ زمین کو گھور گھور کر دیکھا کرتے

[1] ثمرات الاوراق ج ۱ ص ۱۵۹

ہیں۔ نہ کسی سے خوش روئی کے ساتھ ملتے ہیں۔ نہ کبھی ہنستے یا مسکراتے ہیں۔ اور اپنی ان حرکتوں کو اپنی تقدس مآبی کا نشان سمجھ کر خوش خلق و خوش طبع اور تفریح پسند علما کو بہ نظر حقارت دیکھتے اور عوام کی نظروں میں انھیں "پھکڑباز" ظاہر کرکے اپنی بزرگی کا سکہ بٹھاتے رہتے ہیں۔ ایسے خشک مُلّا لوگ درحقیقت علمار سلف کی تواریخ زندگی و سوانح حیات سے بالکل ہی ناواقف ہیں۔ چنانچہ اس نظریہ سے کہ کبھی کبھی مزاحِ لطیف کے ساتھ خوش طبعی کرلینا یہ عُلما کے لئے نہ کوئی مذموم عادت ہے۔ نہ یہ زہد و تقویٰ کے منافی ہے۔ ہم تفریحات علمار کی چند حکایات تحریر کرتے ہیں۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علمار سلف اپنی علمی جلالت اور علمی عظمت کے باوجود کتنے خوش مزاج اور خوش طبع تھے؟ اور ان کی تفریحات اور اُن کی باغ و بہار طبیعت کی خوش مزاجیوں کے باوجود کسی مورّخ نے ان کے دامنِ تقدس پر کوئی خفیف سا دھبہ بھی نہیں لگایا۔

صغیر کبیر سے بہتر ہے

قاضی حمیدالدین ناگوری ہندوستان کے مشائخ متقدمین میں بہت ہی مشہور و ممتاز بزرگ ہیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مُرید و خلیفہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے مصاحبین میں سے ہیں۔ جامع علوم شریعت و طریقت ہیں۔ اور صاحب تصانیف عالم دین ہیں۔ آپکی تصنیفات میں "طوالع شموس" بہت ہی مشہور اور معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ لیکن اپنی اس جلالت شان کے باوجود آپ کی طبیعت بہت ہی ظریفانہ تھی۔ اور کبھی کبھی احباب سے خوش طبعی اور مزاح بھی فرمالیا کرتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک دن آپ اور شیخ برہان الدین اور قاضی کبیر جو اپنے زمانے کے مشاہیر میں سے تھے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر جارہے تھے۔ جس گھوڑے پر قاضی حمیدالدین سوار تھے وہ بہت چھوٹا تھا اور اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں کی برابری نہ کرسکتا تھا۔ قاضی کبیر نے کہا کہ تمھارا گھوڑا بہت صغیر ہے۔ قاضی حمیدالدین نے مزاح فرماتے ہوئے فوراً برجستہ جواب دیا کہ "مگر کبیر سے بہتر ہے"۔ اس جملہ سے قاضی کبیر جھینپ گئے۔[۱]

---

[۱] اخبار الاخیار ص۴۳

شاید کوئی رسی ٹوٹ گئی

یزید بن مزید بہت ہی صاحب علم اور نہایت ہی سخی امیر تھا۔ ایک دن اس کے دسترخوان پر ایک بدوی آکر بیٹھ گیا۔ یزید بن مزید نے حاضرین دسترخوان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے بھائی کے لئے جگہ کشادہ کر دو۔ بدوی نے کہا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے خیمہ کی رسیاں بہت لمبی ہیں۔ میں دور ہی سے لپک لپک کر کھاتا رہوں گا۔ چنانچہ جب کھانا دسترخوان پر رکھ دیا گیا اور بدوی نے ہاتھ بڑھا کر لقمہ اٹھانا چاہا تو اتفاقاً زور سے اس کی ریاح خارج ہو گئی۔ تو یزید بن مزید نے فوراً ہی کہا کہ اے عربی بھائی! دیکھو۔ شاید تمہارے خیمہ کی کوئی رسی ٹوٹ گئی ہے۔[۱]

مجنون طاق اور امام ابو حنیفہ

ایک مرتبہ مجنون طاق بالکل مادر زاد برہنہ ہو کر حمام میں غسل کر رہا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ جب حمام میں داخل ہوئے تو مجنوں طاق کو بالکل ننگا دیکھ کر حیا سے اپنی آنکھیں بند فرما لیں۔ تو مجنوں طاق نے آپ سے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ اے ابو حنیفہ! تم کو خدا نے اندھا کر دیا؟ تو آپ نے بھی مزاح فرماتے ہوئے جواب دیا کہ جب سے خدا نے تمہارا پردہ چاک کر دیا۔[۲]

دو قبرستانوں کے درمیان

ایک واعظ جو بہت ہی خوش طبع اور حاضر جواب تھے۔ لوگوں نے ان سے تفریحاً یہ سوال کیا کہ اگر کوئی نصرانی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہ پڑھے اور مر جائے تو اس کو نصرانیوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے یا مسلمانوں کے قبرستان میں؟ تو خوش مزاج واعظ نے تفریحاً برجستہ یہ جواب دیا کہ اس کو دونوں قبرستانوں کے درمیان میں دفن کرنا چاہیے تاکہ قبر میں بھی یہ شخص مذبذب

[۱] مستطرف ج ۲ ص ۲۳۴ [۲] ایضاً ج ۱ ص ۵۹

ہی رہے۔ نہ ادھر کا رہے نہ اُدھر کا۔[1]

چھت سجدہ نہ کرے

ایک عالم جو فقیہ تھے ایک کرایہ کے مکان میں رہنے لگے۔ مکان کی چھت بہت بوسیدہ اور کمزور ہو گئی تھی۔ اور ہر وقت کڑیوں سے چڑچڑانے کی آواز آتی رہتی تھی۔ جب مالک مکان کرایہ لینے کے لئے آیا تو فقیہ صاحب نے فرمایا کہ تم پہلے اس مکان کی چھت درست کراؤ۔ اسمیں سے ہر وقت چڑچڑ کی آواز آتی رہتی ہے۔ مالک مکان نے کہا کہ حضرت! آپ بالکل نہ ڈریں۔ اس مکان کی چھت باری تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی رہتی ہے۔ فقیہ صاحب جو بہت ہی زندہ دل اور تفریح پسند تھے فوراً بول اٹھے کہ تسبیح میں تو خیر کوئی مضائقہ نہیں مگر کہیں تسبیح پڑھتے پڑھتے اُس پر رقت طاری ہو جائے اور وہ سجدہ میں چلی جائے تو پھر کیا ہوگا؟[2]

ہاتھ باندھ کر روزہ رکھ

ایک شخص ایک فقیہ عالم کے پاس فتویٰ لینے کے لئے آیا۔ اور کہا کہ میں نے روزہ رکھا تھا پھر روزہ توڑ دیا۔ فقیہ نے فتویٰ دیا کہ تم اس روزہ کی قضا رکھو۔ اُس نے کہا کہ جی میں نے قضا کا روزہ رکھا۔ لیکن گھر والوں کے پاس گیا۔ تو ایک لذیذ کھانا "ماموئیہ" پکا ہوا رکھا تھا۔ بے اختیار میرا ہاتھ اُس کھانے کی طرف بڑھ گیا۔ اور میں نے کھالیا۔ فقیہ صاحب نے فرمایا کہ دوسرے دن قضا رکھ لو۔ اُس نے کہا کہ حضور میں نے دوسرے دن روزہ رکھا۔ مگر جب گھر میں گیا تو لذیذ قسم کا حلوہ "ہریسہ" تیار کر کے رکھا ہوا تھا۔ پھر میرا ہاتھ اُس پر پہنچ گیا۔ اور میں نے اُس میں سے کھالیا۔ فقیہ صاحب ذرا ظریف مزاج کے تھے۔ ہنستے جواب دیا کہ اب تمہارے بارے میں یہ فتویٰ ہے کہ تم اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ کر روزہ رکھا کرو۔ تاکہ تمہارا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھنے ہی نہ پائے۔[3]

[1] مستطرف ج ۲ ص ۲۴۶ [2] ایضاً ص ۲۴۸ [3] ایضاً ص ۲۴۸

ایک دلچسپ فتویٰ!

ایک مسخرے نے کسی حاضر جواب اور خوش طبع مفتی سے یہ سوال کیا کہ نماز جنازہ عموماً میدانوں میں ہوا کرتی ہے۔ تو اگر نماز جنازہ میں سجدہ سہو کرتے وقت کوئی کانٹا پیشانی میں چبھ جائے۔ تو نماز کی حالت میں کس طرح اسکو نکالنا چاہیئے؟ مفتی صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ اس مسئلہ میں میرا فتویٰ ہے کہ اس کانٹے کو ہاتھ سے ہرگز ہرگز نہ نکالے۔ بلکہ بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے اس طرح آہستگی کے ساتھ نکال لے کہ پیشانی زمین سے اٹھنے نہ پائے۔ ورنہ سجدہ سہو مکروہ ہو جائیگا۔ یہ اور بات ہے کہ اس طرح کانٹا نکالنے میں شاید دوبارہ وضو کی حاجت پڑ جائے!

مَعْن بن زائدہ کی تفریح

عباسی حکومت کا عراقی گورنر معن بن زائدہ جو اپنے فضل و کمال کے ساتھ ساتھ سخاوت میں بھی حاتم وقت تھا۔ بہت ہی خوش طبع اور ظریفانہ مزاج کا آدمی تھا۔ یہ ایک دفعہ شکار میں اپنے لشکر اور مصاحبین سے بچھڑ کر بہت دور نکل گیا۔ اور ایک ہرنی کا شکار کر کے کھڑا تھا۔ کہ ناگہاں سامنے سے ایک بوڑھا دیہاتی آدمی اپنے گدھے پر سوار ہو کر گذرنے لگا۔ معن بن زائدہ نے آگے بڑھ کر بڈھے کا استقبال کیا۔ اور سلام کے بعد پوچھا کہ بڑے میاں کہاں سے آ رہے ہو۔ اور کہاں جا رہے ہو؟ بڈھے نے جواب دیا کہ میں ایسی زمین سے آ رہا ہوں۔ جو بیس برس سے قحط و خشک سالی کا شکار رہی ہے۔ امسال بیس برسوں کے بعد بارش ہوئی تو میں نے لکڑی کی کاشت کی، اور قبل از وقت بہت ہی عمدہ اور نفیس لکڑیاں پیدا ہو گئیں ہیں تو میں چُن چُن کر بہت ہی اچھی اچھی لکڑیاں معن بن زائدہ کے دربار میں تحفہ پیش کرنے کے لئے لے جا رہا ہوں۔ غریب بڈھے کو خبر نہیں تھی کہ وہ معن بن زائدہ ہی سے بات کر رہا ہے۔ بڈھے نے یہ بھی کہا کہ معن بن زائدہ بہت سخی اور غریب پرور انسان ہے اس لئے اُس کے دربار میں تحفہ لے کر جا رہا ہوں۔ شاید وہ مجھ پر بھی کچھ احسان فرمائے اور اپنی سخاوت

بخشش سے مجھے بھی کچھ نواز دے۔ معن بن زائد نے بڈھے سے پوچھا کہ اچھا بتاؤ کہ تمھیں کتنی رقم ملنے کی اُمید ہے؟ بڈھے نے کہا کہ ایک ہزار دینار۔ معن بن زائدہ نے کہا کہ اگر امیر نے یہ کہدیا کہ اتنی رقم تو بہت زیادہ ہے تو تم کیا کہو گے؟ بڈھے نے کہا کہ پھر میں پانچ سو دینار پر راضی ہو جاؤں گا۔ معن نے کہا کہ اگر پانچ سو دینار کو بھی امیر نے بہت زیادہ کہہ کر رد کر دیا تو پھر کیا ہوگا؟ بڈھا بولا کہ تو پھر میں تین سو دینار ہی پر قناعت کر لوں گا۔ معن نے کہا کہ اگر امیر نے اس رقم کو بھی زیادہ کہہ کر نامنظور کر دیا تو اُس وقت تمھارا کیا رویّہ ہوگا؟ بڈھا کہنے لگا کہ ابھی پھر میں پچاس ہی دینار قبول کر لوں گا۔ معن نے کہا اگر امیر نے اتنی رقم دینے سے بھی انکار کر دیا تو پھر تم اُس سے کیا کہو گے؟ بڈھے نے کہا کہ پھر میں تیس دینار ہی مانگ لوں گا۔ اور اس سے کم پر کسی طرح میں راضی نہیں ہوں گا۔
معن کہنے لگا کہ اَور اگر امیر نے یہ کہدیا کہ تیس دینار بھی بہت زیادہ ہیں تو اُس وقت تم کیا کرو گے؟
یہ سن کر بڈھا مارے غصہ کے جل بھن گیا اَور بولا کہ پھر میں اپنے گدھے کا پاؤں معن بن زائدہ کی ماں کے پیٹ پر رکھ کر ناکام و نامُراد اپنے گھر چلا آؤں گا اور کیا کروں گا؟ معن بن زائدہ بڈھے کی یہ جلی کٹی بات سُن کر خوب ہنسا۔ اور اپنے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر بہت جلد اپنے گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچ گیا اَور اپنے دربانوں کو حکم دے دیا کہ ایک بڈھا لکڑیاں لے کر گدھے پر سوار آئیگا اس کو فوراً ہی دربار میں باریاب کر دینا چنانچہ جب بڈھا گورنر کے محل میں داخل ہوا۔ اَور دیکھا کہ گورنر پرشکوہ لباس فاخرہ پہنے ہوئے بڑے کرّ و فر کے ساتھ اپنے تخت پر بیٹھا ہے۔ اَور خدم و حشم دست بستہ اِرد گرد کھڑے ہیں۔ بڈھے نے معن بن زائدہ کو بالکل نہیں پہچانا۔ مودّبانہ سلام کر کے لکڑیوں کا تحفہ پیش کر دیا۔ اور کھڑا ہو گیا۔ معن بن زائدہ نے پوچھا کہ کیوں عربی بھائی! کس لئے آئے ہو؟ بڈھے نے اپنی زمین کی خشک سالی اَور قحط کا قصہ سنایا۔ معن نے دریافت کیا کہ تم ہمارے دربار سے کتنی رقم پانے کی امید لے کر آئے ہو؟
بڈھا۔ "میں تو یہ امید لے کر آیا ہوں کہ امیر کے سخی دربار سے مجھے ایک ہزار دینار ملیں گے"
معن۔ "نہیں۔ نہیں! یہ رقم بہت زیادہ ہے۔ اتنی بڑی رقم تمھیں نہیں مل سکتا!"

بڈھا! اچھا صاحب! تو پھر پانچ سو دینار ہی دلوا دیجئے!

معن! "نہیں جی! یہ بھی بہت زیادہ ہے!

بڈھا۔ "اچھا تو تین سو دینار ہی دلوا دیجئے!

معن۔ "نہیں یہ رقم بھی بہت زیادہ ہی ہے!

بڈھا۔ "تو ایک ہی سو دینار کے لئے حکم فرما دیجئے۔

معن۔ "یہ رقم بھی کثیر رقم ہے۔ تم کو اتنا بھی نہیں مل سکتا!"

بڈھا۔ "اگر آپ سو دینار کو بہت بڑی رقم سمجھتے ہیں تو مجھے پچاس دینار ہی عنایت فرما دیجئے!

معن۔ "ارے بڈھے! یہ بھی تو کچھ کم نہیں ہے۔ پچاس دینار بھی بہت بڑی رقم ہے!

بڈھا۔ اچھا صاحب! تو پھر آپ مجھے تیس ہی دینار دے دیجئے۔ مگر اب اس سے کم پر ہرگز ہرگز کبھی بھی راضی نہیں ہو سکتا! بڈھے کی آواز قدرے بلند ہو گئی۔ معن بن زائدہ بڈھے کے اُن گرم گرم جُملوں کو یاد کر کے ہنسنے لگا۔ جو اُس نے غصہ میں بھر کر جنگل میں کہہ دیا تھا۔ معن کے ہنستے ہی بڈھے نے پہچان لیا کہ امیر وہی شخص ہے۔ جس سے جنگل میں بات چیت ہو چکی ہے۔ چنانچہ بڈھے نے کہا کہ امیر! آپ فوراً تیس دینار مجھے دلا دیجئے۔ ورنہ گدھا باہر بندھا ہے اور میں معن زائدہ کے محل میں کھڑا ہوں۔ یہ سُنتے ہی معن بن زائدہ اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ اور ہنستے ہنستے تخت پر چت لیٹ گیا۔ اور اپنے وکیل کو بلا کر حکم دیا کہ اس بڈھے کو پہلے ایک ہزار دینار عطا کرو۔ پھر اس کے بعد پانچ سو دو، پھر اس کے بعد تین سو دو۔ پھر ایک سو، پھر پچاس، پھر تیس دینار دے کر اس کو رخصت کرو۔ بڈھا انعام و اکرام سے مالامال ہو کر دربار سے امیر کو سلام کر کے رخصت ہوا اور دعائیں دیتا ہوا گھر چلا گیا۔[1]

ایک طفیلی کا ذوق

ایک طفیلی جو بغیر بلائے ہوئے ہر دعوت میں شریکِ طعام ہو جایا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے

[1] مستطرف ج ۲ ص ۲۴۷

دریافت کیا کہ قرآن شریف کی کون سی سورہ تم کو زیادہ پسند ہے؟ اُس نے کہا کہ "سورۂ مائدہ" (دسترخوان) پھر کہا گیا کہ کون سی آیت پسند ہے؟ تو اس نے کہا کہ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا (ان کو چھوڑ دو یہ کھائیں اور نفع اٹھائیں) لوگوں نے پوچھا کہ اچھا اس کے بعد کون سی آیت زیادہ پسند ہے؟ تو اس نے کہا کہ اٰتِنَا غَدَآءَنَا (لاؤ ہمارے پاس ہمارا دن کا کھانا) لوگوں نے کہا پھر اس کے بعد؟ تو کہنے لگا کہ اُدْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ (داخل ہو جاؤ اس گھر میں سلامتی اور بے خوفی کے ساتھ) لوگوں نے کہا کہ پھر اس کے بعد؟ تو بولا وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ (وہ لوگ اس گھر میں سے نکالے نہیں جائیں گے) [1]

جھوٹے مدعیانِ نبوت کے لطائف

(۱) سلفی نے "طیوریات" میں حفص مدائنی سے نقل کیا ہے کہ خلیفۂ بغداد مامون رشید کے دربار میں ایک حبشی کو پکڑ کر لایا گیا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا کہ میں موسیٰ بن عمران ہوں۔ خلیفہ نے اس سے کہا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا تو یہ معجزہ تھا کہ وہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالتے تھے تو وہ ہاتھ روشن ہو کر چمکتا تھا۔ اگر تم موسیٰ بن عمران ہو تو مجھے یہ معجزہ دکھلاؤ؟ خلیفہ کا سوال سُن کر حبشی نے کہا کہ اے امیر المومنین! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضاء (روشن ہاتھ) کا یہ معجزہ اس لئے عطا کیا گیا تھا کہ اُن کے زمانے کا بادشاہ فرعون اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہہ کر خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ آپ میرے زمانے کے بادشاہ ہیں۔ آپ بھی اگر فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کریں۔ تو میں بھی یہ معجزہ دکھا دوں گا۔ جب تک آپ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى نہیں کہیں گے۔ میرا ہاتھ روشن ہو کر نہیں چمکے گا۔ حبشی کی یہ گفتگو سُن کر خلیفہ اور حاضرین ہنس پڑے۔ [2]

(۲) خلیفۂ بغداد ہارون رشید کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جب یہ گرفتار کر کے دربارِ شاہی میں لایا گیا۔ تو خلیفہ نے دریافت کیا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں "نبی" ہوں۔ خلیفہ نے فرمایا کہ ہر نبی کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور دکھلاتا ہے۔ تم اگر نبی ہو تو میرے ان بے داڑھی مونچھ

---

[1] مستطرف ج ۲ ص ۲۶۸ [2] تاریخ الخلفاء ۲۲۶

کے نوجوان غلاموں کو فوراً داڑھی مونچھ والا بنادو۔ مدعی نبوت نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ میرے لئے حلال نہیں ہے کہ بغیر داڑھی مونچھ کے ان خوبصورت چہروں پر داڑھی مونچھ اُگا کر ان کو بدصورت بنا ڈالوں۔ ہاں یہ معجزہ ضرور دکھلا سکتا ہوں کہ اگر آپ کہیں تو میں ان داڑھی مونچھ والوں کو فوراً ہی بے داڑھی مونچھ والا بنا دوں۔ مدعی نبوت کا جواب سُن کر خلیفہ ہارون رشید ہنس پڑا اور حاضرین بھی خوب خوب ہنسے۔[۱]

(۳) خلیفہ بغداد مامون رشید کے دربار میں ایک مدعی نبوت پیش کیا گیا تو خلیفہ نے اُسکو حکم دیا کہ اگر تم نبی ہو تو کوئی معجزہ دکھلاؤ؟ مدعی نبوت نے کہا کہ میرا یہ معجزہ ہے کہ کنکری کو میں پانی میں ڈال دوں تو وہ پگھل کر پانی بن جائے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی جیب سے ایک کنکری نکالی اور پانی میں ڈالا۔ تو وہ پگھل کر پانی ہو گئی۔ خلیفہ نے کہا کہ یہ تمھاری کیمیا گری ہے۔ میں تمھیں اپنے پاس سے ایک کنکری دیتا ہوں اگر اسکو تم پانی میں ڈال کر پانی بنا دو۔ تو میں سمجھوں گا کہ یہ تمھارا معجزہ ہے۔ مدعی نبوت نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ فرعون سے بڑے نہیں ہیں۔ اور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر نہیں ہوں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو سانپ بنا کر اپنا معجزہ دکھلایا تو فرعون نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ اے موسیٰ! تمھارا عصا سانپ بن گیا، یہ تمھاری حیلہ سازی ہے۔ میرے عصا کو سانپ بنا کر دکھلاؤ جب میں تمھارا معجزہ تسلیم کروں گا۔ مدعی نبوت کی اس بات کو سُن کر خلیفہ اور حاضرین دربار کو ہنسی آگئی۔

(۴) خلیفہ معتصم کے دربار میں بھی ایک جھوٹے نبی کو پیش کیا گیا۔ تو خلیفہ نے اُس کے دعویٰ نبوت کو سُن کر مارے غصہ کے تڑپ کر کہا کہ تم احمق اور بے وقوف ہو۔ خلیفہ کی ڈانٹ سُن کر جھوٹے نبی نے یہ جواب دیا کہ اے امیر المومنین آپ خفا نہ ہوں "اِنَّمَا یبعث الی قوم مثلھم" یعنی یہ تو مسلمہ نظریہ اور مشہور قول ہے کہ جیسی قوم ہوتی ہے ویسا ہی نبی اُس قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ چونکہ آپ اور آپ کی ساری قوم احمق اور بے وقوف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھ احمق اور بے وقوف کو آپ لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیج دیا ہے۔ یہ سن کر معتصم باوجود غصہ در ہونے کے

[۱] مستطرف ج ۲ ص ۲۴۳

بڑے زور سے ہنسا۔ اور درباری لوگ بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے!

(۵) خلیفہ مامون رشید کے دربار میں ایک نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو حاضر کیا گیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔ خلیفہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا تو یہ معجزہ تھا کہ وہ آگ میں ڈالے گئے تو آگ ٹھنڈی ہو کر ان کے لئے سلامتی کا سامان بن گئی۔ ہم تم کو بھی آگ میں ڈلوائے دیتے ہیں۔ اگر تم آگ میں سے زندہ و سلامت نکل آئے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ مدعی نبوت نے کہا کہ اتنا بڑا معجزہ تو نہیں۔ مگر کوئی چھوٹا معجزہ طلب کیجئے تو میں دکھلا دونگا خلیفہ نے کہا کہ اچھا تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دکھلا دو کہ عصا سانپ بن جائے۔ اور تمھارے عصا مار دینے سے دریا پھٹ جائے۔ اور ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکال لینے سے ہاتھ روشن ہو کر چمکنے لگے۔ مدعی نبوت نے کہا کہ یہ معجزات تو اور بھی زیادہ بڑے اور مشکل ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ اچھا تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا کوئی معجزہ دکھا دو؟ مدعی نبوت نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کون سا معجزہ دکھاؤں؟ خلیفہ نے کہا کہ مُردہ زندہ کر دو۔ مدعی نبوت نے کہا کہ بہت اچھا یہ مجھے منظور ہے آپ قاضی القضاۃ قاضی یحییٰ بن اکثم کو قتل کرا دیجئے۔ میں ان کو زندہ کر دوں گا۔ خلیفہ نے دربار میں قاضی یحییٰ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ کیوں قاضی صاحب! کیا آپ یہ معجزہ دیکھنے کیلئے تیار ہیں؟ قاضی یحییٰ نے برجستہ کہا کہ امیر المؤمنین! میں تو بلا معجزہ دیکھے ہوئے اس کی (جھوٹی) نبوت پر ایمان لا چکا ہوں۔ جس کو شک ہو وہ یہ معجزہ دیکھے۔ مجھے معجزہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر سب ہنس پڑے!

(۶) ایک نبوت کے مدعی کو مامون رشید کے دربار میں لایا گیا۔ تو مامون نے پوچھا کہ تمھاری نبوت کی کون سی نشانی ہے؟ تو اس نے کہا کہ میری نبوت کی نشانی یہ ہے کہ اے امیر المؤمنین! میں آپ کے دل کی بات جانتا ہوں۔ مامون رشید نے ڈانٹ کر دریافت کیا کہ بتاؤ کون سی بات میرے دل میں ہے؟ تو مدعی نبوت نے کہا کہ آپکے دل میں یہی ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔ مامون رشید نے کہا کہ ٹھیک ہے واقعی تو میرے نزدیک جھوٹا ہی ہے۔ پھر مامون رشید نے اس کذاب کو جیل خانہ

میں قید کر دیا۔ اور چند دنوں کے بعد قید خانہ سے نکال کر اُس سے پوچھا کہ کیا قید کے درمیان تجھ پر کوئی وحی اتری ہے؟ اس نے کہا کہ جی نہیں۔ مامون رشید نے کہا کہ ایسا کیوں ہوا؟ تجھ پر وحی کا سلسلہ کیوں بند ہو گیا؟ اُس نے کہا کہ اس لئے کہ فرشتے جیل خانہ میں نہیں داخل ہوا کرتے۔ یہ جواب سن کر مامون رشید اور اہلِ دربار ہنس پڑے۔

(۷) خلیفہ بغداد متوکل باللہ کے دربار میں ایک عورت گرفتار کر کے لائی گئی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ خلیفہ نے اُس سے پوچھا کہ کیا تم نبی ہو؟ عورت نے کہا کہ جی ہاں! خلیفہ نے فرمایا کہ کیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر تیرا ایمان ہے؟ اُس نے کہا کہ جی ہاں! میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت پر ایمان رکھتی ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ کیا تجھے یہ نہیں معلوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ عورت نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ فرمایا کہ میرے بعد کوئی مرد نبی نہیں ہے۔ اس پر میرا ایمان ہے۔ مگر کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ لَا نَبِیَّةَ بَعْدِیْ کہ میرے بعد کوئی عورت نبی نہیں ہوگی۔ یہ سُن کر خلیفہ اَور حاضرین کو ہنسی آگئی اَور خلیفہ نے اُس عورت کو دربار سے نکلوا دیا۔[1]

چار حرف

اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز اپنے علمی و عملی کمالات اور شریعت و طریقت دونوں سمندروں کے مجمع البحرین و جامع الفریقین ہونے کے باوجود نہایت ہی شگفتہ مزاج و خوش طبع تھے۔ اپنی تحریروں اَور مجلسی گفتگو میں کبھی کبھی مزاحِ لطیف خصوصاً ادبی لطائف بڑی ہی صفائی اَور پاکیزگی کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے۔

کسی آریہ نے اپنے مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھی اَور اس کا نام "آریہ دھرم پرچار" رکھا اَور اس نے کتاب کا ایک نسخہ اعلیٰحضرت کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت ممدوح نے اس کتاب کا مطالعہ فرما کر

[1] مستطرف ج ۲ ص ۲۲۲

جگہ جگہ حاشیہ پر اس کا رد تحریر فرمادیا۔ اور ٹائیٹل پر کتاب کے نام کے آگے اتنی ہی جلی قلم اور سیاہ روشنائی سے "پرچار" کے بعد "حرف" بڑھا دیا۔ تو کتاب کا نام اب یہ ہوگیا "آریہ دھرم پرچار حرف" چار حرف یعنی "لعنت" ل۔ع۔ن۔ت۔

تاریخ گوئی کا لطیفہ

اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز تمام علوم وفنون کے جامع تھے۔ شاید ہی علوم وفنون مُدوّنہ میں سے کوئی علم وفن ایسا ہو جس میں آپ کو کمال مہارت حاصل نہ ہو۔ اور جس میں آپ کی کوئی نہ کوئی تصنیف نہ ہو چنانچہ فنِ تاریخ گوئی میں بھی آپ کو ایسا کمال حاصل تھا کہ عُلما سلف وخلف میں مشکل ہی سے اسکی مثال ملیگی اس فن میں بھی کبھی کبھی آپ کی خوش طبعی اور مزاجِ لطیف کی جھلک نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے وہ چاہتے ہیں کہ کوئی تاریخی نام ہو تو دروازہ پر اس کا کتبہ لگا دیا جائے۔ حضرت ممدوح نے فوراً ہی ارشاد فرمایا۔ اُن سے کہیئے "بدرِ رفض" (۱۲۸۶ھ) نام رکھیں۔ اس جواب کو سن کر انھوں نے کہا کہ امام باڑہ گذشتہ ہی سال تیار ہوچکا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ حضور کوئی دوسرا نام فرمائیں گے جس میں "رفض" کا لفظ نہ ہو۔ حضور نے فوراً ہی فرمایا تو "دارِ رفض" (۱۲۸۵ھ) نام رکھیں۔ یہ سن کر وہ بہت چپ ہوئے۔ پھر عرض کیا کہ اسکی بنیاد سنہ ۱۲۸۴ھ میں ڈالی گئی تھی۔ اس لئے اسی سنہ کا نام ہونا مناسب رہیگا۔ ارشاد فرمایا تو "دُرِّ رفض" (۱۲۸۴ھ) نام رکھیں۔

اپنی دفعہ مجبوری تھی

اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے پوتے حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ختنہ کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی تھی۔ اعزہ واقربا اور شہر کے روساء عام وخاص سب اس تقریب میں شریک تھے۔ جس مکان میں ختنہ ہونے والا تھا سب کو وہاں چلنے کے لئے کہا گیا۔ سب لوگ روانہ ہوئے تو کسی نے حضور سے بھی تشریف لے چلنے کے لئے عرض کیا۔ اسوقت

بڑی سادگی کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ "میں تو اس موقع پر کبھی جاتا نہیں ہوں" اپنی دفعہ مجبوری تھی"۔

تبصرہ ملاحظہ فرمائیے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں اور گفتگو کے مزاح لطیف میں کتنی شستہ اور مہذبانہ طرز ادا اور کتنی پاکیزگی ہے؟ پھر مزاح کے اندر بھی علمی وادبی لطائف کی جھلک سونے پر سہاگہ کا کام کر رہی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز کی ہستی علوم و معارف کا ایک ایسا سمندر ہے۔ جس کی وسعت اور گہرائیوں کا اندازہ لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو اور آپ کے کمالات کو خداوند قدوس کے فضل عظیم کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کیا خوب فرمایا کسی شاعر عرب نے کہا ؎

وَلَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ ۔۔۔ اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِی الْوَاحِدِ

یعنی خداوند تعالیٰ کی قدرت کے لئے یہ کوئی قابل انکار بات نہیں ہے کہ وہ ساری دنیا کے کمالات کسی ایک ہی آدمی میں جمع فرما دے۔ سبحان اللہ! سچ فرمایا حضرت شہیدی نے کہ ؎

اُس کے الطاف تو ہیں عام شہیدیؔ سب پر ۔۔۔ تجھ سے کیا ضد تھی؟ اگر تو کسی قابل ہوتا

قاضی اور فریق

حکومت مصر کی کچہریوں میں دو الگ الگ عہدے ہیں۔ ایک قاضی کا عہدہ اور ایک فریق کا عہدہ۔ مصر نے ایک عالم حافظ عبد العزیز بشری بڑے تفریح پسند اور حاضر جواب تھے۔ اتفاق سے حکومت نے انکو قاضی بنا دیا۔ شہر کے لوگ ان کو مبارکباد دینے کے لئے آئے۔ مبارکباد دینے والوں میں ان کے ایک دوست بھی تھے۔ جو فریق کے عہدے پر تھے۔ اور یہ بھی بڑے ہی مزاح پسند تھے۔ آتے ہی بول پڑے کہ حافظ صاحب قاضی کا عہدہ مبارک ہو۔ لیکن یہ تو بتایئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قاضی دو قسم کے ہوتے ہیں قَاضٍ فِی الْجَنَّۃِ وَقَاضٍ فِی النَّارِ ایک قاضی جو عادل ہو جنت میں جائیگا اور ایک قاضی جو ظالم ہو جہنم میں جائیگا۔ تو آپ کونسے قاضی ہیں؟ یہ سُن کر حافظ عبد العزیز بشری نے برجستہ جواب دیا کہ یہ حدیث تو مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے لیکن قرآن مجید

کی یہ آیت بخوبی یاد ہے۔ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ۔ یعنی ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا۔ تو آپ برائے مہربانی بتلائیے کہ آپ کون سے فریق ہیں؟ یہ سُن کر فریقی صاحب ایسے سٹپٹائے کہ کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ اور ساری مجلس ہنستے ہنستے کشتِ زعفران بن گئی۔

بندوق علی

حضرت مولانا سید محمد جلیل صاحب قبلہ چشتی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ جو بلاشبہ دورِ حاضر میں علمائے سلف کا نمونہ تھے۔ بہت ہی خوش مزاج و تفریح پسند عالم دین تھے۔ اور مجھ فقیر سے بہت ہی مانوس اور بے تکلف تھے۔ اکثر لطائف وظرائف سنایا کرتے تھے۔ ایک مجلس میں قافیہ بندی کا ذکر چھڑ گیا تو ارشاد فرمایا کہ ہمارے یو۔پی کے ایک مولانا صاحب ریاست حیدر آباد کے کسی گاؤں میں وارد ہوئے تو دیکھا کہ ایک جگہ بہت سے لوگ فرش پر خاموش بیٹھے ہوئے ہیں اور شیرینی کے طباق وسط میں رکھے ہوئے ہیں۔ مولانا صاحب بھی فرش پر بیٹھ گئے۔ بہت دیر تک منتظر رہے مگر سب لوگوں کو خاموش ہی پایا۔ اور ان کو اجتماع کا مقصد نہیں معلوم ہوا۔ تو مجبور ہو کر خود مولانا ہی نے اس طلسمِ خاموشی کو توڑا۔ اور فرمایا کہ حضرات! اللہ مجھے یہ بتایئے کہ آپ لوگ یہاں کیوں مجتمع ہو کر خاموش بیٹھے ہوئے ہیں؟ اور یہ شیرینی کیسی اور کیوں رکھی ہوئی ہے؟ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ غالباً آپ پردیسی معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جی ہاں۔ میں یو۔پی کا باشندہ ہوں۔ تو لوگوں نے بتایا کہ قبلہ! یہ رسمِ تسمیہ خوانی کی مجلس ہے۔ ایک بچے کا نام رکھنے کے لئے برادری کے لوگ جمع ہوئے ہیں۔ نام رکھ لینے کے بعد یہ شیرینی تقسیم ہوگی۔ مولانا نے فرمایا کہ ارے بھائی! تو پھر لوگ نام رکھتے کیوں نہیں گھنٹوں سے بیٹھے سوچ کیا رہے ہیں؟ چودھری نے کہا کہ جناب من! اس بچے کا نام رکھنے میں بڑی دشواری نظر آرہی ہے۔ مولانا نے فرمایا دشواری کیسی؟ حاضرین نے کہا۔ کہ صاحب یہاں کا رواج یہ ہے کہ بچے کا نام باپ اور دادا کے نام کے وزن پر رکھا جاتا ہے اور ایسا نام منتخب کیا جاتا ہے جو بالکل ہی نیا ہو۔ مولانا نے دریافت کیا کہ اس بچے کے باپ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے

کہا کہ "معشوق علی" مولانا نے کہا کہ پھر اس بچے کا نام "فاروق علی" رکھ دیجئے۔ وزن و قافیہ بالکل برابر ہے۔ لوگ ہنس کر بولے کہ جناب یہ تو بچے کے دادا کا نام ہے۔ کوئی اسکے ہم وزن دوسرا نام تجویز فرمایئے۔ اب مولانا کا بھی قافیہ تنگ ہوگیا۔ باربار "معشوق علی" "فاروق علی" کی تکرار ذہن میں کرتے اور ہم وزن سوچتے رہے۔ مگر اس کے ہم وزن کوئی نام ذہن میں آتا ہی نہیں تھا۔ مولانا بھی تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ حضرات! ایک نام میرے ذہن میں آیا ہے جو بالکل ہی باپ اور دادا کے نام کے وزن پر ہے اور نیا تو اتنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کی اولاد میں شاید ہی آج تک یہ نام کسی کا رکھا گیا ہو۔ لوگوں نے کمال اشتیاق سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ اور سب یک زبان ہو کر بول اٹھے کہ ضرور ضرور ارشاد فرمایئے کہ وہ کون سا نام ہے؟ تو مولانا نے فرمایا کہ سنیئے۔ باپ کا نام "معشوق علی" اور دادا کا نام "فاروق علی" ہے۔ اس لئے اس بچے کا نام "بندوق علی" رکھ دیا جائے۔ وزن بالکل برابر ہے اور نام بالکل ہی نیا ہے۔ یہ سن کر حاضرین بگڑ کر بولے کہ کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟ آپ کو شرم نہیں آتی کہ آپ مولانا ہو کر ایسی سنجیدہ مجلس میں یہ مسخرا پن دکھا رہے ہیں۔ مولانا نے بھی بلند آواز سے فرمایا کہ اماں مذاق کرنے والے کی ایسی کی تیسی۔ اسمیں مسخرا اور مذاق کی کیا بات ہے؟ کیا "شمشیر علی" نام نہیں رکھا جاتا؟ کیا "تیغ علی" نام نہیں ہوتا؟ تو جب علی کی شمشیر اور علی کی تلوار و تیغ ہو سکتی ہے تو اگر علی کی بندوق ہو جائے تو اس میں کونسا کفر ہو جائیگا؟ جس طرح علی کی تلوار ہو سکتی ہے اسی طرح علی کی بندوق بھی ہو سکتی ہے۔ میں عالم و مفتی ہوں میں فتویٰ دیتا ہوں کہ بندوق علی نام رکھنے میں ہرگز ہرگز شرعاً نہ کوئی کفر و شرک ہے نہ کوئی بدعت، نہ یہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی نہ مکروہ تنزیہی۔ یقیناً یہ نام جائز و مباح ہے۔ بہر کیف مولانا نے اپنی عالمانہ تقریر کی ہیبت سے سب کو خاموش کر دیا۔ اور سب لوگوں نے بااتفاق بچے کا نام "بندوق علی" رکھ دیا۔ اور مٹھائی تقسیم ہوگئی۔ پھر مولانا نے کہا کہ حضرات! ایک نام اسکے وزن پر اور بھی میرے خیال میں آگیا ہے۔ اسکو آپ لوگ نوٹ کر لیں تاکہ آئندہ بھی اگر کبھی ایسا حادثہ پیش آئے تو یہ نام آپ کے کام آجائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ ؎

داشتہ آید بکار　　گرچہ باشد زہر مار

لوگوں نے بڑے شوق سے پوچھا تو مولانا نے ارشاد فرمایا کہ "صندوق علی" دیکھ لیجئے۔ وزن و قافیہ بالکل برابر ہے اور نام بھی بنیا ہے۔ لوگوں نے خوش ہو کر مولانا کا شکریہ ادا کیا۔ اور سب ان کی تلاشِ قافیہ اور ذہانتِ طبع کی داد دینے لگے۔

اصحابِ فیل کا ثانی

امامِ منطق حضرت علامہ عبدالحق خیرآبادی بہت ہی زندہ دل خوش طبع اور نہایت ہی باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ جن دنوں آپ نواب کلب علیخاں والیِ رام پور کے وظیفہ یاب اور مصاحبین خاص میں شامل تھے۔ نواب صاحب مرحوم نے انھیں دنوں میں حج و زیارت کا عزم فرمالیا۔ اور انھوں نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا کہ میں اہلِ حرمین شریفین کے لئے ایسا کون سا تحفہ لے جاؤں۔ جو میرے سوا اور کوئی نہ لے گیا ہو۔ تو سب مصاحبین نے یہ کہا کہ حضور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہاتھی نہیں پایا جاتا۔ اسلئے اہلِ حرمین شریفین کے لئے یہ بہت ہی نادر و نایاب تحفہ ہوگا۔ کہ آپ اپنے فیل خانہ سے ایک نہایت عمدہ اور اچھا ہاتھی لے کر حرمین شریفین تشریف لے جائیں۔ اور اہلِ حرمین کی خدمت میں اسکو بطور تحفہ پیش فرمائیں۔ نواب صاحب نے خوش ہو کر مصاحبین کا یہ مشورہ قبول فرمالیا۔ اور ہاتھی کے لئے شاندار عماری وغیرہ بنوانے کا آرڈر بھی دے دیا گیا۔ مگر اس مجلس میں علامہ عبدالحق خیرآبادی تشریف فرما نہیں تھے۔ جب علامہ ممدوح تشریف لائے تو نواب صاحب مرحوم نے اپنی اسکیم اور مصاحبین کے مشورے انھیں آگاہ فرمایا۔ حضرت علامہ نے بڑی سادگی کے ساتھ یہ فرمایا کہ ٹھیک ہی تو ہے۔ ابرہہ کے بعد آپ پہلے شخص ہیں جو ہاتھی لے کر مکہ شریف جائیں گے۔ اسلئے لوگ اس کے سوا اور کیا کہیں گے؟ کہ نواب رام پور اصحاب فیل کے ثانی ہیں۔ یہ سنتے ہی پورا دربار قہقہوں سے گونج اٹھا اور نواب مرحوم بھی ہنسنے لگے اور ہاتھی لے کر مکہ مکرمہ جانے کی ساری اسکیم درہم برہم ہو گئی اور

نواب صاحب نے فرمایا کہ واللہ! میں کبھی بھی اصحابِ فیل کا ثانی بننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

خُدا کے گھر سے چائے ختم؟

روسائے علی گڑھ میں الحاج نواب مزمل اللہ خاں صاحب مرحوم بڑے آن بان اُور بڑی نرالی شان کے نواب تھے۔ فقیر راقم الحروف سے انکا یہ خاص تعلق تھا کہ یہ میرے مُرشد علیہ الرحمۃ کے پیر بھائی تھے۔ اُور حضرت مولانا شاہ عبدالغفور خاں صاحب قبلہ نقشبندی مجددی شاہجہان پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے۔ اس نسبت کی وجہ سے کئی بار میں ان کے دربار میں باریاب ہوا۔ نواب صاحب مرحوم کے یہاں اکثر عُلماء و حُفاظ وغیرہ دسترخوان پر موجود رہا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے بتایا کہ نواب صاحب مرحوم کے یہاں کوئی مولانا صاحب رہا کرتے تھے۔ جو بہت ہی دلچسپ اُور خوش دل و خوش مزاج تھے۔ اُور ان کے لطیف مزاح سے نواب صاحب مرحوم بھی بہت محظوظ ہوا کرتے تھے۔ یہ مولانا صاحب چائے کے بڑے ہی عاشق تھے۔ اُور چائے پیتے وقت مسرور ہو کر ہمیشہ ایسے ایسے لطائف و ظرائف سنایا کرتے تھے کہ نواب صاحب اُور مصاحبین ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جایا کرتے تھے۔ جب نواب صاحب مرحوم حج سے واپس تشریف لائے تو مکہ مکرمہ سے شیشے کے فنجانوں کا ایک سیٹ بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور مزمل منزل میں پہلی مرتبہ ان ہی فنجانوں میں چائے کا دور چلا۔ تو مولانا صاحب روٹھ کر دور جا بیٹھے۔ اُور جب نواب صاحب نے بلایا کہ مولانا! چائے حاضر ہے۔ تو مولانا صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ سرکار میں اس چائے سے باز آیا۔ بلکہ تائب ہوتا ہوں۔ نواب صاحب نے حیرت سے فرمایا کہ ارے ارے! یہ کیوں؟ آپ تو اپنے آپ کو چائے کا عاشق زار فرمایا کرتے تھے۔ آج آپ اپنی محبوبہ سے اس قدر بیزار کیوں ہو رہے ہیں؟ لوگوں نے بھی پوچھا کہ مولانا خیر تو ہے؟ واقعی آج آپ چائے سے کیوں اعراض فرما رہے ہیں؟ کوئی خاص بات تو نہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ خاص یا عام بات کچھ بھی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ جب چائے شروع شروع میں چلی تھی تو مٹی کی

بڑی بڑی رکابیوں میں خوب زیادہ زیادہ ملا کرتی تھی۔ پھر خدا غارت کرے جاپان کو کہ اس نے چائے کے لئے چینی کے چھوٹے چھوٹے کپ بنا دیئے۔ تو پھر ان پیالیوں میں تھوڑی ملنے لگی پھر سنگل کپ بن گئے۔ تو اور بھی قلیل مقدار میں ملنے لگی۔ اور آج میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ شیشے کی ان چکڑیوں میں زیادہ سے زیادہ نو نو ماشہ یا ایک ایک تولہ مل رہی ہے۔ تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ چائے جب سے شروع ہوئی برابر اسکی مقدار گھٹتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اسلئے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آئندہ چند دنوں میں گھٹتے گھٹتے اور کم ہوتے ہوتے وہ دن آجائیں گے کہ چائے عطر کی روئی کی پھریریوں میں تقسیم ہوا کرے گی۔ اور پھر کچھ دنوں میں بالکل ہی ختم ہو جائیگی۔ اور مجبوراً ہم لوگوں کو اس سے توبہ کرلینی ہی پڑے گی۔ تو پھر میں نے آج ہی توبہ کا عزم کر لیا ہے۔ یہ سن کر اہلِ محفل ہنس پڑے۔ مگر نواب صاحب نے فرمایا کہ جناب! فنجانوں میں چائے پینا بیت اللہ شریف والوں کا طریقہ ہے۔ اس لئے اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔ یہ سُن کر مولانا نے فرمایا۔ اخاہ! جب تو میں سمجھتا ہوں کہ خدا کے گھر ہی سے چائے ختم ہو رہی ہے۔ مولانا کا یہ فقرہ سن کر نواب صاحب کو بھی ہنسی آگئی۔ اور پھر مولانا نے فنجان اُٹھا کر چائے پینی شروع کر دی۔

باکرامت اُستاد

علیگڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر دینیات حضرت علامہ سید سلیمان اشرف صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ بہت جید عالم دین تھے۔ بہت ہی وجیہہ، خوش رو اور خوبصورت اور نہایت ہی خوش خوراک و خوش پوشاک بزرگ تھے۔ چونکہ میرے اُستاد حضرت صدر الشریعہ مولانا الحکیم امجد علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ مصنف "بہار شریعت" کے یہ ہم سبق اور استاد بھائی ہے۔ اور ایک مرتبہ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ہمراہ یونیورسٹی میں حضرت ممدوح سے شرف نیاز حاصل کر چکا تھا۔ اس لئے پھر کئی بار تنہا بھی قدم بوسی کیلئے حاضر ہوتا رہا۔ اور بحمدہٖ تعالیٰ مجھ پر شفقت بھی فرماتے رہے۔

موصوف اپنی علمی وجاہت کے باوجود بہت ہی خوش اخلاق و خوش طبع بزرگ تھے۔ لیکن

نہایت ہی شاندار اَور نازک مزاج بھی تھے ایک مرتبہ آپ اپنے استاد حضرت استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خانصاحب جونپوری قدس سرہ العزیز کے علمی کمالات اَور تفہیم دریات میں اُن کی مہارت کاملہ کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں فرمارہے تھے۔ اس وقت آپ کی مجلس میں روسار و نوابانِ علیگڑھ بھی شریکِ محفل تھے۔ ابھی حضرت ممدوح اپنے اُستاد کے ذکرِ جمیل سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ایک دم نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب والی بھیکم پور نے اپنے اُستاذ مولانا لطف اللہ خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا تذکرہ شروع کردیا۔ حضرت ممدوح کو ان کا یہ دخل در معقولات پسند نہیں آیا جب طبع نازک پر گرانی حد سے متجاوز کرگئی تو حضرت ممدوح نے بطورِ طنزِ لطیف فرمایا کہ "جناب میں تو آپ کے استاد کو باکرامت مانتا ہوں۔" سر نواب مزمل اللہ خاں صاحب نے بڑے جھٹکے سے یہ پوچھا کہ حضرت یہ کیسے؟ حضرت ممدوح نے برجستہ فرمایا کہ اسی لئے کہ انھوں نے آپ جیسوں کو پڑھا دیا" حضرت ممدوح کا یہ جملہ سُن کر تمام حاضرین کے ہونٹوں پر ایک ہلکے تبسّم کی لہر دوڑ گئی۔ اَور نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب مرحوم بالکل خاموش ہوگئے۔[1]

مُردہ گائے کو حلال کرنے والا

حضرت حکیم غلام ربانی خاں صاحب بن افسر الاطبا مولانا حکیم عبد القادر صاحب شاہجہان پوری بہت ہی شاندار رئیس اَور حاذق طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بذلہ سنج اَور خوش طبع بزرگ تھے۔ چونکہ وہ میرے مرشد علیہ الرحمہ کے حلقے میں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کے فرزند ارجمند مولوی حکیم ڈاکٹر عبد القوی خاں صاحب پروفیسر علیگڑھ یونیورسٹی کو میں نے پڑھایا تھا۔ اس لئے ان سے میری بہت بے تکلفانہ گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اَور حضرت موصوف مجھ پر خاص طور پر کرم فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں شاہجہان پور محلہ دفازئی میں آپ کے مطب کے اندر حاضر ہوا کئی ایک روسارِ شہر بھی موجود تھے۔ اور ایک پیرزادے صاحب بھی شریکِ مجلس تھے۔ جو بہت ہی لطیفہ گو اَور قہقہہ باز تھے۔ انھوں نے ایک دم ایک مولوی صاحب کا قصہ سنایا۔ اَور خُوب خُوب

[1] مسموع

ہنسے ہنسائے۔ چونکہ میں مجلس میں حاضر تھا تو وہ قصہ کچھ میرے اوپر فٹ ہونے لگا۔ میں تو خُرد ہونے کی وجہ سے خاموش رہا۔ لیکن میری طرف سے بطور جواب دہی حکیم صاحب قبلہ مرحوم نے فوراً یہ قصہ سنایا کہ صاحب! ایک پیر صاحب تھے جن کے کشف وکرامات کا بڑا چرچا تھا۔ لوگ دُور دُور سے اُن کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ مگر وہ پیر صاحب تھے بالکل جاہل مطلق۔ ایک دن شہرت سُن کر ایک مولانا صاحب بھی اُن کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ جیسے ہی مولانا صاحب آکر بیٹھے پیر صاحب کا ایک نوکر بھاگتا ہوا آیا۔ اور کہا کہ میاں! گائے تو مر گئی۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ اَب تو مر گئی خیر اچھا جاؤ۔ تم لوگ اس کی کھال آتارو۔ میں ابھی اسکو حلال کر دوں گا اور گوشت قصائی کو دے دوں گا۔ یہ سن کر مولانا صاحب ایک دم چونکے اور بول اٹھے۔ کہ حضرت مری ہوئی گائے کو آپ کیسے حلال کر دیں گے؟ پیر صاحب نے چمک کر فرمایا کہ اجی جناب! ابھی سب تو وہ خاص خاص دعائیں اور وظائف ہماری خانقاہ میں ایسے ایسے ہیں۔ جس سے ہماری خانقاہ دُور دُور تک مشہور ہے مری ہوئی گائے تو کیا؟ ہم تو مرا ہوا ہاتھی بھی حلال کر سکتے ہیں۔ مولانا صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور کرامت مآب! اللہ! ذرا یہ دعائیں ہمیں بھی تو سنا دیجئے؟ پیر صاحب نے فرمایا خیر تم بہت بڑے مولانا ہو تو سن لو۔ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً ط پڑھ کر تو ہم مری ہوئی گائے کو حلال کر دیتے ہیں اور اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ o پڑھ کر ہم مرا ہوا ہاتھی حلال کر سکتے ہیں یہ سُن کر مولانا صاحب ایک دم مجلس سے کود کر بے تحاشا بھاگے لوگوں نے کہا کہ ہاں۔ ہاں یہ کیا؟ ارے مولانا بھاگتے کیوں ہو؟ مولانا نے فرمایا کہ بھائی! مجھے یہ خطرہ درپیش ہو گیا ہے کہ کہیں پیر صاحب خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ o پڑھ کر مجھے بھی نہ حلال کر ڈالیں۔

حکیم صاحب مرحوم کی زبان سے یہ قصہ سن کر ایک دم سب لوگ ہنستے ہنستے بے خود ہو گئے اور پیر زادہ صاحب بے حد خفیف ہوئے۔

الف لام چمک دمک

جن اکابر علماء اہلسنت ومشائخ کرام سے راقم الحروف نے شرف زیارت حاصل کیا ہے۔ اُن

میں سب سے زیادہ خوش ذوق و خوش مزاج خندہ رُو۔ اور لطائف علمیہ و مزاح لطیف کا ماہر میں نے حضرت اقدس محدث اعظم مولانا سید محمد صاحب قبلہ اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کو پایا۔ حضرت موصوف الصدر اپنی خاندانی عظمت، شکل و صورت کی وجاہت اور علمی جلالت کے باوجود بڑے ہی خوش طبع، حاضر جواب اور تفریح پسند بزرگ تھے۔ بات بات میں علمی نکات پیدا کر کے مجلس میں ارباب ذوق کی تفریح خاطر کا سامان پیدا فرما دینا یہ حضرت اقدس کا وہ انمول علمی کارنامہ ہے کہ جس کو میں اپنی تمام عمر فراموش نہیں کر سکتا۔

ایک مرتبہ اترولہ ضلع گونڈہ کے اجلاس میں حضرت اقدس اور حضرت مفتی آگرہ مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ حقانی علیہ الرحمہ کے ساتھ یہ راقم الحروف بھی حاضر تھا۔ ایک دم داعی جلسہ جناب حکیم خورشید الحسن صاحب کے بارے میں ایک صاحب سے میں نے یہ دریافت کیا کہ "حکیم خورشید حسن صاحب" کہاں ہیں؟ تو حضرت اقدس نے مجھے فوراً ٹوکا۔ کہ مولانا صحیح نام لیا کیجیے۔ ان کا نام خورشید حسن نہیں ہے بلکہ خورشید الحسن ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور خورشید کے بعد حسن پر الف لام کیسا ہے؟ تو برجستہ فرمایا کہ چونکہ یہ الف لام خورشید کے بعد ہے۔ لہٰذا یہ الف لام چمک دمک کا ہے۔ پھر ہنستے ہوئے میں نے عرض کیا کہ حضور! خورشید فارسی کا لفظ ہے "الحسن" کیا تھ اس کی اضافت کس طرح ہو سکے گی؟ تو ارشاد فرمایا کہ "خورشید الحسن" کی ترکیب ایسی ہی ہے جیسے "گنج العرش" کی ترکیب۔ اگر گنج کی اضافت العرش کی طرف ہوئی ہے۔ تو پھر خورشید کی اضافت "الحسن" کی طرف کرنے میں آپ کو کون سی قیامت نظر آ رہی ہے؟ حضرت اقدس کی اس بلے ساختہ حاضر جوابی اور علمی لطیفہ سنجی سے حضرت مفتی آگرہ اور فقیر راقم الحروف کو ہنسی آ گئی۔ پھر ہم دونوں کمرے سے باہر نکلے تو میں نے کہا واللہ! قدرت نے حضرت اقدس کو ایسا لاجواب دماغ عطا فرمایا ہے کہ علما میں ان کی مثال نہیں مل سکتی۔ تو حضرت مفتی آگرہ نے فرمایا کہ میاں! کیا کہنا ہے ان کا؟ بادشاہ ہیں! بادشاہ۔

بدھو کا ترجمہ

مدرسہ انوار العلوم جین پور ضلع اعظم گڑھ میں میرے ہم سبق اور ساتھی مولانا صوفی محمد خلیل صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ صدر المدرسین تھے۔ انھوں نے اپنے مدرسہ کے اجلاس دستار بندی میں حضرت محدث اعظم ہند صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اور مجھ راقم الحروف کو مدعو کیا۔ سندوں پر میں نے اپنے قلم سے فارغ التحصیل طلبہ کا نام وغیرہ لکھا۔ ایک طالب علم غالباً ان کا نام مولوی عبید الرحمن تھا اور ان کے والد کا نام "بدھو" تھا۔ میں نے سند پر یہی نام لکھ دیا۔ جب یہ سندیں ملاحظۂ اقدس میں دستخط کے لئے پیش ہوئیں۔ تو حضرت نے سب طلبہ و علما کو جمع فرمایا اور پھر مجھ خادم کو بلا کر فرمایا کہ آپ کو یہ سمجھ کر سند لکھنے کے لئے دی گئی تھی کہ آپ قدرے خوش خط بھی ہیں اور نوجوان علماء میں نہایت قابل بھی۔ مگر آپ نے سند لکھنے میں ایک بہت بڑی غلطی کر دی۔ میں بھلا کس طرح اس کی تصدیق کر سکتا ہوں؟ علما اور طلبا کے مجمع میں حضرت کا یہ فرمان سن کر میں سناٹے میں آگیا اور میں نے سند کو بغور دیکھ کر عرض کیا کہ حضور والا اس میں کوئی غلطی نہیں ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ سند عربی میں ہے یا اردو میں؟ میں نے عرض کیا کہ عربی میں۔ تو ارشاد فرمایا کہ آپ نے سب کچھ عربی زبان میں لکھا۔ مگر "بدھو" کا آپ نے عربی میں ترجمہ ہی نہیں لکھا۔ آپ کو یوں لکھنا چاہیئے تھا۔ کہ

"المولوی عبید الرحمٰن بن یوم الاربعاء"

تو سند بالکل صحیح ہوتی۔ یہ فرمایا اور سند پر دستخط فرما دیئے۔ اور ہم سب حاضرین اس لطیفہ کو سن کر اس قدر ہنسے کہ کسی طرح ہنسی تھمتی ہی نہیں تھی۔ جاہلوں کی سمجھ میں یہ مزاح بالکل ہی نہیں آیا اور وہ ہمارا منھ دیکھتے رہے۔ تو حضرت قدس نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ عربی میں بدھ کے دن کو "یوم الاربعا" کہتے ہیں۔ جب بدھو میاں حج کو جائیں گے تو عرب کے لوگ ان کو عربی میں حاجی یوم الاربعاء کہہ کر پکاریں گے۔ یہ سن کر جاہل لوگ ہنسنے لگے!

خزانچی بدھو

اسی مدرسہ انوار العلوم جین پور میں ایک مرتبہ محدث اعظم صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ اس وقت تشریف لے گئے جب وہاں کچھ اختلاف ہو گیا تھا۔ فقیر راقم الحروف بھی حضرت اقدس کے ہمسفر تھا کچھ لوگوں نے خزانچی وغیرہ پر غبن کا الزام لگایا تھا۔ حضرت اقدس نے حساب کی جانچ پڑتال کا حکم فرمایا چنانچہ سیکریٹری اور خزانچی وغیرہ نے جو حساب پیش کیا تو غبن سے ان لوگوں کا دامن پاک نکلا اور الزام لگانے والوں کا جھوٹ اور افترا بالکل ظاہر ہو گیا۔ اور مجھے ان لوگوں پر بڑا غصہ آیا۔ خزانچی صاحب کا نام "بدھو" تھا۔ حضرت اقدس نے مجھے مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ مولانا! یہ الزام لگانے والے لوگ بڑے چالاک ہیں۔ یہ لوگ خزانچی کو "بدھو" سمجھ کر خزانچی کا عہدہ اس سے چھین کر اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ مدرسہ غبن سے اب تک اسی لئے بچا رہا کہ اس کا خزانچی "بدھو" تھا اگر چالاک خزانچی ہوتا تو اب تک سارا خزانہ اندرون خانہ ہو چکا ہوتا۔ حضرت اقدس کا یہ جملہ سن کر مجھے ہنسی آ گئی اور میرا سارا غصہ رفو چکر ہو گیا۔

اچھا موتی کی ضرورت تھی

ایک مرتبہ گورکھپور کے اجلاس میں فقیر راقم الحروف حضرت اقدس کے ساتھ شریک اجلاس تھا سردیوں کا موسم تھا اور صبح ۵ بجے کی گاڑی سے ہم سب کو بہرائچ کے اجلاس میں جانا تھا۔ حضرت محدث اعظم صاحب قبلہ تو اسی لئے جلسہ کے بعد بالکل سوئے ہی نہیں۔ لیکن میں اور حضرت کا خادم دونوں سو گئے۔ میں حضرت اقدس ہی کے کمرے میں تھا۔ حضرت اقدس نے بلند آواز سے مجھے پکارا کہ مولانا! میں فوراً اٹھ بیٹھا۔ ارشاد فرمایا کہ ہمارے خادم کو جلد بیدار کیجئے۔ روانگی کا وقت قریب ہے۔ حضرت کا خادم اور وہ صاحب جن کے ذمے تانگہ لانا تھا دونوں ایک کمرے میں سو رہے تھے۔ میں نے کئی مرتبہ زور زور سے پکارا۔ مگر کوئی اٹھتا ہی نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور والا

یہ دونوں بہت ہی غافل ہو کر سو رہے ہیں۔ اٹھتے ہی نہیں۔ یہ سن کر حضرت اقدس بہت تیزی کے ساتھ خود اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دونوں کے سرہانے کھڑے ہو کر نہایت ہی بلند آواز اور اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا کہ "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ" حضرت اقدس کی پر جلال آواز سن کر یہ دونوں جھٹ سے بیدار ہو کر ایک دم اٹھ کھڑے ہو گئے۔ ایک صاحب تانگہ لینے کے لئے دوڑ پڑے اور خادم نے مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو جگا رہے تھے حالانکہ یہاں "اَحْیَاءِ موتٰی" (مردہ زندہ کرنے) کی ضرورت تھی۔ مجھے اکثر سفر میں یہ کارنامہ انجام دینا پڑتا ہے۔

تبصرہ ملاحظہ فرمایئے کہ ان تفریحات میں برجستگی اور بیساختگی کے ساتھ ساتھ کتنی لطافت اور پاکیزگی ہے؟ نہ ان پُر مزاح فقروں میں کوئی تکلف ہے نہ تصنع نہ کسی کی دل آزاری ہے نہ کوئی ریاکاری۔ اس قسم کے سیکڑوں لطائف وظرائف ہیں۔ جو حضرت اقدس علیہ الرحمۃ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جن کو سن کر سامعین دیوار قہقہہ بن جایا کرتے تھے۔ مگر حضرت قبلہ کے لبوں پر ایک خفیف موج تبسم کے سوا قہقہوں کا طوفان کبھی نہیں آتا تھا۔

افسوس صد ہزار افسوس! کہ آج ملک کی دنیا ان باکمالوں کے وجود سے خالی ہو گئی۔ اور ہمیں ایسا دور دیکھنا پڑا کہ آج کل کے علما میں نہ خوش خلقی ہے نہ خوش طبعی، نہ زندہ دلی ہے۔ نہ خوش مزاجی ہر طرف مصنوعی تقدس، بناوٹی بزرگی، پُر فریب زہد و تقویٰ کے جعلی سکّوں کی گرم بازاری نظر آ رہی ہے۔ جن کو دیکھ کر بے اختیار کسی مسخرے شاعر کا یہ شعر زبان پر رواں ہو جاتا ہے۔

خلافِ شرع مرا شیخ تھوکتا بھی نہیں مگر اندھیرے اجالے میں چوکتا بھی نہیں

حاکم پرگنہ یا حاکم پُرگنہ

میرے استاذ معظم و آقائے نعمت حضرت اقدس صدر الشریعۃ مولانا الحکیم محمد امجد علی صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ (مصنف بہار شریعت) بہت ہی پُر جلال اور باوقار صاحب علم و عمل عالم دین تھے۔ اور اپنی علمی و عملی اداؤں کے لحاظ سے بلا شبہ علماء متقدمین و سلف صالحین کے جانشین تھے

مگر آپنے اس عالمانہ وقار اور فقیہانہ عظمت و اقتدار کے باوجود کبھی کبھی تفریحی جملے بھی ارشاد فرما دیئے کرتے تھے جو بہت ہی بے ساختہ اور فرحت خیز و مسرت انگیز ہوا کرتے تھے۔

مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ کے قیام کے دوران مدرس دوم جناب مولوی محمد امین الدین صاحب مرحوم نے ایک مدرسہ کے سابق معائنوں کو حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا۔ ان معائنوں میں ایک معائنہ کسی حاکم پرگنہ صاحب کا بھی تھا۔ جنھوں نے اپنے معائنہ میں سارا زور اس بات پر صرف کیا تھا کہ مدرسہ سعیدیہ میں کم از کم انٹرنس تک انگریزی کی بھی ضرور تعلیم ہونی چاہیئے۔ خالی عربی کی تعلیم دے کر نرے ملّا بنانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ اس قسم کے بہت سے خرافات ان کے معائنہ میں درج تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس معائنہ کو ملاحظہ فرما کر مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ صاحب "حاکِم پرگنہ تھے یا حاکُم پُرگنہ" حضرت علیہ الرحمۃ کا یہ فقرہ سُن کر سب لوگ ہنس پڑے۔

حاضر جوابی بدوی

کسی خلیفۃ المسلمین کے شاہی دسترخوان پر ایک اعرابی کھانے کے لئے بیٹھ گیا۔ ایک بھنا ہوا بکری کا بچہ جب دسترخوان پر لایا گیا۔ تو اعرابی جو خوب بھوکا تھا۔ بڑی تیزی کے ساتھ جلدی جلدی اور بڑا بڑا لقمہ کھانے لگا۔ اس کے کھانے کا ڈھنگ دیکھ کر خلیفۃ المسلمین نے مزاح کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس بکری کے بچے کو اس طرح کھا رہے ہو گویا اسکی ماں نے تمھیں سینگ مارا ہو۔ اعرابی نے کھاتے کھاتے جواب دیا کہ امیر المومنین! اور آپ تو اس پر اس طرح شفقت فرما رہے ہیں کہ گویا اُس کی ماں نے آپ کو دودھ پلایا ہو[1]

میں ہڈی کس کو دُوں گا؟

ایک بخیل نے گوشت بھری ہڈی خریدی۔ اور اس کو پکا کر کھانے لگا۔ اور اس کے تینوں لڑکے

[1] ثمرات الاوراق ج ۲ صد ۲۵۱

سامنے بیٹھے دیکھتے رہے۔ مگر بخیل نے کسی کو ذرا سا بھی گوشت نہیں دیا۔ جب صرف چکنی اور صاف ہڈی رہ گئی تو بخیل اپنے لڑکوں سے کہنے لگا کہ یہ ہڈی میں اسکو دوں گا جو اس کو سب سے زیادہ اچھی طرح کھانے کا طریقہ مجھے بتائیگا۔ یہ سُن کر بڑا لڑکا بولا کہ ابّا جان! میں اسکو اس طرح چاٹ چاٹ کر اور چوس چوس کر چھوڑوں گا کہ کسی چیونٹی کو بھی طمع باقی نہ رہے گی۔ منجھلے لڑکے نے کہا کہ ابّا جان! میں تو اس کو چاٹ چاٹ کر اسقدر شفاف بنادوں گا کہ دیکھنے والا اس کو سال دو سال کی پرانی ہڈی سمجھے گا۔ آخر میں سب سے چھوٹا لڑکا بولا کہ ابّا جان! یہ دونوں نالائق ہیں انھیں کھانے کا ڈھنگ ہی نہیں۔ میں پہلے تو اسے خوب خوب چاٹ چاٹ کر اور چوس چوس کر صاف کروں گا۔ پھر اس کو کوٹ چھان کر سفوف بنا کر پانی کے ساتھ حلق سے اتار لوں گا۔ یہ سُن کر بخیل مارے خوشی کے اُچھل پڑا۔ اور کہا کہ شاباش! واقعی تو اس قابل ہے کہ میں یہ ہڈی تجھے عطا کروں۔ تو میرا سچا جانشین ہے۔ اللہ تعالیٰ تیری معرفت اور دانائی میں خوب خوب ترقی عطا فرمائے یہ کہہ کر ہڈی اس لڑکے کو دے دی۔[1]

ایک دلچسپ مقدمہ

ایک عورت نے اپنے شوہر کے خلاف قاضی کی کچہری میں یہ مقدمہ پیش کیا کہ میرا شوہر ہر رات بستر پر پیشاب کر دیتا ہے۔ اسلئے مجھے اس سے طلاق دلادی جائے۔ قاضی صاحب نے شوہر سے بیان دینے کی فرمائش کی۔ تو اس نے کہا کہ عزت مآب کیا کروں؟ میں ہر رات یہی خواب دیکھتا ہوں کہ میں سمندر کے ایک جزیرہ میں ہوں اور اسمیں ایک بہت ہی اونچا محل بنا ہوا ہے اور محل کے اوپر ایک گنبد بنا ہوا ہے اور اس گنبد پر ایک اونٹ ہے اور میں اس اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ اور ایک دم وہ اونٹ سمندر کا پانی پینے کے لئے اپنا سر جھکانے لگتا ہے یہ دیکھ کر مجھ پر ایسا خوف طاری ہو جاتا ہے کہ مارے ڈر کے میرا پیشاب خطا ہو جاتا ہے۔ شوہر کا بیان سُن کر قاضی صاحب نے عورت سے فرمایا کہ اے اللہ کی بندی! تو اپنے شوہر کو معذور سمجھ کر

[1] ثمرات الاوراق ج۔ ص ۲۲۹

معاف کردے۔ اور صبر کر۔ جب اسکی بات سن کر میرا پیشاب خطا ہوگیا۔ تو یہ نظر دیکھ کر اس کا پیشاب کیونکر رک سکتا ہے؟ ؎

سب لوگ سمجھ گئے

ایک مولانا صاحب تھے جو وعظ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کا تکیۂ کلام تھا کہ "سب لوگ سمجھ گئے"۔ ایک دن وعظ کے لئے ان کا دل نہیں چاہتا تھا۔ مگر اچانک مصلیوں نے عصر کی نماز کے بعد مسجد میں اعلان کر دیا کہ سب لوگ ٹھہر جائیں۔ مولانا کا وعظ ہوگا۔ مولانا صاحب پر یہ الزام بڑا گراں گذرا۔ مگر چونکہ اعلان ہو چکا تھا اس لئے بادل ناخواستہ وعظ کے لئے منبر پر کھڑے ہو گئے۔ اور خطبہ کے بعد اپنے تکیۂ کلام کے مطابق فرمایا کہ کیوں؟ سب لوگ سمجھ گئے تو حاضرین نے بلند آواز سے کہا کہ جی ہاں۔ ہم لوگ سمجھ گئے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ سبحان اللہ جب تم لوگ اتنے سمجھ دار ہو کر بغیر میرے فرمائے ہوئے سب کچھ سمجھ گئے۔ تو پھر تم لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ کہا اور منبر سے اتر کر چل دیئے مقتدیوں نے کہا کہ افسوس! ہم لوگوں سے بہت بڑی غلطی ہو گئی کہ ہم لوگوں نے مولانا کے جواب میں یہ کہدیا کہ جی ہاں! سمجھ گئے۔ اچھا اب مغرب کے بعد واعظ کا اعلان کر دو۔ اور جب مولانا صاحب فرمائیں کہ سب لوگ سمجھ گئے؟ تو سب چلا کر کہیں کہ نہیں۔ ہم لوگ کچھ نہیں سمجھے۔ بالکل نہیں سمجھے۔ پھر تو مولانا صاحب وعظ کہنے پر مجبور ہو ہی جائیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے بعد مغرب اعلان کر دیا کہ مولانا صاحب وعظ بیان فرمائیں گے۔ لہٰذا تمام صاحبان ٹھہر جائیں مولانا صاحب کا دل تو چاہتا نہیں تھا کہ وعظ فرمائیں۔ لیکن اعلان سے مجبور ہو کر منبر پر کھڑے ہو گئے۔ اور خطبہ پڑھ کر حسب عادت فرمایا کہ کیوں؟ سب لوگ سمجھ گئے۔ تو سب سامعین چلا چلا کر کہنے لگے کہ جی نہیں۔ ہم لوگوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ بالکل نہیں سمجھا۔ یہ سن کر مولانا صاحب نے فرمایا کہ استغفر اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ! جب تم لوگ اتنے ناسمجھ ہو کہ کچھ

سمجھتے ہی نہیں۔ تو پھر تم لوگوں کو سمجھانا بالکل فضول ہے یہ کہا اور منبر سے اتر گئے۔ اور چلے گئے۔ سامعین کو بڑا افسوس ہوا کہ ناحق ہم لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم لوگوں نے کچھ نہیں سمجھا۔ پھر سب نے یہ طے کیا کہ اچھا عشار کے وقت وعظ کا اعلان کر دیا جائے۔ اور جب مولانا صاحب دریافت کریں کہ کیوں؟ سب لوگ سمجھ گئے تو منبر کے دائیں طرف والے یہ کہیں کہ جی ہاں! ہم لوگ سمجھ گئے۔ اور منبر کے بائیں طرف والے یہ کہیں کہ ہم لوگوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ جب تو ضرور ہی مولانا صاحب واعظ فرمائیں گے۔ چنانچہ عشار کے بعد لوگوں نے وعظ کا اعلان کر دیا۔ اور مولانا صاحب منبر پر تشریف لے گئے۔ اور جیسے ہی خطبہ کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ کیوں؟ سب لوگ سمجھ گئے۔ تو آدھے آدمیوں نے کہا کہ جی ہاں۔ ہم لوگ سمجھ گئے اور آدھے آدمیوں نے کہا کہ جی نہیں۔ ہم لوگوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ یہ آوازیں سن کر مولانا صاحب نے فرمایا کہ ماشاء اللہ! کچھ لوگ سمجھ دار ہیں جو سمجھ گئے۔ اور کچھ لوگ ناسمجھ ہیں جو بالکل نہیں سمجھے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ گئے ہیں وہ ان ناسمجھوں کو سمجھا دیں۔ میرے سمجھانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم یہ فرمایا اور منبر سے اتر پڑے۔

کھانے میں سنّت و فرض

ایک مولانا صاحب دعوت کھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ لوگوں نے اصرار کر کے انھیں بہت زیادہ کھلا دیا۔ یہاں تک کہ اب ان کے شکم میں ایک ماشہ غذا کی بھی جگہ باقی نہیں رہی تو کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے برتنوں کو تو صاف ہی نہیں کیا۔ حالانکہ برتنوں کو صاف کرنا سنّت ہے۔ مولانا صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے۔ برتن صاف کرنا سنّت ہے۔ مگر جان بچانا فرض ہے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ میں سنّت ادا کروں۔ یا فرض پر عمل کروں؟ یہ سن کر سب لوگ ہنس پڑے۔

مختصر نویس

بصرہ کے ایک عالم صاحب کو یہ خبط تھا کہ وہ ہمیشہ بہت ہی مختصر خط لکھا کرتے تھے اور اپنی مختصر نویسی پر انہیں بڑا ناز تھا چنانچہ انھوں نے کسی مولانا صاحب کے نام اتنا مختصر خط لکھا کہ

نَحْنُ بِخَیْرٍ فَکَیْفَ اَنْتُمْ وَالسَّلَامُ "

یعنی ہم لوگ بخیریت ہیں۔ آپ لوگوں کا کیا حال ہے ؟ والسلام۔

جواب میں مولانا صاحب نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم آپ سے بھی زیادہ مختصر نویس ہیں۔ یہ خط لکھا کہ نَحْنُ کَکَ وَالسَّلَامُ یعنی ہم تمہارے ہی جیسے ہیں والسلام !

دین کی اشاعت
اور
ایصالِ ثواب

اہلسنت وجماعت کا دستور ہے کہ وہ اپنے بزرگوں اور رشتہ داروں کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ غلّہ، کپڑا اور رقم تقسیم کرتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل درست ہے اور ایصالِ ثواب قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ البتہ اس کے لئے کسی خاص امرِ خیر کی شرط نہیں۔ ہر کارِ خیر کا ثواب ارواح کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس دور میں جبکہ بدمذہبوں کی کتابیں اور گمراہ کن لٹریچر گھر گھر پہنچا ہوا ہے سُنّیوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ علمائے اہلِ سُنّت کی مفید کتابیں خرید کر غریب مسلمانوں کو مفت تقسیم کرکے اس کا ثواب اپنے بزرگوں اور رشتہ داروں کی رُوحوں کو پہنچائیں۔ اس طرح جب تک وہ کتابیں لوگوں کے مطالعہ میں رہیں گی اُن کا ثواب جاریہ مرحوم ارواح کو برابر پہنچتا رہیگا اور دین کی اشاعت بھی ہوتی رہیگی۔ جو احباب اس کتاب کو تقسیم کرنا چاہیں وہ ہمیں مطلع فرمائیں انکے لئے خاص رعایت ہوگی۔

ابو العطار نعمت علی چشتی سیالوی
ناظم مکتبہ فریدیہ، جناح روڈ، ساہیوال